سلسلہ مباحث
حماسہ کربلاء
۲

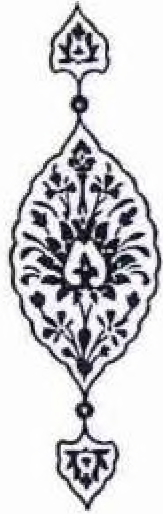
حسین علیہ السلام
وارث انبیاء علیہم السلام

سید جواد نقوی

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت
متاب پبلیکیشنز

بسم الله الرحمن الرحيم

هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟
عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟
مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ





○کتاب — **حسین وارث انبیاء**

○ مولف — سید جواد نقوی

○ ترتیب — مرکز تحقیقات اسلامی بعثت

○ صفحه بندی — عابد علی

○ سرورق — مجتبی حسن نقوی

○ ناشر — متاب پبلیکیشنز

○ اشاعت — ۱۴۲۹ ھ ق - ۲۰۰۸ عیسوی

○ تعداد — ۲۰۰۰



www.IslamiMarkaz.com
info@islamimarkaz.com

حسین وارث انبیاء

عرض ناشر

حضرت امام حسین علیہ السلام قیام مقدس عاشورا میں تمام بشریت کے لئے علمی و عملی اسوہ ہیں، امام علیہ السلام نے اس عظیم انقلاب میں تمام انسانی اور دینی اقدار کی عملی تفسیر کی ہے، آپ نے اپنی گرانقدر قربانی کے ذریعے انسانیت کو باعزت زندگی گزارنے اور سعادت مند ہونے کا راستہ سکھایا ہے، حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام نے اپنی شہادت کے ذریعے عاشورا کو ضابطہ حیات اور جاویدانی اصول بنا دیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جان برکف اور باوفا اصحاب نے ان الٰہی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اگر انسان متعہد ہو، ایمان اور قوی ارادہ رکھتا ہو تو جب چاہے ان اصولوں اور اقدار پر پورا اتر کر معاشرے کو ہر قسم کی برائی اور آفات سے پاک

کرسکتا ہے، ان عاشورائی اقدار کے ذریعے ایک الٰہی، ربّانی، قرآنی اور آئیڈیل اسلامی معاشرہ قائم کرسکتا ہے۔

قیام امام حسین علیہ السلام مکتب الٰہی ہے، عاشورا قرآنی اصولوں کی تجلی گاہ ہے، سید الشہداء علیہ السلام خداوند سبحان کی صفات جلال و جمال کا مظہر ہیں اور سبط نبی، آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، امام علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی سیرت پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو راہ خدا میں قربان کر کے انبیاء الٰہی کی وراثت کا یہ عظیم مقام پایا ہے۔

ہر انسان کے لئے بالعموم اور پیروان ولایت کے لئے بالخصوص یہ ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے لئے اسوہ قرار دیں، عاشورائی اصولوں اور اقدار کو اپنا کر صفات حسینی کا مظہر بنیں اور اپنے معاشرے کو قرآنی اور الٰہی اقدار کی طرف دعوت دیں۔

سید الشہداء علیہ السلام کا یہ مقدّس قیام، رمز اور راز سے بھرا ہوا، پر اسرار مکتب ہے، اسلام ناب کے حقائق اور معارف سے مالا مال ہے، ایک گہرے اور عمیق سمندر کی مانند ہے، صدیوں سے اس مکتب کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی فراوان کوششیں ہو رہی ہیں، آج تک اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کچھ کیا بھی گیا ہے اور کافی کچھ لکھا بھی گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس سرچشمہ الٰہی سے سیراب ہونے کے لئے روز بروز لوگوں کی تشنگی بڑھتی جا رہی ہے اسی ضرورت کے مدّ نظر مرکزِ تحقیقات اسلامی بعثت نے حماسہ کربلا کے عنوان سے کربلا شناسی، حسینؑ شناسی اور عاشورا شناسی کی غرض سے کتب کی صورت میں نشر مباحث کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔

زیر نظر کتاب حماسہ کربلا سے متعلق سلسلہ مباحث کا دوسرا مجموعہ ہے اس کتاب میں

مفکرِ اسلام جناب حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد نقوی نے مکتب عاشورا اور سید الشہداء علیہ السلام کی شخصیت کو ایک منفرد انداز سے پیش کیا ہے مؤلف نے اس کتاب میں **حسینؑ وارث انبیاء** کے عنوان سے کربلا اور امام حسین علیہ السلام سے متعلق ایک نیا باب کھولا ہے، یہ ابحاث زیارت وارث کی تفسیر کے طور پر بیان ہوئی ہیں اس وجہ سے اس کتاب کو زیارت وارث کی شرح یا تفسیر بھی کہا جا سکتا ہے، مؤلف نے اپنے مخصوص انداز میں جسے تقریباً خاص و عام سبھی جانتے ہیں احسن طریقے سے تشنگان اسلام ناب کو کربلا سے روشناس کرایا ہے مطالب علمی و تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ آسان اور رواں ہیں لہٰذا یہ خاص و عام کے لئے قابل فہم ہیں۔

کتاب حاضر محرم الحرام ۱۴۲۲ ہجری قمری میں کراچی میں پڑھی گئی، مجالس کا تحریری مجموعہ ہے جنہیں کتابی شکل دی گئی ہے البتہ اب اسے محض تقریری مجموعہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ بعض فصول کی تکمیل ہوئی ہے اور دو فصلیں نئے سرے سے تحریر ہوئیں ہیں، حسب معمول اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب میں گفتاری حالت باقی رہے اور محض تحریر نہ بن جائے، مؤلف کی یہ کوشش رہی ہے کہ کتاب کے اندر محض خشک معلومات نہ ہوں بلکہ تحلیل و تجزیہ کا رنگ غالب رہے، علمی و تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ محرّکاتی پہلو نمایاں ہو، مدرسہ ی انداز کے بجائے عام فہم اسلوب اختیار کیا جائے، حتی المقدور دینی مباحث کو تطبیقی اور عملی شکل میں پیش کیا جائے تا کہ جوان نسل کو دین و مذہب معروضی شکل میں دکھائی دے، دین کو محض خیالی تصوّرات سے نکال کر قابل عمل شکل میں پیش کیا جائے، اس میں کتنی کامیابی ہوئی ہے کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

غلطیاں اور خطائیں انسانی کوششوں کا لاینفک حصہ ہیں بنابراین کتاب میں موجود ہر قسم کی خطا سہوی ہے، نشاندہی ہو جائے تو آئندہ طباعت میں اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔

جن احباب نے کتاب کی ترتیب و تنظیم اور نشر میں فراوان زحمتیں اٹھائی ہیں سب لایق تحسین وستائش اور قابل امتنان وتشکر اور سزاوار دعا و سپاس ہیں، خداوند تعالیٰ سے ان سب کے لئے اجر عظیم اور توفیقات فراوان کی دعا ہے۔

متاب پبلیکیشنز

فہرست مطالب

عرض ناشر ---------- الف

مقدمہ ---------- ۱۳

پھلی فصل

ماہ محرم کے آداب ---------- ۲۳

محرم الحرام حسین علیہ السلام کی معرفت کا مہینہ ---------- ۲۴

ماہ محرم، انسان کی معرفت کا آغاز ---------- ۲۵

معرفت، انسان کی عمر کا پیمانہ ---------- ۲۶

حرکت معیار تکامل ---------- ۲۸

انسان کی عمر میں اضافے کا معیار ---------- ۲۸

امام حسین علیہ السلام کی معرفت کے لئے تاریخ کا نا کافی ہونا ---------- ۲۹

قرآنی اسوؤں سے امام حسین علیہ السلام کی پہچان ---------- ۳۳

الف۔ قرآنی آیات کا ارتباط ---------- ۳۴

ب۔ تمام موجودات کا ارتباط ---------- ۳۵

زیارت وارثہ خزینہ معرفتِ حسین علیہ السلام ---------------- ۴۱

وراثت کی شرائط ---------------- ۴۵

وارثت کی اقسام ---------------- ۴۷

وارثتِ انبیاءؑ کا معیار ---------------- ۵۰

مٹھی اور ہتھیلی کی حکمت ---------------- ۵۲

انبیاءؑ کا سرمایہ ---------------- ۵۳

انبیاءؑ کے سرمایہ کی حفاظت ---------------- ۵۴

وارثت، تشکیل خاندان کی حکمت ---------------- ۵۶

مقصدِ بعثتِ انبیاءؑ ---------------- ۶۰

الف۔ انسان کا ذاتی سرمایہ ---------------- ۶۰

ب۔انسانی قوتوں کی تربیت ---------------- ۶۱

ج۔انبیاءؑ دفائن العقول کو ابھارنے والے ---------------- ۶۴

امام حسین علیہ السلام محافظ وارث انبیاءؑ ---------------- ۶۷

میراث سے وارث کی پہچان ---------------- ۶۸

علماء انبیاءؑ کے وارث ---------------- ۷۰

دوسری فصل

امام حسین علیہ السلام وارث آدم علیہ السلام صفوۃ اللہ ---------------- ۷۵

خلافت الٰہیہ، آدم علیہ السلام کی میراث ---------------- ۷۷

خلافت کے معنی ۷۹
آدم علیہ السلام کس کے خلیفہ؟ ۷۹
خدا کو اپنا خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت کیوں؟ ۸۱
خلافت الہیہ سے کیا مراد ہے؟ ۸۲
خلافتِ الٰہیہ، مظہر اسماء اللہ ۸۴
مقامِ خلافت، غرض خلقت ۸۶
حسین علیہ السلام خلافتِ الٰہیہ کے وارث ۸۸
خلافت الہیہ کا دشمن ۸۹

تیسری فصل

حضرت نوح علیہ السلام منادی توحید ۹۵
قوم نوح علیہ السلام کی نجات ۹۵
حضرت نوح علیہ السلام کا سفینۂ نجات ۹۸
حسین علیہ السلام سفینۂ نجات ۹۹
بشریت کو درپیش بحران اور اس کا راہ حل ۱۰۳
سفینۂ نجات پر بیٹھنے والی قوم ۱۰۵
سفینۂ نوح علیہ السلام اور سفینۂ حسین علیہ السلام میں فرق ۱۰۵

چوتھی فصل

ابراہیم علیہ السلام اور آذری کارخانہ ۱۰۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام بت شکن ---------- ۱۱۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام مردہ ضمیروں کو جھنجوڑنے والے ---------- ۱۱۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود میں ---------- ۱۱۴
وارثِ حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش یزید میں ---------- ۱۱۶
مرئی اور نا مرئی بت ---------- ۱۱۸
انسان کی پستی ---------- ۱۱۹
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم ---------- ۱۲۱
ہاجرہ باعظمت خاتون ---------- ۱۲۳
زمزم انسانیت کو سیراب کرنے والا چشمہ ---------- ۱۲۵
وارثِ زمزم کربلا میں ---------- ۱۲۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی ---------- ۱۲۸
وارثانہ رویہ اور غاصبانہ رویہ ---------- ۱۲۸
عید قربان کا فلسفہ ---------- ۱۳۰
قربانی کا اصلی مفہوم اور مقصد ---------- ۱۳۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام دشوارترین امتحان میں ---------- ۱۳۵
وارثِ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ---------- ۱۳۸

پانچویں فصل

بشریت کو درپیش خطرات ---------- ۱۴۳

الف۔فرعونی دور کی خصوصیات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۳
ب۔کسی مذہب کو قبول کرنے کی علامتیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۵
ج۔فرعونیت، سبطیوں کی نسل کشی کا دور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۶
د۔قبطی اور سبطی نظام فرعونیت کو قبول کرنے والے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۷
و۔جاہلیت میں لڑکیوں کا قتل عام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰
مرد اور عورت میں تفریق کی حکمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰
دور حاضر میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا قتل عام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۱
فرعونی نظام کے آثار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۴
خول میں گھسنا نجات کا راستہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام بشریت کے نجات دہندہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۸
بشریت کو نجات دینے میں خواتین کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۹
حسین علیہ السلام بشریت کی نجات کے وارث ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۳
امام سجاد علیہ السلام میراث امام حسین علیہ السلام کے محافظ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۹

چھٹی فصل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص صفات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷۵
معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷۸
کفر کے خلاف آواز بلند کرنے والے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷۸
مادر عیسیٰ علیہا السلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۷۹

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا میں تقابل ---------------- ۱۸۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدافع مادر ---------------- ۱۸۶
امام حسین علیہ السلام مدافع عصمت ---------------- ۱۸۶
حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا امتحان ---------------- ۱۸۷
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا امتحان ---------------- ۱۸۷
ابن مریمؑ اور ابن زہراؑ کے معجزات ---------------- ۱۸۸
امام حسین علیہ السلام مردہ قوموں کے مسیحا ---------------- ۱۹۰
کفر امر قلبی یا حسی ---------------- ۱۹۲
قرآنی مسیح ---------------- ۱۹۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا مشترکہ نعرہ ---------------- ۱۹۵
دم مسیح اور احساس مسیح میں فرق ---------------- ۱۹۷
مسیحائے امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ---------------- ۱۹۸

ساتویں فصل

حسین علیہ السلام کا تعارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ---------------- ۲۰۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ---------------- ۲۰۶
امام حسین علیہ السلام وارث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ---------------- ۲۰۷
اہل بیت علیہم السلام میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ---------------- ۲۰۹
کربلا قرآن کی عملی تفسیر ---------------- ۲۱۰

وارث محمد ﷺ میدان کربلا میں ---------- ۲۱۳
بشیر ونذیر نبی ---------- ۲۱۴
امام حسین علیہ السلام چراغ ہدایت ---------- ۲۱۵
رسول خدا ﷺ رحمۃ للعالمین ---------- ۲۱۸
امام حسین علیہ السلام مظہر رحمت خدا ---------- ۲۱۹
مصائب کے نزول کا فلسفہ ---------- ۲۲۱
اہل بیت محلِ نزولِ مصائب ---------- ۲۲۶
مصائب کا فضائل سے گہرا رابطہ ---------- ۲۲۷
مصائب اور آفات میں فرق ---------- ۲۲۸
فضلیت کی تعریف ---------- ۲۲۹
فضائل کا معیار ---------- ۲۳۲
انسان کی ترقی کا معیار ---------- ۲۳۳
فضائل کی خاصیتیں ---------- ۲۳۵
۱۔علم کی خاصیت ---------- ۲۳۷
۲۔شجاعت کی خاصیت ---------- ۲۳۸
۳۔غیرت کی خاصیت ---------- ۲۴۱
۴۔عزت کی خاصیت ---------- ۲۴۳
۵۔مصائب وفضائل کی مشترکہ خاصیت ---------- ۲۴۴

عاشور کا پیغام -- ۲۴۸

آٹھویں فصل

وارث حسین علیہ السلام کون؟ -- ۲۵۱
امام حسین علیہ السلام کے استغاثے کا مقصد -- ۲۵۲
استغاثہ حسین علیہ السلام پر لبیک کہنے والے -- ۲۵۷
فائدے اٹھانے والے وارث نہیں -- ۲۵۹
میراث حسینی کی حفاظت -- ۲۶۱
ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ -- ۲۶۲
میراث کی حفاظت ابابیل سے سیکھئے -- ۲۶۴
غیر ذمہ داری کی سزا -- ۲۶۶
زمانے کی تقسیم -- ۲۶۹
اسلامی اصولوں کے مطابق زمانے کی تقسیم -- ۲۷۰
حسینیت کا دور -- ۲۷۱
شبِ عاشور عہد و پیمان کی رات -- ۲۷۳
فہرستیں -- ۲۷۵

مقدمہ

حسینؑ حقیقتِ ابدی

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری

بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی (۱)

مقام شبیری ایک ازلی و ابدی حقیقت ہے ہر زمانے میں اس حقیقت کے مختلف جلوے رہے ہیں۔ جتنی طولانی انسان کی تاریخ ہے مقام شبیری کی داستان بھی اتنی ہی دراز ہے؛ یہ حقیقت زمان اور مکان کی وسعتوں پر محیط ہے کسی مخصوص زمانے یا خاص مکان کے اندر اس کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ہر چند اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت اہتمام کیا گیا ہے لیکن ابھی تک ناشناختہ باقی ہے۔

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ۳٦٥.

ضرورت شناخت حسینیت

خداوند تعالی نے اسی حقیقت کی شناخت کے لئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اور خاص کر قرآن کریم جیسی کتاب نازل فرمائی جس کے اندر اس ازلی وابدی حقیقت کے اصول بیان فرمائے، اس کے راز سے پردہ اٹھایا، اس کی رمز کو بیان کیا یہ دراصل انسان کی ہی داستان ہے، ہر امت کو یہ حقیقت دکھانا ضروری ہے، ہر امت کے لئے اس سے آگاہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ انسان کی اپنی حقیقت ہے اگر بشریت اس سے آشنا نہ ہوئی تو ہلاک اور نابود ہو جائے گی اگر اس حقیقت کو بار بار دہرایا نہ جائے تو بشریت اپنا راستہ گم کر بیٹھے گی، بہکی اور بھٹکی ہوئی نسلیں انسانیت کے دائرے سے خارج ہو کر پست اور گھٹیا جانوروں میں بدل جائیں گی۔

حقیقت ابدی یا مقام شبیری مقام آدمیت کے مترادف ہے اسی وجہ سے اولاد آدم علیہ السلام میں سے ہر نسل کی اہم ضرورت یہی ہے۔

تاریخ اور تجربہ اس بات پر گواہ ہیں کہ جب بھی نوع بشر میں سے کسی معاشرے نے اس سے انحراف اختیار کیا ہے، ناقابل توصیف ذلت وپستی میں جا گرا ہے۔

حقیقت انسان

انسانیت فقط جسمانی ڈھانچوں کا نام نہیں ہے، جن کی کثرت نے زمین کو تنگ کر دیا ہے، جن کی پستی نے زمین کو آلودہ کر دیا ہے، جن کے فتنہ اور فساد نے خود اسی کی نوع کو خطرے میں ڈال دیا ہے بلکہ انسانیت ان قدروں کا نام ہے جو ان جسمانی ڈھانچوں کو اشرف المخلوقات بنا دیتی ہیں۔

انسانیت،.................شرف وشرافت ہے.................،عزت وکرامت ہے.................،

پاکیزگی وطہارت ہے.................،محبت وعشق ہے.................،ایثار وفداکاری ہے.................

.......،جانبازی وجانثاری ہے.................،معرفت وآگہی ہے.............، جذبہ واحساس ہے

.............،خداپرستی وبندگی ہے.................،آزادی ونجات ہے.............عفت وپاک

دامنی ہے.................،حیاء وحیات ہے.................،شجاعت وشہامت ہے.................،

حرکت وتکامل ہے.................،بیداری وشعور ہے.................،عہدوپیمان کی وفاداری ہے۔

انسانی معاشرہ کہلانے کا مستحق وہ سماج ہے جس کے اندر یہ قدریں موجود ہوں ان کے مفقود ہونے کی صورت میں اسے انسانی معاشرہ کہنا بے جا ہوگا۔

قرآنی انسان

خداوندتعالیٰ نے قرآن مجید میں زمین پر رینگنے والے ڈھانچوں کو انسان نہیں کہا بلکہ دابہ کہا ہے جودل رکھتے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے.............،جوذہن رکھتے ہیں لیکن فکر نہیں رکھتے.................

.................،جوآنکھیں رکھتے ہیں بصیرت نہیں رکھتے.................،جوکان رکھتے ہیں سماعت نہیں رکھتے.................، جوزبان رکھتے ہیں حق گوئی نہیں رکھتے۔

" اِنَّ شَرَّا الدّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الصُّمُّ البُکمُ الَّذِینَ لَایَعقِلُونَ " ۔(۱)

---

(۱)۔ الانفال، آیت۲۲.

اللہ کے نزدیک بدترین رینگنے والے یہی گونگے، بہرے ہیں جو سوچتے نہیں ہیں۔

" اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبَّ عِندَ اللّٰه الَّذِینَ کَفروا فَهُم لَا یُؤمِنُون ۔ الَّذِینَ عَاهَدت مِنهُم ثُم یَنقُضُونَ عَهداً فِی کُلِ مَرّة وَهُم لَا یَتقُونَ "۔(۱)

اللہ کے نزدیک بدترین رینگنے والے وہی ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان نہیں لائے یہ وہی ہیں جن سے آپ نے جب عہد لیا ہر دفعہ اسے توڑ ڈالا، یہ کبھی بھی تقوی اختیار نہیں کرتے۔

" وَلَقَد ذَرَأ نَا لِجَهَنَّمَ کَثِیراً مِنَ الجِنَّ وَ الِانسِ لَهُم قُلُوبٌ لَایَفقَهُونَ بِهَا وَلَهُم اَعیُنٌ لَّا یَبصِرُونَ بِهَا وَلَهُم آذَانٌ لَّایَسمَعُونَ بِهَا اُوْلِئِکَ کَا لَا نعَامِ بَل هُم اَضَلُّ اُوْلِئِکَ هُم الغَافِلُونَ" ۔ (۲)

ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد کو جہنم کے لئے رکھا ہوا ہے (کیونکہ) ان کے دل ہیں لیکن ان کے ذریعے سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں یہی غافل ہیں۔

اگر کوئی معاشرہ یا قوم اس حالت تک جا پہنچے وہ انسانیت کے دائرے سے باہر ہے، انسانی جسموں کو انسانیت کے دائرے میں رکھنے کے لئے انسانی قدروں کی احیاء کی ضرورت ہے لیکن یہ امر واضح ہے کہ انسانی قدروں کا احیاء کتنا دشوار کام ہے جس کو شک ہے آج کے گرتے ہوئے اور رو بہ زوال معاشرے میں فقط ایک انسانی قدر کو زندہ کر کے تجربہ کر لے۔

---

(۱)۔ الانفال، آیت ٥٥،٥٦.

(۲)۔ الاعراف، آیت ۱۷۹.

حسینیت رازِ بقاء انسانیت

ان قدروں کو زندہ کرنے کے لئے خود کو بلاؤں کے سپرد کرنا پڑتا ہے؛

انسانیت کا کھویا ہوا مقام لوٹانے کے لئے اپنا مقام کھونا پڑتا ہے؛

انسانیت کا سر بلند کرنے رکھنے کے لئے اپنا سر کٹانا پڑتا ہے؛

بشریت کی آزادی کے لئے خود طوق و زنجیر پہننے پڑتے ہیں؛

نوع انسان کو نجات دینے کے لئے خود آگ میں کودنا پڑتا ہے؛

انسانوں کی آسودگی کی خاطر اپنا چین و آرام برباد کرنا پڑتا ہے؛

انسانی نسلوں کی بقاء کے لئے اپنی اولاد ذبح کروانا پڑتی ہے؛

انسانیت کو حق سے آشنا کرنے کے لئے باطل سے ٹکرانا پڑتا ہے؛

ستم سے نجات کے لئے ستمگروں سے لڑنا پڑتا ہے؛

محروموں کی رفاہ کی خاطر خود بھوکا اور پیاسا مرنا پڑتا ہے؛

انسانی جسموں کے وقار کے لئے اپنے بدن پائمال کروانا پڑتے ہیں؛

انسانی عفت اور حیاء کو بچانے کی خاطر اپنی چاردیں لٹانا پڑتی ہیں؛

حرمت محرمات بچانے کے لئے نامحرموں کے درمیان خطبے دینا پڑتے ہیں؛

دوسروں تک شہدِ حق پہچانے کے لئے خود زہر کے پیالے پینے پڑتے ہیں؛

اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر باطل کے ایوانوں کو لرزانا پڑتا ہے؛

مظلوموں کو بچانے کے لئے فرعونوں کو ڈبونا پڑتا ہے؛

قرآن اور دین کی حرمت بچانے کے لئے زمانے کے یزیدوں کو رسوا کرنا پڑتا ہے۔

ہر زمانے میں حسین علیہ السلام

الٰہی راستوں، اصولوں، مقاصد اور کوششوں کا دوسرا نام حسینیت ہے اسی کو مقام شبیری کہتے ہیں یہی ازلی و ابدی حقیقت ہے۔قرآن یہی بیان کرر ہا ہے دین الٰہی کا دوسرا عنوان امامت اسی راز کا نام ہے، نبوت اسی مرتبے کو کہتے ہیں، امامت، رسالت کی تجلی ہے، امامت توحید کی روح ہے اور ان سب کے علمبردار کا نام حسینؑ ہے۔اگر آدمؑ یہ کام کرے تو وہ بھی حسینؑ ہے..........، نافرمان قوم کے درمیان گھرا ہوا نوحؑ بھی حسینؑ ہے..........، نمرور کی آگ میں بیٹھا ابراہیمؑ بھی حسینؑ ہے..........، چھری کے نیچے تسلیم اسماعیلؑ بھی حسینؑ ہے..........، فرعون کو غرق کرنے والا موسیٰؑ بھی حسینؑ ہے..........، صلیب پر لٹکا ہوا عیسیٰؑ بھی حسینؑ ہے..........، طائف میں پتھروں سے زخمی اور لہولہان محمدؐ بھی حسینؑ ہے..........، کوفہ کی مسجد میں شکافتہ سر علیؑ بھی حسینؑ ہے............، مدینہ میں ولایت کا دفاع کرتے ہوئے زخمی زہرا(س) بھی حسینؑ ہے..........، تاریخ میں انسانی قدروں کا پرچم اٹھائے، ظلم وستم و طاغوتیت کے خلاف نبردآزما ہرسورما حسینؑ ہے..........، حق کی خاطر اور راہ خدا میں کٹ کر گرنے والے ہر شہید کی لاش بھی حسینؑ ہے............ کیونکہ حسینؑ ہی تنہا وہ ازلی اور ابدی حقیقت ہے، جس نے کبھی اپنا انداز بدلا نہیں، ثابت، استوار، قائم، جاوید و پائندہ ہے کوفی وشامی انداز بدلتے رہتے ہیں۔

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں

اس ابدی حقیقت کی معرفت نوع بشر کی بقاء کے لئے ضروری ہے اس حقیقت کی پہچان کے لئے اگر چہ کوششیں فراوان ہوئی ہیں لیکن ابھی تک ناشناختہ باقی ہے، اس حقیقت کے ساتھ عقیدت مندی ضروری ہے لیکن تنہا عقیدت اسے زندہ نہیں رکھ سکتی فقط عقیدت سے اس حقیقت کا تکرار نہیں ہوسکتا ہے اسی وجہ سے شاعر مشرق کا کہنا ہے کہ آج سب کچھ ہے دین بھی ہے امت بھی ہے، مسلمان بھی ہے، اسلام بھی ہے، قرآن بھی ہے، مؤمن بھی ہے اور مسلمان بھی ہے قافلہ مکمل ہے اور اس کے مقابلے میں یزید بھی ہے، فرعون بھی ہے نمرود بھی ہے، شیطان بھی ہے، ظلم بھی ہے، ستم بھی ہے، مظلوم بھی ہے، فریاد بھی ہے، آگ بھی ہے، دریا بھی ہے، لیکن ایک حقیقت کی کمی ہے اور وہ یہ کہ حسینؑ نہیں ہے، حقیقت ازلی وابدی نہیں ہے، مقام شبیری نہیں ہے۔

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں

گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات (۱)

از حقیقت تا عقیدت

اس حقیقت کے عقیدت مند تو موجود ہیں لیکن ضعیف ناتوان، خاموش سہمے اور ڈرے ہوئے، مصلحتوں کا شکار، توجیہات وتاویلات میں گرفتار، اپنی عقیدتوں کے صلے کے منتظر، بے شمار ہونے

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ٤٠٤.

کے باوجود بھی کم شمار، ہاتھ پر ہاتھ دھرے فردا کی انتظار، بھائیوں کے مصائب اور شہادتوں کے تماشائی اپنی باری کے منتظر، جب تک خود ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آتا اس وقت تک خوشحال اور ہر ظالم و آمر اور طاغوت کے شکر گزار۔

اس ابدی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی معرفت کی طرف مرکز تحقیقات اسلامی بعثت نے دوسرا قدم اٹھایا ہے، حماسہ کربلا کے عنوان سے، حسینیت کی شناخت کے لئے شروع ہونے والے سلسلہ کی پہلی پیشکش، **اقدار عاشوراء** کے نام سے پہلے ہی قارئین کرام تک پہنچ چکی ہے اور اب اسی سلسلے کا دوسرا مجموعہ حسینؑ وارث انبیاء کے عنوان سے کسی قسم کے ادعا کے بغیر قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

کمترین بندہ

سید جواد نقوی

حوزہ علمیہ قم المقدسہ

۱۱ شوال ۱۴۲۹ھ ق

مطابق ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۸ء

قَالَ رَبِّ ... فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ ءَالِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

پہلی فصل

۱

حسینؑ وارث انبیاءؑ

۱۔ ماہ محرم کے آداب
۲۔ محرم الحرام امام حسینؑ کی معرفت کا مہینہ
۳۔ ماہ محرم، انسان کی معرفت کا آغاز
۴۔ معرفت، انسان کی عمر کا پیمانہ
۵۔ حرکت معیار تکامل
۶۔ انسان کی عمر میں اضافے کا میزان
۷۔ امام حسینؑ کی معرفت کے لئے تاریخ کا نا کافی ہونا
۸۔ قرآنی اسوؤں سے امام حسینؑ کی پہچان
۹۔ زیارت وارثہ خزینۂ معرفت امام حسینؑ
۱۰۔ وراثت کی شرائط
۱۱۔ وراثت کی اقسام
۱۲۔ وراثت انبیاءؑ کا معیار
۱۳۔ مٹھی اور ہتھیلی کی حکمت
۱۴۔ انبیاءؑ کا سرمایہ
۱۵۔ انبیاءؑ کے سرمایہ کی حفاظت
۱۶۔ وراثت، تشکیل خاندان کی حکمت
۱۷۔ مقصدِ بعثت انبیاءؑ
۱۸۔ امام حسینؑ محافظ وراثت انبیاءؑ
۱۹۔ میراث سے وارث کی پہچان
۲۰۔ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں

۱۔ ماہ محرم کے آداب

سال کے تمام ایام کے لئے کچھ آداب ذکر کئے گئے ہیں جو اہل ایمان کو معلوم ہیں خصوصاً محرم الحرام کے لئے بعض مخصوص احکام اور آداب ائمہ اطہارؑ سے منقول ہیں اور کچھ ان کی سیرت طیبہ سے مأخوذ ہیں۔ یہ ایام چونکہ حضرت امام حسینؑ سے منسوب ہیں لہذا ایامِ سوگ وعزا ہیں، سوگ وعزا فقط مجلس، منبر یا خاص محفل کے اندر منحصر نہیں، بلکہ انسان کو چاہیے کہ چوبیس گھنٹے ان ایام میں اپنے آپ کو سوگوار اور عزادار رکھے، اپنے وجود، دل، بدن، گھر اور اطراف میں حالتِ عزا وسوگ طاری کرے، معمول کی وہ عادات جن کی وجہ سے حالتِ عزا پر اثر پڑتا ہے ان سے اجتناب کیا جائے، ایسی عادتیں جو ممکن ہے باعث مذمت نہ ہوں لیکن ایام عزا میں سوگوار مومنین کے لئے نامناسب ہوں ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ مجالس امام حسینؑ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، عمومی مجالس کے علاوہ، اپنے گھر، خاندان اور اپنے احباب ورفقاء کے اندر بھی مجلس سوگ منعقد کرنی چاہیے، یہ مجلس کسی مجمع کی محتاج نہیں، کسی خاص ذاکر کی بھی محتاج نہیں، اگر ذکر حسینؑ سے زیادہ آشنائی نہیں ہے، تو ایک کتاب لے لیں جو ذکر امام حسینؑ پر مشتمل ہو، جس میں واقعہ عاشورا کا تذکرہ ہو، گھر اور خاندان کے اندر ایک آدمی پڑھے دوسرے سنیں، اس مجلس کا ثواب بھی اتنا

ہی ہوگا جتنا اجتماعی مجلس میں شرکت کرنے سے ہوتا ہے، یہ بھی سوگواری اور عزاداری کا ایک طریقہ ہے، ضروری نہیں کہ ہم پابند ہوں کہ جہاں پر زیادہ سے زیادہ شرکت ہو ہم بھی وہاں شریک ہوں تا کہ ہم عزا کر سکیں، جتنی توفیق ہو سکتی ہے زیادہ سے زیادہ وقت ذکرِ امام حسینؑ میں گزارا جائے۔ الحمدللہ اہل ایمان بہت سارے آداب سے آشنا ہیں اور ان کے پابند بھی ہیں۔

یہ مہینہ ہمارے لئے مبارک مہینہ نہیں ہے اگر چہ بنی امیہ نے اس مہینہ کو اپنے لئے مبارک مہینہ قرار دیا ہے وہ اس ماہ سے برکتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہوں نے روز عاشور کو خصوصاً بڑا بابرکت دن قرار دیا ہے لیکن یہ ہرگز بابرکت دن نہیں، بلکہ ہمارے لئے تو سوگ وعزا اور ماتم کا دن ہے، البتہ اس مہینے کے اندر معنویت ضرور موجود ہے یہ مہینہ اپنے اندر بہت کچھ رکھے ہوئے ہے اس کے اندر بہت سارے پیغام ہیں جو ہمیں لینے ہیں۔

٢۔ محرم الحرام امام حسینؑ کی معرفت کا مہینہ

تاریخ بشریت میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جس کو سمجھنے اور جس کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے انسان کو بہت محنت کی ضرورت ہے، قیام امام حسینؑ اور واقعہ عاشورا کی حقیقت اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس وقت اکثر انسانوں کو یہ پیغام صحیح طریقے سے پہنچا ہی نہیں یا جان بوجھ کر انھوں نے اس پیغام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر چہ اس کے ظاہر سے مانوس اور آشنا بھی ہیں لیکن اس کی روح اور حقیقت سے دور ہیں، یہ ایام اور مناسبتیں بہترین فرصت ہیں کہ انسان اپنے آپ کو حقیقتِ کربلا اور حقیقتِ عاشورا سے قریب تر کرے۔ ان

ایام میں ہمارا جو وظیفہ اور فریضہ ہے خصوصاً اہل مجلس اور اہل منبر کا، وہ یہ ہے کہ یہ ایام سبب بنیں کہ جو لوگ امام حسین علیہ السلام کی محبت دلوں میں رکھتے ہیں ان کی محبت پہلے سے زیادہ بڑھ جائے، یہ محبت دلوں میں اتر جائے، زبانوں اور الفاظ کی حد تک نہ ہو، ان سے ماوراء ہوکر ایک قلبی محبت میں تبدیل ہو جائے۔ دوسرا اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ محبت اہل بیت علیہم السلام کو بڑھانے اور دلوں میں اتارنے کے ساتھ ساتھ معرفتِ اہل بیت علیہم السلام ان ایام میں پہلے سے زیادہ ہوجائے، یعنی یوں نہ ہو کہ یہ ایام جب ختم ہوں تو ہماری معرفت کی حالت وہی ہو جو آغاز اور شروع میں تھی!

۳۔ ماہ محرم، انسان کی معرفت کا آغاز

محرم سے ایک تو قمری تاریخ کا آغاز ہورہا ہے اور ایک یہ کہ انسانی سفر کا آغاز ہورہا ہے، محرم سوگ اور عزا کا مہینہ ہے، لیکن ایسی عزا جس کے اندر معرفت بھی موجود ہے، اور معرفت کا عظیم خزانہ بھی موجود ہے، لہٰذا محرم کی پہلی تاریخ کو انسان معرفت کا پہلا قدم اٹھائے اور محرم کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یونہی معرفت کے قدم آگے بڑھتے جائیں، سوگ وعزا کی حالت میں جب معرفت آگے بڑھے تو آپ دیکھیں کہ جس طرح سے چاند ہلال تھا بہت چھوٹا تھا جو مشکل سے نظر آتا ہے تو محرم کی پہلی تاریخ کو انسان بھی ہلال کی طرح ہونا چاہیے، اب دو تاریخ کا چاند ذرا بڑھ گیا، تو انسان بھی دو محرم میں آگے بڑھنا چاہیے، تین کا چاند تھوڑا بڑھ گیا انسان بھی تین محرم کو تھوڑا بڑھنا چاہیے اور جب چاند تیرھویں، چودھویں، کو پہنچتا ہے اور مکمل بدر کی شکل اختیار کر لیتا ہے، تو انسان کی شکل ان ایام میں اسی چاند کے مانند بدر والی ہونی چاہیے، انسان کو بھی اب کامل ہونا

چاہیے، انسان میں بھی اتنی نورانیت آنی چاہیے، جتنی محرم کے چاند میں آ گئی ہے، بجھا ہوا چاند کس طرح سے نورانی چاند بن جاتا ہے، لہٰذا اس مہینے میں انسان کے لئے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی ذات کی معرفت، آپ کے اس عظیم کارنامے، آپ کے باوفا اصحاب وانصار رضوان اللہ علیہم، آپ کے خاندان، آپ کی اولاد اور آپ کی قربانیوں کی معرفت کا عظیم صحیفہ کھلتا ہے، یہ مہینہ ان بیبیوں کی معرفت کا مہینہ ہے، جو اس سفر میں آپ کے ساتھ شریک رہیں اور جنہوں نے پیغام کربلا ہم تک پہنچایا اور آج ہم اس قابل ہوئے کہ یکجا بیٹھ کر ذکر سید الشہداء علیہ السلام برپا کریں۔ اگر ہم اس مہینے میں وارد ہوں اور ہماری معرفت اہل بیت علیہم السلام کے متعلق مہینہ گزرنے کے بعد بھی وہی ہو جو پہلے دن تھی تو معلوم ہوا کہ یہ مہینہ ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوا اور یہ فرصت ہاتھ سے نکل گئی۔

٤۔ معرفت، انسان کی عمر کا پیمانہ

محرم کی پہلی تاریخ ہجری سال کی بھی پہلی تاریخ ہے، لیکن جس طرح سے ہجری تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، شاید کسی اور سال یا کسی اور تاریخ کا آغاز ایسے نہیں ہوتا، ہجری تاریخ کے لئے محرم کا پہلا مہینہ ہونے سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ انسان ان ایام اور مناسبتوں سے اپنے لئے نئے سال کا آغاز کرے، ظاہری بات ہے کہ جن مناسبتوں کے ساتھ انسان اپنے نئے سال کا آغاز کرتا ہے انہی کے مقاصد کے ساتھ اپنے سال کا اختتام بھی کرتا ہے، نہ یہ کہ ہماری زندگی کو ایک سال اور بیت گیا اور ہم بڑے ہو گئے ہیں، حالانکہ انسان کی عمر کا پیمانہ شمسی تاریخ ہے نہ قمری تاریخ، بلکہ یہ تو انسان نے اپنے امور، اپنی زندگی منظّم کرنے کے لئے مقادیر اور اندازے معلوم کرنے کے لئے

ایک میزان بنایا ہے۔

لہٰذا سورج کا طلوع اور غروب ہونا، چاند کا طلوع اور غروب ہونا انسانی عمر کا پیمانہ نہیں بن سکتا، انسانی عمر کا پیمانہ ایسا ہونا چاہیے جو انسان کی زندگی اور حیات کے ساتھ سازگار اور ملتا جلتا ہوا ور وہ پیمانہ انسان کی معرفت ہے اگر آپ دیکھنا چاہیں کہ ہم کتنے سال کے ہو گئے ہیں، تو یوں نہ دیکھیں کہ ہماری زندگی میں سورج کتنی دفعہ طلوع ہوا اور کتنی دفعہ غروب ہوا، اس سے انسانی زندگی نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے شاید یہ حیوانی زندگی کا پیمانہ ہو سکے، لیکن انسانی زندگی جو ایک متاع گراں بہا ہے اس کا پیمانہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری غفلت ہے کہ ہم نے اپنی عمر کو متاع قلیل سمجھ کر اس کا پیمانہ سالوں میں مقرر کیا ہے۔

دیکھئے بازاروں میں سب سے قیمتی چیز سونا ہے اور سب سے کم قیمت والی چیز جانوروں کا بھوسہ ہے، تو ان دونوں کے تولنے کا پیمانہ بھی الگ الگ ہے، بھوسہ کا پیمانہ ٹنوں اور منوں کے حساب سے ہے، اگر کوئی بھوسہ خریدنا چاہیے تو کہتا ہے کہ اتنے ٹن اتنے من بھوسہ چاہیے، لیکن جب سونا خریدنا چاہتا ہے تو مثقال اور گرام کے لحاظ سے لینا پڑے گا، ان دو میں فرق ان کی قیمت کی وجہ سے ہے لہٰذا انسان کی عمر بھی آیا سونے جیسی قیمتی چیز ہے یا بھوسہ جیسی کم قیمت چیز ہے؟ اگر میں نے زندگی کو سونے کی طرح تولا، سونے کی طرح اس کا پیمانہ مقرر کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ میری نظر میں عمر بڑی قیمتی چیز ہے، لہٰذا جن لوگوں کے پاس سالوں کے حساب سے عمر کا میزان مقرر ہے تو انہوں نے اپنی زندگی کو بھوسہ کی طرح سمجھا ہے، اس کے لئے کسی قیمت اور اہمیت کے قائل نہیں، میری زندگی میں چند منٹ ضائع ہو گئے یہ وہ کہتا ہے کہ جس کو اپنی عمر کی قدر ہو، لہٰذا انسانی زندگی کو

منٹوں اور سیکنڈوں میں پرکھنا چاہیے، نہ کہ سالوں اور مہینوں میں۔

۵۔ حرکت معیار تکامل

اگر میں آپ سے کہوں کہ میری عمر تیس سال ہوگئی ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب سے میں زمین پر آیا ہوں اس وقت سے لیکر ابھی تک زمین نے سورج کے گرد تیس چکر کاٹ لئے ہیں، لہٰذا یہ عمر کا پیمانہ ہو جائے گا! حالانکہ عمر ہمیشہ اس چیز کی بڑھتی ہے جو حرکت کر رہی ہو، رکی ہوئی چیز کی عمر نہیں بڑھتی اگر زمین کی حرکت رک جائے تو نہ سال گزرے گا نہ مہینہ اور نہ ہی دن گزرے گا، لیکن زمین کی حرکت سے دن، سال اور مہینے بدلتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین رکی ہوئی نہیں ہے، اگر میں کہہ رہا ہوں کہ میں تیس سال کا ہو گیا ہوں تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین تیس چکر کاٹ چکی ہے؟ میرے تیس سال اس وقت ہوں گے جب میں نے بھی زندگی میں تیس چکر کاٹے ہوں، جب میں نے بھی تیس سالہ حرکت کی ہو، اگر میں ایک جگہ رکا رہا اور زمین گھومتی رہی تو اس سے زمین کی عمر تو بڑھ رہی ہے لیکن میری عمر نہیں بڑھ رہی، اس لئے کہ میں ایک جگہ پر جامد کھڑا ہوا ہوں۔

حرکت معیار تکامل

۶۔ انسان کی عمر میں اضافے کا میزان

انسان کی عمر کیسی آگے بڑھتی ہے؟ یعنی وہ چیز جو انسان کی عمر کا پیمانہ ہے کہ جس کی بناء پر ہم نے یہ پرکھنا ہے کہ کون کتنے سال کا ہے؟ وہ پیمانہ اور میزان معرفت ہے، جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے

اتنا انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اتنا انسان کا قد بڑھتا ہے، اتنی انسان کی عمر دراز ہوتی ہے، اتنا انسان بڑا ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر میزانِ معرفت کے مطابق مجھے تولا جائے، تو ممکن ہے کہ میری پیدائش کے بعد زمین نے تیس چکر کاٹ لئے ہوں لیکن میں دوسال کی معرفت کا سفر بھی طے نہیں کرسکا، تو اس حقیقی اور انسانی میزان کے مطابق ممکن ہے میں دوسال کا ہوں نہ کہ تیس سال کا، ممکن ہے دوسال سے بھی چھوٹا ہوں، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ۸۰ سالہ بوڑھا معرفت اور فکری لحاظ سے دس بارہ سالہ بچے کے برابر ہو اور دس، بارہ سالہ بچہ، ۸۰ سالہ بوڑھے سے بڑا ہو، معرفت میں اس سے آگے ہو، تاریخ میں اس کے نمونے بھی مل سکتے ہیں۔

۷۔ امام حسین علیہ السلام کی معرفت کے لئے تاریخ کا نا کافی ہونا

امام حسین علیہ السلام کی معرفت اور واقعہ کربلا کی تہہ تک جانے کے لئے سب سے بڑی سند تاریخ بتائی جاتی ہے کہ انسان تاریخ کے ذریعے سمجھے کہ کربلا میں کیا واقع ہوا؟ تاریخ میں ایسے علماء، محققین اور مورخین گزرے ہیں جنہوں نے کوشش کر کے تاریخ کربلا تدوین کی ہے اور ہم تک تاریخی حوالوں کے ساتھ واقعہ کربلا پہنچایا ہے، اب ہمیں چاہیے کہ تاریخی حوالوں کے ساتھ واقعہ کربلا کو پڑھیں بھی اور بیان بھی کریں، تاریخ کے آئینہ اور روشنی میں انسان کو اس واقعہ کے اندر غور و فکر کرنا چاہیے اور اپنا پیغام اس واقعہ سے دریافت کرنا چاہیے، لیکن جو کچھ تاریخ میں قلم بند ہے وہ واقعہ کربلا کو سمجھنے کے

لئے ناکافی ہے، جو کچھ مستند اور صحیح تاریخ میں لکھا ہوا ہے اگر انسان مکمل طور پر اس سے آگاہ ہو بھی جائے تو بھی یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتا کہ میں حقیقت کربلا اور روحِ کربلا تک پہنچ گیا ہوں اور امام حسین علیہ السلام کی معرفت کو حاصل کر لیا ہے، اس مدعا کے کئی دلائل ہیں، ان میں سے دو دلیلوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی دلیل: تاریخ ایسے لوگ لکھتے ہیں کہ جن کی نگاہ ظاہری حوادث پر ہوتی ہے، جیسے آج کل خبر نگار کسی واقعہ کسی روداد میں جا کر وہاں کے حالات کو قلم بند کر کے ہمارے لئے لکھتے ہیں ہم ان کے قلم اور ان کی زبان سے باخبر ہو جاتے ہیں کہ اس واقعہ میں کیا گزرا، کیا رونما ہوا، لیکن ہرگز وہ ان واقعات کے پیچھے کارفرما عوامل اور اس کے پس منظر سے آشنا نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ دیکھنے میں نہیں آتے، تاریخ میں فقط وہ چیزیں آتی ہیں جو آنکھ اور بصارت سے نظر آتی ہیں، لیکن تاریخ کو جنم دینے والی چیزیں اس واقعہ کے پیچھے کارفرما عوامل ہیں جو اس کے پس منظر میں پنہاں ہوتے ہیں، جو بصر سے نظر نہیں آتے بلکہ اس کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے، لہٰذا تاریخ میں جھانکنے والوں کے پاس دو چیزیں ہونی چاہیں، ایک بصر اور دوسری بصیرت ہونی چاہیے، بصر سے یہ دیکھے کہ کیا رونما ہو رہا ہے اور کیا رونما ہوا ہے اور بصیرت سے یہ سمجھے جو کچھ رونما ہوا کیوں ہوا؟ کس مقصد کے لئے ہوا؟ کن عوامل اور اسباب کے طفیل رونما ہوا؟ لہٰذا جو کچھ صحیح تاریخوں نے لکھا ہے اس نے ہمیں کربلا کے روے منظر سے آگاہ کر دیا ہے، لیکن کربلا صرف ان ہی چیزوں کا نام نہیں، کربلا میں ایسی چیزیں بہت ہیں، جو بصر سے انسان کو نظر نہیں آتیں بلکہ فقط بصیرت سے قابل مشاہدہ ہیں، جس کے پاس بصیرت ہو وہ سمجھتا ہے کہ کربلا کے اندر کیا کیا موجود ہے۔

دوسری دلیل: یہ بھی ممکن ہے کہ ساری چیزیں ہمیں تاریخ میں نہ ملیں اس لئے کہ تاریخ تو تحریف کا شکار ہوئی ہے۔ ہمارے ائمہ علیہم السلام کو معلوم تھا کہ تاریخ کو بدل ڈالیں گے۔اس میں تحریف کر کے تاریخی حقائق کی بجائے اپنی من گھڑت چیزیں لاکر رکھ دیں گے،کوئی فرد، بشر یہ دعوی نہیں کرسکتا ہے کہ جو تاریخ لکھی گئی ہے وہ سو فیصد صحیح تاریخ لکھی گئی ہے بلکہ جو حکمران پہلے گزرے ہیں، انہوں نے اپنی خواہشات تاریخ میں ڈال دی ہیں، لہٰذا ائمہ علیہم السلام نے تاریخ کے ساتھ ساتھ ایسے منابع بھی رکھ دیئے کہ اگر تاریخ نے کسی جگہ خیانت کی بھی تو یہ منابع تاریخ کی خیانت کی تلافی کریں، لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے، اگر تاریخ میں غور کیا جائے تو تاریخ میں صرف اتنا آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر گرامی جناب سیدہ علیہا السلام اور امیر المومنین علیہ السلام کی ذات گرامی سے ایک فرزند کی فلاں تاریخ کو مدینہ کے شہر میں ولادت ہوئی، اس ولادت کے وقت یہ یہ لوگ تھے، پھر یہ یہ واقعات رونما ہوئے، پھر چند سال اپنی والدہ معظّمہ کی آغوش میں رہے اور پھر والدہ معظّمہ کی شہادت کے بعد اپنے والد گرامی کے ساتھ رہے پھر والد گرامی کی زندگی میں جو نشیب وفراز آئے وہ دیکھے پھر والد گرامی کی شہادت ہوئی پھر اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کی امامت میں رہے پھر امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کا عہدہ سنبھالا، پھر آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا، کوفے والوں نے خطوط بھیجے انہوں نے بے وفائی کی، محرم کو کربلا پہنچ گئے اور عاشور کو شہید کر دیئے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ (۵۷) سال آپ کی عمر تھی یعنی تیسری ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی، تاریخ نے امام حسین علیہ السلام کو (۵۷) سال کے اندر محدود کر دیا، یعنی ۳ شعبان تیسری ہجری سے لیکر ۶۱ ہجری عاشور تک حسینیت کا دور ہے، حالات زندگی سے واقف ہونے سے یہ خوش فہمی اور گمان نہ آجائے کہ ہم نے حقیقت

امام حسین علیہ السلام کی معرفت کے لئے تاریخ کا ناکافی ہونا

حسین علیہ السلام کو جان لیا، اس لئے تاریخ کے اندر گنجائش ہی نہیں کہ وہ حسینیت کو اپنے اندر سما سکے، حسینؑ کو اپنے اندر جگہ دے سکے۔

اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام ایک دائمی، ازلی اور ابدی حقیقت ہیں، صرف حسینیت کے روپ مختلف ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (۱)

لہٰذا معصومین علیہم السلام کہ جو خزانہ علم الٰہی، محل معرفت خدا اور تجلی گاہ علم ذات حق تعالیٰ ہیں، انہوں نے اپنے علم و معرفت کا اظہار کر کے امام حسین علیہ السلام کو اس طرح بیان کیا کہ امام حسین علیہ السلام (۵۷) سال کے اندر محدود نظر نہ آئیں بلکہ حسین علیہ السلام ولادت سے پہلے بھی موجود ہوں اور شہادت کے بعد بھی نظر آنا شروع ہو جائیں، حالانکہ ہر شہید شہادت کے بعد زندہ ہے یہ قرآن کا فیصلہ ہے:

وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ...... (۲)

پس اس میں شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام شہادت کے بعد زندہ ہیں لیکن ولادت سے پہلے بھی حسین علیہ السلام کو زندہ سمجھا جائے وہ اس طرح سے کہ حسین علیہ السلام ایک حقیقت ابدی، ازلی اور الٰہی بن کر انسانی معاشرہ میں نظر آئے۔ لہٰذا ہم نے دو حصوں سے امام حسین علیہ السلام کو پہچاننا ہے، ولادت

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ۲۲۳۔

(۲)۔ آل عمران، آیت ۱۶۹۔

سے پہلے بھی اور شہادت کے بعد بھی۔ جس کو امام حسین علیہ السلام دو فاصلوں اور زمینی اور زمانی حدود کے درمیان نظر آئے وہ حسینیت کے قریب تک نہیں ہوا ہے۔ حسینیت ایک حقیقت ابدی ہے، اس کے مختلف روپ اور شکلیں ہیں، ولادت سے پہلے بھی حسینیت کی مختلف شکلیں تھیں، کسی زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں، کسی زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کسی زمانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں موجود تھی، شہادت کے بعد بھی حسینیت کی مختلف شکلیں تھیں، اگر کوئی حسین شناس ہو تو وہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے زمانے میں بھی اور ولادت سے پہلے بھی پہچان لے گا اور شہادت کے بعد بھی حسینیت کو سمجھ لے گا، لیکن اگر حسینیت سے نا آشنا ہو تو کربلا میں حسین علیہ السلام کے مقابلے میں کھڑا ہو کر بھی حسین علیہ السلام سے نا آشنا رہے گا، امام حسین علیہ السلام کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ سورج کی مانند بلکہ زیادہ نورانی تر ہیں، بادل تو ہماری آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا ہے، حجاب ہمارے دلوں کے اندر ہے، حسینیت خدا کا نور جلّی ہے جو ہر افق پر چمک رہا ہے، لیکن اپنے آپ کو بادلوں کے سایہ سے نکال کر ذرا حسینیت کے قریب جائیں، دیکھیں جلوہ نورِ حسین علیہ السلام کیسے ہے، لیکن جو اندھا ہے وہ (۵۷) سال کے اندر بھی امام حسین علیہ السلام کو نہیں پہچان سکا چہ جائے کہ ولادت سے پہلے یا شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کو پہچان سکے۔

۸۔ قرآنی اسوؤں سے امام حسین علیہ السلام کی پہچان

قرآن کریم نے بعض اسوؤں کا تذکرہ کیا ہے، جن کو منبع قرار دے کر امام حسین علیہ السلام کو ان اسوؤں کے ذریعے پہچان سکتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کی سیرت سے ان اسوات الٰہی کو بھی پہچان سکتے ہیں، اس

لئے کہ ان سب کی سیرت ایک جیسی ہے یعنی سیرت کے بنیادی اصول مشترک ہیں۔ لہٰذا ہر اسوۂ بعدی، اسوۂ قبلی پر ناظر ہے، بلکہ ان کے درمیان اتصال اور اقتباس ہے، اگر چہ ہر اسوۂ اپنے خاص حالات اور اپنے خاص زمانے میں ہے لیکن سیرت ان ثابت اصولوں کا نام ہے جو ان متغیرات میں تغیر پذیر اور متحول نہیں ہوتے، لہٰذا ان متغیرات میں ان ثابت اصولوں کو پہچاننے کے لئے اسوۂ کی ضرورت ہے یعنی ایک ایسا نمونہ جو سنن ثابتۂ الہیہ کا حامل ہو اور ان کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھے تا کہ انسانی زندگی کے بعض شعبوں میں جو تبدیلیاں آجاتی ہیں، ان کی وجہ سے ثابت اصول، متزلزل اور متغیر نہ ہوں، اس اصل مشترک کی بنیاد پر اگر ہم ایک نمونہ کو مورد مطالعہ قرار دیں تو اس سے باقی تمام اسوات الہیہ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے اس لئے کہ خصوصیات اور اقدار کے لحاظ سے تمام اسوۂ ایک دوسرے کا نسخہ ہیں یعنی ایک ہی متن کے مختلف نسخے ہیں جو مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اسوات الہیہ کا آپس میں ایک گہرا ربط ہے، اس بحث کو کھولنے کے لئے پہلے ہم ارتباط کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، پھر نتیجہ لے کر چند سوالوں کے جواب بھی واضح کریں گے۔

الف۔ قرآنی آیات کا ارتباط

قرآن کی آیتیں چونکہ ایک ہی حقیقت یعنی ہدایت انسان کے مختلف پہلو بیان کر رہی ہیں، ہر آیت اسی حقیقت کا کوئی ایک پہلو بیان کر رہی ہے، لہٰذا ان تمام آیات قرآنی میں ایک گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ اب ہمارا فریضہ ہے کہ اس ارتباط کو کشف کریں ورنہ اگر کوئی آیات تدوینیہ لفظیہ

(قرآنی آیات) کو الگ الگ سمجھنے کی کوشش کرے تو اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جو یہ آیتیں بیان کررہی ہیں یعنی آیات کا وہ اصل معنی ہرگز سمجھ میں نہیں آئے گا، اس لئے کہ علماء نے بیان فرمایا ہے:

"اَلقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعضُهُ بَعضاً......"(۱)

یہ بالکل درست اور قاعدہ کے مطابق بات ہے، مرحوم علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ نے جو تفسیر لکھی ہے وہ اسی قاعدہ کے مطابق ہے کہ جو سورتیں آپس میں مرتبط ہیں ان کو یکجا کر کے قرآن فہمی کی کوشش کی ہے، یعنی مجموعی طور پر قرآن کریم ایک متن ہے، اس متن کو سورتوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، سورتوں کو آیات میں تقسیم کردیا گیا ہے، ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ اور ہر سورہ کا دوسری سورہ کے ساتھ ایک خاص ربط ہے، ضروری نہیں ہے کہ ہر پہلی آیت دوسری آیت کے ساتھ مرتبط ہو بلکہ ایک آیت مختلف آیات سے مرتبط ہوسکتی ہے، ہاں ہر سورہ کا ایک محور ہے اور اس محور کے گرد ایک سورہ کی آیات سب آپس میں مرتبط ہیں، اسی طرح دوسری سورہ کی آیات کے ساتھ بھی مرتبط ہوسکتی ہیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ان آیات کا آپس میں ربط کس نوعیت کا ہے، اس وقت تک قرآن کی اصلی اور نورانی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

ب۔ تمام موجودات میں ارتباط

جس طرح عالم تدوین میں ارتباط پایا جاتا ہے اسی طرح عالم تکوین میں بھی موجودات ایک دوسرے سے مرتبط ہیں اگرچہ ظاہر میں ہمیں یہ لگتا ہے کہ جہان ہستی کے موجودات کا آپس میں کوئی ربط

---

(۱)۔ نهج البلاغه، خطبه، ۱۳۳، وينطق بعضه ببعض و يشهد بعضه على بعض.

نہیں ہے ایک دوسرے سے بہت دور اور مختلف نظر آتے ہیں مثلاً ایک موجود کسی نوع کا ہے تو دوسرا موجود دوسری نوع کا ہے یہ موجود مجرد ہے اور وہ موجود مادی ہے، یہ انسان ہے اور وہ درخت ہے۔ لیکن ان تمام موجودات میں ایک ربط ہے، اب ایک حقیقت شناس کی ضرورت ہے جو اس ربط کو کشف کرے۔ حکماء مشاء اس ربط کو اصالتِ وجود کی بناء پر ربطِ علّی اور معلولی سمجھتے ہیں جبکہ حکماء اشراق کے ہاں جہانِ ہستی کی بنیاد ماہیت ہے۔

قدیم فلاسفہ یعنی دور اسلامی سے پہلے فیثاغورثی حکماء کے نزدیک جہاں ہستی کی بنیاد عدد ہے یعنی وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ وجود اصل ہے یا ماہیت، بلکہ وہ قائل تھے عدد اصل ہے، وہ بھی اس نکتہ کی طرف ملتفت تھے کہ عدد کمیت ہے اور کمیت کس طرح اساس بن سکتی ہے؟ لہٰذا ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح اعداد میں طبعی ترتیب اور مستحکم ترین نظم موجود ہے، مثلاً ایک سے لیکر نو تک گنیں تو کسی عدد کو کوئی بھی آگے پیچھے نہیں کر سکتا ہے، عدد جہاں پر ہے وہاں پر ہی رہے گا، اسی طرح عالم ہستی کے موجودات اعداد کی طرح ہیں، ان میں ایک طبعی نظم اور ترتیب ہے۔ حسنِ عالم کا فلسفہ یہی ہے کہ اس جہان میں نظم برقرار ہے اور وہ نہایت احسن نظم ہے، اب اگر کوئی آ کر اس جہاں ہستی میں ایک موجود کو جاننا چاہے تو دوسرے موجودات سے ہٹ کر وہ قابل شناخت نہیں ہے، لہٰذا حکماء نے اس کے لئے ایک قاعدہ ذکر کیا ہے کہ ذوات الاسباب لاتعرف الا باسبابھا یعنی مسببات اور معلولات اسباب وعلل کے بغیر قابل شناخت نہیں ہیں۔ لہٰذا عالم تکوین کے حلقوں میں ایک گہرا ارتباط ہے جس طرح عالم تشریع (اسوات) اور عالم تدوین (کلمات) کے حلقوں میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔

ج۔ نتیجه

اسوات جو عالم تشریع کے حلقے ہیں ان کے درمیان گہرا ربط ہے قرآن کریم نے بھی اس ارتباط کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاءؑ مبشّر اور مصدّق ہیں یہ تبشیر وتصدیق فقط لسانی نہیں یعنی یوں نہیں کہ ایک نبی آئے اور فقط زبان کی حد تک کہہ دے کہ سابقہ نبی جو گزرے ہیں وہ بھی ہمارے بھائی ہیں وہ بھی وحی لیکر آئے تھے ان کا تعلق بھی ہمارے قبیلہ انبیاء سے ہے، بلکہ اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تو بھی ہر نبی دوسرے نبی کے لئے سیرت وکردار کے لحاظ سے مبشّر یا مصدّق ہے، اس لئے انبیاءؑ کی سیرت میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں پایا جاتا ہے البتہ درجات اور زمانی خصوصیات اپنی جگہ محفوظ ہیں، لہٰذا ہر ایک اسوہ دوسرے اسوہ کے لئے مفسّر، مصدّق اور مویّد ہے پس یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آیات کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ " اَلقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعضُهُ بَعضاً...... "

اسوات کے متعلق بھی یہی قاعدہ جاری ہوسکتا ہے۔یعنی " الأسوةُ تفسّر بعضها بعضاً " ایک اسوہ کے حالات دوسرے اسوہ سے پہچان سکتے ہیں۔

سوال: بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ مبعوث فرمائے ہیں لیکن قرآن کریم میں تو فقط چوبیس (۲۴) انبیاءؑ کا تذکرہ آیا ہے، باقی انبیاءؑ کا تذکرہ کیوں نہیں؟

جواب: یہ چوبیس (۲۴) انبیاءؑ کا تذکرہ بھی حکمت الٰہی کے تحت ہے یعنی اُسوائیت کے مختلف پہلو اجاگر کرنے کے لئے ہے، ورنہ اگر قرآن میں صرف ایک ہی نبی مثلاً حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ ہوتا تو بھی ضرورت پوری تھی، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے قرآن کریم نے قصص

انبیاءؑ بیان کئے ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبی کا تذکرہ تمام انبیاءؑ کا تذکرہ ہے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں تمام انبیاءؑ کا ذکر موجود ہے، ہاں اس سے مراد تاریخی، جغرافیائی، حسب ونسب اور نام ونشان کا ذکر مراد نہیں ہے بلکہ اس تذکرہ سے مراد یہ ہے کہ تمام کے تمام انبیاءؑ اسوۂ ہیں یعنی مجموعہ تجسّم اقدار الٰہی ہیں، اگر قرآن کریم میں ایک اسوۂ کے ضمن میں یہ اقدار بیان ہوئی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ جتنے بھی انبیاءؑ ان اقدار کے حامل ہیں ان سب کا ذکر آ گیا ہے۔

اگرچہ قرآن کریم نے بعض خصوصیات کی بناء پر ہدایت کے مختلف پہلو مختلف انبیاءؑ کے تذکرہ کے ساتھ ذکر کئے ہیں مثلاً اُسوائیت کی کچھ خصوصیات حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں بیان کی گئی ہیں، اسی طرح کچھ خصوصیات حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے تذکروں میں بیان کی گئی ہیں، یہ بھی اس لئے کہ یہ بعض خصوصیات ان اُسوات میں بطور نمایاں موجود تھیں ورنہ اصول مشترکہ میں سب شریک ہیں لہٰذا اگر ایک ہی اُسوۂ بطور کامل تشریح ہو جائے تو یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا تذکرہ ہے۔

سوال : بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہمارے ائمہ ھدیٰؑ خصوصاً امیر المومنین علیؑ کے نام کا تذکرہ کیوں نہیں ہوا ہے؟

جواب پہلے سوال کے جواب سے اس دوسرے سوال کا جواب روشن ہو جاتا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں حضرت علیؑ کا نام کیوں نہیں آیا؟ ان کو نہ تو حضرت علیؑ کی کوئی شناخت ہے نہ ہی قرآن سے، اگر حضرت علیؑ اور قرآن سے کوئی شناخت ہوتی تو یہ سارا قرآن تذکرہ امیر المومنینؑ ہے۔

خود امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

" اَنَا نُقطَةُ تَحتَ البَاءِ...... " (۱)

یعنی قرآن کا مقامِ جمعی "سورۃ فاتحہ" ہے، "سورۃ فاتحہ" کا مقامِ جمعی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا مقامِ جمعی "باءِ" بسم اللہ ہے اور "باءِ" بسم اللہ کا مقامِ جمعی وہی "ب" کا نقطہ ہے اور میں ہی وہی "باءِ" بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔ لہٰذا ساری آیتیں اس "باءِ" بسم اللہ کی تفسیر ہیں، "باءِ" بسم اللہ تو امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

یہ بات اسی قاعدہ کے مطابق کہ اسوات میں گہرا ارتباط ہے، بلکہ ایک ہی نور سے مقتبس ہیں، جب کہ ہمارے بعض بزرگان فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام بمنزلہ متکلم وحدہ ہیں یعنی اگر ایک جملہ ایک معصوم کی زبان پر جاری ہوا دوسرا جملہ دوسرے معصوم کی زبان پر جاری ہوا، تو یہ دونوں جملے ایک دوسرے کے لئے قرینہ ہیں۔ دلالت میں ایک دوسرے کے لئے مؤثر ہیں یعنی ایک جملہ کے ذریعے دوسرے جملہ کے معنی سمجھ سکتے ہیں اور اُس کی مدد سے اس کو بھی، گویا ایک ہی متکلم کے جملے ہیں، حالانکہ عام لوگوں کے کلام کو سمجھنے کے لئے ایسا نہیں کر سکتے ہیں کہ کسی ایک انسان کی بات کو سمجھنے کے لئے دوسرے انسان کی بات کو قرینہ قرار دے سکیں لیکن ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلام میں یہ خصوصیت ہے بلکہ ائمہ معصومین علیہم السلام کا کلام کے ذریعے سے کلام اللہ

---

(۱)۔ تفسیر تسنیم، ج ۱، ص ۳۲۲۔

کو بھی سمجھ سکتے ہیں اور کلام اللہ کے ذریعے سے معصومین علیہم السلام کا کلام بھی آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ ہمارے علماء، کلام اور الفاظ کی دلالت کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یہاں تک آئے ہیں لیکن یہاں سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ اہل معرفت آگے بھی بڑھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کلام اور الفاظ سے ہٹ کر، خود اسُوات کی ذوات بھی ایک دوسرے کے لئے قرینہ ہیں یعنی ایک اسوہؑ کے ذریعے دوسرے اسوہ کو پہچان سکتے ہیں، اس لئے کہ ایک ہی مشکاۃ کے اقتباسات ہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام انسان کامل ہیں اُسوائیت کے لحاظ سے ان میں کمی نہیں، جو واقعاً اسوہؑ شناس ہیں وہ منتظر نہیں کہ نام آیا ہے یا نہیں لیکن ان قرآنی اسوؤں میں سے ایک اسوہؑ ایسا ہے کہ جس میں ساری خصوصیات اور تمام کے تمام کمالات وصفات نمایاں ہیں یعنی جامع جمیع صفات جلال و جمال ہیں۔

اہل معرفت اس کو مقام جامع سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ مقام جامع حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچه خوبان ہمه دارند تو تنہا داری

پس اگر الگ الگ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہو تو یہ درحقیقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے اور جہاں پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو تو یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ عرفاء کی تعبیر کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتباس (۱) ہیں۔

---

(۱)۔ اقتباس، قبس سے ہے لغت میں آگ کے شعلے کو کہا جاتا ہے جو آگ سے جدا ہو کر دوسری جگہ آگ جلانے کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ جب کہ پہلے زمانوں میں یہی طریقہ رائج تھا کہ لوگ اپنی آگ جلانے کے لئے کسی دوسری جگہ پر جلی ہوئی آگ سے شعلہ لے جاتے تھے۔ عربی میں اس کو اقتباس کہتے ہیں رفتہ رفتہ یہ

نام احمد نام جملۂ انبیا است

چونکه صد آمد نود ہم پیش ماست......(۱)

امام حسین علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، لہٰذا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے امام حسین علیہ السلام کو پہچان سکتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کے ذریعے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ زیارت وارثہ در حقیقت اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔

۹۔ زیارت وارثہ خزینۂ معرفت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام صادق علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کا تعارف یوں کرایا ہے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَارِثَ آدَمَ صَفْوَةِ اللّٰهِ......"

یعنی امام حسین علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ زیارت وارثہ امام حسین علیہ السلام کی وہ زیارت ہے جو بہت ہی معتبر سند کے ساتھ منقول ہے۔ مختلف مناسبتوں سے اس زیارت کو پڑھنےکی بہت تاکید بھی کی گئی ہے ہر نماز کے بعد، اگر ہر نماز کے بعد نہ ہو سکے، شب جمعہ اگر شب جمعہ کو بھی نہ ہو سکے تو ایک مہینہ میں کوشش کریں کہ اس زیارت کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

☜ لفظ علمی محاورات میں استعمال ہونے لگا کہ جہاں کسی کتاب یا مؤلف سے کچھ مطلب پورے کا پورا نقل کیا جاتا ہے، اسے اقتباس کہتے ہیں اور زیارت وارثہ در حقیقت اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ تمام انبیاءؑ مشکاۃ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعلے ہیں جو مختلف زمانوں میں نور افشانی کرتے رہتے ہیں۔

(۱)۔ مثنوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۸۰.

یہ زیارتیں صرف اس لئے نہیں کہ ہمیں کوئی عام سی چیز کہ جو بہت ساری جگہوں پر میسر ہے فراہم کریں۔ دیکھئے، بعض چیزیں ایسی ہیں جو بازاروں میں ہر دوکان پر بہت آسانی سے ملتی ہیں۔ اگر ایک انسان بہت سرمایہ لگا کے، بہت ہی کوشش کر کے وہی عام دسترس والی چیز آپ کے لئے آمادہ کرے، پھر آ کر کہے کہ اس مشروب کو تیار کرنے کے لئے میں نے بہت ہی محنت کی ہے۔ اتنا سرمایہ لگایا، اتنی زحمتیں اٹھانی پڑیں، تب کہیں یہ مشروب آپ کے لئے آمادہ ہوا۔ آپ تعجب کریں گے کہ اس کے لئے اتنے مصائب اٹھانے کی کیا ضرورت تھی، اتنے رنج اٹھانے اور اتنی مشکلات برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو ہمارے محلے کی دکان پر عام بکتی ہے۔ آپ کوئی مشکل برداشت نہ کرتے، بڑی سادگی سے ہمارے محلے میں آ جاتے، ہم اپنے محلے کی چھوٹی سی دکان سے بھی یہ بڑا مشروب خرید کر آپ کو دے دیتے، تو پھر اس کو سوچنا پڑے گا کہ اس چیز کے لئے میں نے اتنی مشکلات برداشت کیں، یہ تو ہر دکان پر اتنی سستی اور آسانی سے ملتی ہے۔

لہٰذا چونکہ ذات خدا بہت ہی کریم و رحیم ہے یہ اس کے رحم و کرم کا ایک نمونہ ہے کہ بعض چیزوں کو بہت سستی قیمت پر، بہت آسان اور بہت عام کر کے قدم قدم پر انسان کی راہ میں رکھ دیا۔ اور وہ ہے ثواب اور اجر، خداوند تعالیٰ نے اپنا ثواب اتنا عام اور مفت پھیلا دیا ہے کہ آپ کے ہر قدم اٹھانے پر خدا نے ثواب کے اسباب فراہم کئے ہیں۔ معمولی سے کاموں پر، مثلاً مؤمن کا چہرہ دیکھنا، سلام کرنا، عبادت کرنا، کسی جانور کو کھلانا...... حتی ماہ مبارک رمضان میں سانس لینے پر بھی اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے۔

خدا نے کس قدر لطف و مہربانی ہم پر کی ہے کہ ثواب کو اتنا سستا اور عام کر کے ہماری زندگی

میں رکھ دیا، کہ تمہیں ثواب کمانا ہے تو تم تھک جاؤ گے لیکن ثواب ختم نہیں ہوگا، ذرا ذرا سی چیزوں پر ثواب کماتے رہو آپ دل میں نیت خیر کرو، کام نہ بھی کرو، ثواب ملتا ہے۔

لہٰذا حدیث میں ہے کہ :

"نِيَّةُ المُؤمِنِ خَيرٌ مِن عَمَلِهِ......" (۱)

بعض بزرگان کے قول کے مطابق خدا تو ثواب دینے کے لئے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ ثواب دینا خدا کا سچا وعدہ ہے۔ صادق الوعد ذاتِ خدا کا وعدہ ہے یقیناً انسان کو نصیب ہوگا۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو آسانی سے میسر نہیں، بلکہ ان کے لئے بہت کوشش کی گئی ہے، ان کے حصول کے لئے بہت ہی رنج و غم اور مصائب اٹھانے پڑے، ان میں سے ایک واقعہ کربلا ہے جس کے لئے کتنا بڑا سرمایہ لگانا پڑا، جس کے لئے کتنی متاع خرچ کرنی پڑی، جس کے لئے کتنے مصائب اٹھانے پڑے۔

اسی طرح ان گراں بہا چیزوں میں سے ایک زیارت وارثہ بھی ہے۔ اس زیارت کا مضمون کیا اتنی سادگی سے ہم تک پہنچ آیا؟ کہ امام علیہ السلام نے یہ زیارت، کسی راوی کو تعلیم دی، راوی نے لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر کے لوگوں کو تعلیم دینا شروع کیا اور آہستہ آہستہ یہ زیارت مومنین کے درمیان پھیل گئی! ایسا نہیں ہے بلکہ اس نورانی کلام کو ہم تک پہنچانے کے لئے خدا جانتا ہے ان لوگوں پر جنہوں نے اس زیارت کو نقل کیا ہے ان پر کتنے دکھ، رنج و غم، اور مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے۔

اس زیارت کا تمام مقصد یہ نہیں کہ اس کو پڑھکر ثواب حاصل کریں، بے شک اس پر بہت

---

(۱)۔ الكافي، ج ۲، ص ۸٤.

عظیم ثواب بھی ملتا ہے، لیکن یہ رنج اور مشکلیں کیوں اٹھانی پڑیں، اگر ثواب ہی حاصل کرنا مقصود ہوتا تو وہ بہت ہی سستا بھی ملتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے لئے جو اتنے سارے مصائب اٹھانے پڑے یہ اس لئے تھا کہ اس کے اندر معرفت کا وہ عظیم خزانہ موجود ہے کہ اگر وہ انسان تک نہ پہنچا تو انسان اپنا سفر معرفت طے نہیں کرسکتا، انسان ترقی نہیں کرسکتا، اپنے مقصد خلقت تک نہیں پہنچ سکتا، یہ ہمیں اپنے مقصد خلقت تک پہنچانے کے لئے اہتمام کیا گیا۔ جس طرح اس مقصد خلقت تک پہنچانے کے لئے انبیاءؑ نے درد و الم برداشت کر کے زحمتیں اٹھائیں، بڑے بڑے مصائب برداشت کئے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی صف میں مشکلات اور مصائب بانٹ دیئے ہر ایک نبی کو الگ کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ایک ذات گرامی خدا نے ایسی چنی کہ وہ تمام مصائب کہ جو ایک ایک نبی کو الگ الگ خدا نے دیئے تھے، وہ سارے مصائب کو یکجا کر کے ایک ذات کو دے دیئے اور وہ ذات امام حسینؑ ہے جو تمام دکھ اور مصائب کا مجموعہ ہے۔

مصائب کا فضائل سے گہرا ربط ہے، لہٰذا ذات امام حسینؑ مجموعہ فضائل بھی ہے، اس لئے کہ امام حسینؑ وارث رسول اللہ ﷺ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام فضائل اور کمالات کا مجموعہ پیغمبر اکرم ﷺ کو بنا دیا، یعنی خدا نے فضائل اور کمالات پوری انسانیت میں بکھیر دیئے، ہر فرد کو کچھ نہ کچھ کمال دے دیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات میں یکجا سارے کمالات رکھ دیئے، لہٰذا نبی کریم ﷺ تمام فضائل اور مصائب کا مجموعہ تھے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"مَااُوذِیَ نَبِیٌّ کَمَا اُوذِیتُ ......" (۱)

"کسی نبی کواتنی اذیتیں نہیں دی گئیں جتنی مجھے دی گئیں"

کیا خوب کسی ادیب نے کہا ہے۔ آنچه خوبان ہمه دارند تو تنہا داری......

امام حسینؑ وارث انبیاءؑ ہیں، لہٰذا تمام فضائل اور مصائب کا مجموعہ ہیں اور اس بات پر زیارت وارثہ شہادت دیتی ہے۔ لہٰذا زیارت وارثہ اور اس جیسی دعائیں، ثواب اور صلہ معنوی سے ہٹ کر معارف کے عظیم خزائن بھی ہیں، اس لئے ان ذخائز کو ہم تک پہنچانے کے لئے علماء اور راویوں نے کتنی زحمتیں اٹھائی ہیں۔ اب وقت ہے کہ ہم ان کو کھولیں، اور دیکھیں کہ اس عظیم صحیفہ کے اندر کیا کیا معارف ہیں؟ درحقیقت یہ زیارت معرفتِ حسینؑ کا منبع ہے جو اولاد حسینؑ کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔

وراثت کی اقسام

۱۰۔ وراثت کی شرائط

انبیاءؑ کے مراتب اور امتیازات بہت زیادہ ہیں، خداوند تعالیٰ نے انبیاءؑ کو عظیم سرمائے سے نوازا ہے اور ان کو بہت عظیم مقام عطا کئے ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک مقام، مقام وراثت ہے جو حضرت سید الشہداءؑ کو عطا کیا گیا، اس کو سمجھنے کے لئے خود وراثت کے متعلق کچھ عرائض پیش کرتے ہیں۔

---

(۱)۔ بحارالانوار، ج ۳۹، ص ٥٦۔

انسان ہر ایک کا وارث نہیں ہوتا ہے اگر چہ وہ مال کی وراثت ہی کیوں نہ ہو بلکہ وراثت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ خصوصاً معنوی وراثت کے لئے شرائط اور بھی سخت ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وارث اور مورث کا آپس میں کوئی تعلق، تناسب اور رشتہ ہو۔ چنانچہ مالی وراثت کے لئے خونی جبکہ معنوی وراثت کے لئے معنوی رشتہ ہونا چاہیے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مورث صاحب سرمایہ ہو چونکہ اگر مورث مرنے کے بعد اپنے پیچھے کچھ بھی نہ چھوڑے تو وارث کو کیا ملے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وارث مسلمان ہو، اگر مورث مسلمان ہو لیکن وارث غیر مسلم ہو تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

چھوتھی شرط یہ ہے کہ وارث عاقل، بالغ اور رشید ہو، ورنہ مورث سے ملے ہوئے سرمایہ میں تصرف نہیں کرسکتا ہے بلکہ اس کے لئے ولی کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر وارث سفیہ اور نادان ہو تو وراثت کا سرمایہ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا اگر چہ اپنی میراث کا مالک ہے، لیکن اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، شریعت میں ایسے افراد کو ''محجور عن التّصرف ، ممنوع التّصرف'' کہا جاتا ہے۔

یہ تمام شرائط مالی سرمایہ کے لئے ہیں، اگر مورث کا سرمایہ معنوی ہو تو اس کی شرائط اور بھی زیادہ سخت ہوجاتی ہیں، ہر ایک دعوی نہیں کرسکتا کہ میں نبی یا ولی کا وارث ہوں ویسے تو جھوٹے دعوے دار بہت سارے ہوں گے تا کہ مال و دولت اپنے مورث سے حاصل کرسکیں لیکن اگر

مورث کا سرمایہ مشکلات، دشمنیاں، ذمہ داریاں سختیاں اور مصائب اور درد والم ہوں تو اس صورت میں اگر کسی میں شرائط ارث موجود بھی ہیں، اگر کوئی حقیقی وارث ہو بھی تو اپنا نام وارثوں کی فہرست سے کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مقروض ہو کئی ملین قرضہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو بیٹوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی جعلی عاق نامہ بنوائے، اس لئے کہ مقروض والد کا وارث بننا مشکلات سے دوچار ہونا ہے۔ اگر مورث کی دشمنیاں بہت ہوں تو پھر بھی وہ لوگ جو وارث بن سکتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو وارث ظاہر نہ کریں اس لئے کہ ایسی وراثتوں کو قبول کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ ہاتھ سے کچھ دینا بھی پڑ جائے گا۔ لہٰذا ایسی وراثتوں سے لوگ ہچکچاتے ہیں اور دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب بھی معصومینؑ اور انبیاءؑ نے یہ دیکھا ایک شخص مر گیا اور اس نے ارث میں جاگیریں چھوڑی ہیں کبھی بھی اس کی وراثت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر وارث بنتے بھی تھے تو بھی دعویٰ نہیں کیا۔ فقط ایک نمونہ نظر آتا ہے کہ جہاں پر ایک معصوم نے جا کر اپنی وراثت کا دعویٰ کیا، اور وہ بھی نہ اس وجہ سے کہ جاگیر مل جائے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وراثت کے ذریعے سے وہ معنوی میراث حاصل کی جا سکے بلکہ وہ بھی دعویٰ وراثت اس لئے تھا تا کہ کچھ پیش کر سکے۔

۱۱۔ وراثت کی اقسام

وراثت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وراثت مالی، جہاں پر وارث کو کچھ ملتا ہے۔

۲۔ وراثت معنوی، جہاں پر وارث کو ارث میں کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام سب کے سب وارثِ انبیاء علیہم السلام ہیں، لیکن اُنہیں ارث میں کچھ مال نہیں ملا بلکہ اُنہوں نے ارث میں بہت کچھ دینا سیکھا ہے۔ ان کو اگر ارث میں کوئی چیز ملی ہے وہ ایک ہی چیز ہے، وہ یہ کہ کچھ دینا پڑے گا۔ لہٰذا جو اس راہ میں کچھ دے سکے وہی وارث ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے صراط مستقیم کا راستہ سکھایا، اہل بیت علیہم السلام نے یہی ارث میں پایا۔ اہل بیت علیہم السلام وارث انبیاء علیہم السلام ہیں، تو اس ارث میں اُنہوں نے کیا پایا؟ آیا وارث بننے سے ان کے ہاتھ کچھ آیا یا اُنہوں نے کچھ دیا؟

اسلام کی پہلی دعوت میں بہت سارے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، بہت سے ایسے فقیر لوگ تھے کہ جس دن مسلمان ہوئے اس دن ان کے خاندان کی مالی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس ایک دن کھانے کے پیسے نہیں تھے، ان کے پاس اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن جس دن ان کو موت آئی، اس دن ان کا سرمایہ دیکھا گیا تو اتنا سرمایہ تھا کہ وارثوں میں تقسیم کرنے کے لئے ماہرینِ حساب بلائے گئے اور مزدوروں نے ہتھوڑوں اور کلہاڑوں سے سونا اور چاندی کی اینٹیں توڑیں۔

یہ تاریخی شواہد ہیں کسی کو ان سے انکار کرنے کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی، تھوڑا سا بھی اگر کسی کا تاریخی مطالعہ ہو تو اس کے لئے یہ باتیں مسلم ہیں۔ اس میں کسی فرقے یا مذہب کی بات نہیں بلکہ تاریخی بات ہے۔ تاریخ تو سب کے لئے یکساں ہوتی ہے مثلاً تاریخ پاکستان، اس میں شیعہ، سنی حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک خاص تاریخ کو پاکستان معرض وجود میں

آیا، مسلمان اور غیر مسلمان کو یہی تاریخ ماننا پڑے گی۔

یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تاریخ پاکستان مسلمانوں کے لئے الگ ہو اور غیر مسلمانوں کے لئے الگ ہو۔ لہٰذا ایسے لوگ تھے کہ جو مسلمان ہوئے تو اسلام سے بہت کچھ لیا، پاکیزگی اور طہارت لینے کے ساتھ ساتھ مال اور سرمایہ بھی لیا جو کہ والدین سے ان کو نہیں ملا تھا۔ لیکن حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی سیرت بھی دیکھیں، جس دن ایمان لائیں، تو بہت مالدار خاتون تھیں، تجارت کے ذریعے اپنا مال بڑھایا کرتی تھیں۔ اسلام سے پہلے تجارت کے ذریعے مال لینا سیکھا تھا۔ لیکن جس دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واسطہ پڑ گیا، عقد و نکاح ہو گیا جو کچھ لیا ہوا تھا اب وہ دینا شروع کر دیا حالانکہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی ولادت اہل بیت علیہم السلام کے گھرانے میں نہیں ہوئی، حالت اسلام پر پیدا نہیں ہوئیں، باہر کسی گھرانے میں پیدا ہوئیں، لیکن اہل بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب انسان کا رابطہ ہو جائے، جس رشتے میں بھی منسلک ہو جائے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کچھ دینا سکھاتے ہیں۔

لہٰذا حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا وہ ہاتھ جو کمار ہا تھا آج وہی ہاتھ لوٹا رہا ہے۔ بہت سی مختصر مدت میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا سارا سرمایہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوا۔ یہاں تک کہ جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کا بائیکاٹ کیا، اقتصادی پابندیاں لگا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے گھرانے کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، جسے شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔ شعب ابی طالب میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی موجود تھیں۔ اس گھاٹی میں اس پاک گھرانے کی حالت یہ ہوگئی کہ چمڑے چوسنا شروع کر دیئے، جھاڑیوں کی جڑیں اکھاڑ کر چوسنا شروع کر دیا، کھانے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، بی بی کا وہ سارا مال کہاں گیا؟

یوں نہیں تھا کہ جب مسلمان ہوئیں تو ان کے پاس تھوڑا سا سرمایہ تھا لیکن جس دن خدیجہ سلام اللہ علیہا کی رحلت ہوئی تو اس دن ان کا سرمایہ مزدوروں سے تڑوایا گیا بلکہ یہ تھا کہ جس دن حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی رحلت ہوئی تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی موجود نہیں تھا اس لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو سیکھایا وہی کچھ انبیاء علیہم السلام دوسروں کو سکھاتے ہیں۔ لہٰذا حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے بھی تو یہی سیکھا کہ اب لینا نہیں بلکہ دینا ہے۔

۱۲۔ وراثت انبیاء علیہم السلام کا معیار

اہل بیت علیہم السلام کے گھرانے کے جس فرد کو بھی دیکھیں، وہ آپ کو دیتے ہوئے ہی نظر آئیں گے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ جہاں پر وہ کچھ لیتے ہوئے نظر آئیں۔ یہ دینا اُنہوں نے انبیاء علیہم السلام سے سیکھا۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کچھ دینے کی ہے کچھ لینے کی نہیں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو سیکھایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا

" ......قُل لَا اَسئَلُکُم عَلَیهِ أَجراً اِلَّا المَوَدَّةَ فِی القُربیٰ...... " (۱)

جب میں تمہیں صبح و شام دعوت خدا دے رہا ہوں اس لئے نہیں کہ تم سے اجرت مانگوں، بلکہ تمہیں کچھ دینے آیا ہوں، میں ہدایت کرنے کے لئے آیا ہوں، اگر تمہارے ذہنوں میں کوئی صلہ دینے کی نیت ہے، اگر مجھے کچھ دینا بھی چاہتے ہو تو یہ ہے کہ یہ ہدایت مجھ سے لے لو۔ یہ میری قربیٰ

---

(۱)۔ الشوریٰ، آیت ۲۳۔

تمہارے لئے باعث ہدایت ہیں۔ یہ مجھ سے لےلواوران سے محبت کرواس ہدایت سے مودّت کرو۔

امام حسین علیہ السلام وارث انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن یہ وہ وراثت ہے کہ جہاں کچھ لینے کی بجائے کچھ دینا پڑتا ہے۔ اگر امام حسین علیہ السلام سے پوچھا جائے، کہ آپ نے ارث انبیاء علیہم السلام میں کیا پایا؟ تو فرمائیں گے کہ دیکھو وراثتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ وراثت ہے کہ جہاں پر مورث سے وارث کچھ لیتا ہے اور ایک وہ وراثت ہے کہ جہاں پر وارث مورث کو کچھ دیتا ہے، اگر میرے ارث کا معیار سمجھنا ہے تو آکر کربلا میں دیکھو کہ میری وراثت کا معیار کیا ہے۔ اگر میں کربلا میں کھڑے ہو کر کچھ لے رہا ہوں تو سمجھ لو کہ میں دنیا کا وارث ہوں لیکن اگر کربلا میں سارا سرمایہ لوٹا رہا ہوں تو جان لو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت میں کچھ دینا پڑتا ہے لینا نہیں۔

لہٰذا اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کچھ دینے کی ہے۔ اہل بیت علیہم السلام ہمیں کیا سکھاتے ہیں؟ آیا فقط اسلام سے کچھ لینا سکھاتے ہیں یا اسلام کو کچھ دینا بھی سکھاتے ہیں حالانکہ اسلام سے بھی بہت کچھ لیا جاسکتا ہے۔ طہارت و پاکیزگی کے علاوہ، عزت و آبرو، مال و دولت، شخصیت اور مقام سب کچھ لیا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے بارے میں حساب کریں کہ ہم نے اسلام سے کیا لیا ہے اور کیا دیا تو دینے والا کالم خالی ہی رہے گا لیکن لینے والا کالم کہ جو کچھ اسلام سے ہم نے لیا ہے وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم اگر ساری عمر اس کا حساب لگاتے رہیں تو وہ ختم نہیں ہوگا اسلام نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا، آج اگر کوئی ہمارا احترام کرتا ہے یا ہمارے ساتھ تعلقات رکھتا ہے یا اگر گلی، محلے میں ہمارا کوئی احترام اور ہماری عزت ہے تو یہ سب کچھ اسلام کے طفیل ہیں۔ ورنہ لوگ ہمیں نجس سمجھ کر منہ موڑ لیں گے ہاتھ بھی نہیں ملائیں گے ہمارے ہاتھ سے کھانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ لہٰذا اسلام نے

ہمیں پاکیزگی اور طہارت دی، عزت و احترام دیا، والدین دیئے، خاندان دیا، نسب و شجرہ دیا لیکن مکتب اسلام، مکتب انبیاءؑ اور وراثت حسینؑ کچھ لینے کے ساتھ ساتھ کچھ دینا بھی سکھاتا ہے۔

۱۳۔ مٹھی اور ہتھیلی کی حکمت

خداوند نے ہمیں اعضاء و جوارح دیئے ان میں سے ہر ایک کا ایک مقصد ہے، خدا نے ہمیں ہاتھ دیا ہے۔ یہ ہاتھ مٹھی بھی بن جاتا ہے اور کھل کر ہتھیلی بھی بن جاتا ہے، کبھی اس کے عمل پر غور کریں۔ ہاتھ کی مٹھی بننے کی حکمت کیا ہے؟ اور ہتھیلی بننے کی کیا حکمت ہے؟ آیا خدا نے مجھے ہاتھ اس لئے دیا کہ اسے مٹھی بنا کر استعمال کروں؟ یا ہتھیلی بنا کر استعمال کروں؟ اگر ہاتھ کو مٹھی بنائیں گے تو بہت سی جگہوں پر اس کا استعمال ہوگا ہاتھ جب مٹھی بن جائے تو یہ کسی ظالم کے سر پر لگ سکتا ہے، یہ مٹھی کسی ظالم کے گال پر رسید ہو سکتی ہے، یہ کسی کی گردن توڑ سکتی ہے، یہ ظالم کو ڈرا، دھمکا سکتی ہے۔ اگر اس مٹھی میں مال آجائے تو یہ ہاتھ کھلا ہوا سمٹ جاتا ہے اور مٹھی بن جاتا ہے اور ہاتھ کی مٹھی بنا کر کسی پھیلے ہوئے ہاتھ پر یہ رکھا بھی جا سکتا ہے، لہٰذا ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس سے بہت فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ ہاتھ کھل جائے اور ہتھیلی بن جائے تو یہ ہتھیلی گداگر کا ہاتھ بن کر کسی کے سامنے پھیلائی بھی جا سکتی ہے۔ ہاتھ کا استعمال دیکھو، کہ ہاتھ خدا نے ہمیں کیوں دیا، آیا کسی کے سامنے پھیلانے کے لئے میرا یہ ہاتھ جب مٹھی بن جاتا ہے اس کے بعد کھلتا ہے اس لئے کھلتا ہے کہ اس کو کسی کے سامنے پھیلایا جائے؟ یا اس لئے کھلتا ہے کہ اس میں جب کوئی چیز آجائے، آجانے کے بعد مٹھی بن جائے اور مٹھی کسی کی جیب میں کھل جائے، کسی کے پیٹ میں کھل جائے، کسی کے گھر

میں کھل جائے، کسی کی ضرورت پوری کرے۔

۱۴۔ انبیاءؑ کا سرمایہ

حضرت امام حسینؑ وارث انبیاءؑ ہیں، تمام ارث اور ترکہ جو خدا نے انبیاءؑ کو عطا فرمایا وہ تمام سید الشہداءؑ کو نصیب ہوا البتہ اس ارث سے مراد وہ رائج ارث نہیں کہ جب خاندان کا ایک انسان مر جاتا ہے تو جو کچھ اس کا سرمایہ ہوتا ہے وہ مرتے ہوئے اسے دوسروں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ مرنے والے کے اختیار میں جو کچھ ہو، دولت، مال، جاگیر، منقول یا غیر منقول اموال ہوں، وہ سب کے سب اس کے وارث کو مل جاتے ہیں لیکن انبیاءؑ کے پاس نہ تو مال و دولت اور نہ ہی زمینیں اور جاگیریں ہوتی ہیں۔ انبیاءؑ نہ جائیدادوں کے مالک ہوتے ہیں نہ ہی جاگیردار اور سرمایہ دار ہوتے ہیں، انبیاءؑ کا سرمایہ متاع دنیا میں سے کبھی نہیں ہوتا پھر بھی انبیاءؑ اس روئے زمین پر غنی ترین مخلوق اور عباد خدا ہیں۔ ان کا وہ سرمایہ نہیں ہوتا جو ہمارے درمیان رائج ہے جس کی وجہ سے ہم سرمایہ دار اور غنی بھی بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے ہم مالدار اور غنی ترین افراد ہیں، اس کے باوجود انبیاءؑ کے پاس جو سرمایہ ہے اس سے بڑھ کر کوئی سرمایہ کسی کے پاس نہیں۔ وہ سرمایہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے وہ انسانی اور الٰہی اقدار ہیں، وہ سرمایہ دین اور ہدایت ہے، وہ سرمایہ خلافت الٰہی اور نجات نسل بشری ہے، وہ سرمایہ نبوت اور رسالت ہے، وہ حکمت اور دانائی ہے، ضروری نہیں کہ اس کا وارث اس کی نسل سے ہو اس کی اولاد اور اپنی ذریت میں سے ہو، بعض اوقات ایسے بھی انبیاءؑ گزرے ہیں کہ ایک نبی نسلی طور پر کسی ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان

کا وارث کسی اور قبیلہ کا نبی بن کر ظاہر ہوا۔ البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی خاندان سے سلسلہ نبوت چلتا رہا، خصوصاً انبیاء بنی اسرائیل، ایسے ہی تھے مثلاً باپ بیٹا دونوں نبی ہیں یا دونوں بھائی نبی ہیں۔ نبی کا وارث جس قبیلہ اور خاندان میں سے ہوا اپنے مورث کا سرمایہ دریافت کر لیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنا قیمتی سرمایہ اپنے وراثوں کو امانت کے طور پر سونپ جاتے ہیں تا کہ وہ اس کی حفاظت کرتے رہیں اور اپنی آئندہ نسلوں تک پہنچاتے رہیں۔

۱۵۔ انبیاءؑ کے سرمایہ کی حفاظت

حضرت امام صادق علیہ السلام نے جس چیز کو سید الشہداء علیہ السلام کو سلام کرنے کے لئے عنوان قرار دیا وہ وراثت انبیاء علیہم السلام ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو وارث انبیاء علیہم السلام قرار دے کر اس وارث پر درود وسلام بھیجا۔ امام حسین علیہ السلام نے ارث میں جو کچھ پایا، اگر اس کو دیکھنا ہے تو کافی ہے کہ واقعہ کربلا کو ایک نظر دیکھ لیں، کربلا کے اندر جو موجود تھا وہ سب میراثِ انبیاء علیہم السلام اور سرمایۂ انبیاء علیہم السلام تھا۔ جس طرح سے امام حسین علیہ السلام نے اس میراث کو با حفاظت منتقل کیا اس طرح وارث حسین علیہ السلام کا بھی یہی فریضہ ہے کہ بعد میں آنے والے ورثہ کے حوالے کر دے۔ یہ میراث خدا نے کسی فرد کے لئے مخصوص نہیں کی کہ اس کو اتنا اختیار ہو کہ وہ اپنی زندگی میں اس کو تباہ وفنا کر دے حالانکہ دنیاوی ارث میں وارث کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو بچا لے اور آئندہ آنے والی نسل کو دے یا اس کو خرچ کرے۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ارث میں نہ بھی ملیں تو ہم خود انہیں حاصل کر لیتے ہیں، بہت سے نمونے آپ کو ملیں گے کہ جہاں پر اولاد کو والدین سے کوئی خاص چیز ارث میں نہیں ملتی

لیکن زحمت کش اور محنت کرنے والی اولاد اپنے لئے مال واموال جمع کر لیتی ہے۔لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مورثین سے نہ ملیں تو وارث ان کو کسی بھی صورت میں حاصل نہیں کر سکتے۔

میراث انبیاءؑ ان چیزوں میں سے ہے کہ جس نسل کے پاس امانت کے طور پر موجود ہے اس کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو ضائع کر دے ورنہ آئندہ آنے والی نسل اسے حاصل کرنے میں ناکام رہے گی، بلکہ یہ میراث موجودہ نسل کے پاس آئندہ نسل کی امانت ہے۔خدانخواستہ اگر اسے ضائع کر دیا تو ایک اس کے ذمہ دار ہوں گے دوسرا یہ کہ آئندہ نسل کی اس سے محرومیت اور اس کی گمراہی کے بھی ذمہ دار ہوں گے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو ہدایت عطا کی، لیکن یہ حق ان کو عطا نہیں کیا کہ اسے ضائع بھی کر سکتے ہیں، یا اسے چھپا کر لوگوں تک نہ پہنچائیں بلکہ یہ سرمایہ امانت کے طور پر ان کے ہاتھوں میں قرار دیا اور کہا کہ یہ تمہارے پاس آئندہ نسلوں کا حق ہے۔اسی طرح ہر نسل کو جب یہ ملتی رہی تو یہ ہر نسل سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے کہیں ضائع کر دیں، اسی طرح کل دین اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی امانت ہے۔لہٰذا یہ وراثت کا تسلسل جو انبیاءؑ سے ائمہ ھدیٰؑ تک منتقل ہوتا رہا، ائمہ ھدیٰؑ سے پیروان ائمہ ھدیٰؑ تک آ پہنچا، آج پیروانِ مکتب اہل بیتؑ اور علماءِ دین وارثِ انبیاءؑ ہیں اس لئے حدیث میں بھی آیا ہے:

"العلَمَاءَ وَرَثَةُ الأنبِيَاءِ......" (۱)

اس وراثت میں صاحب امانت کی اجازت کے بغیر اور اس کے دیئے ہوئے اختیار کے بغیر

---

(۱)۔ الکافی ، ج۱، ص ۳۲۔

اگر اپنا تصرف کیا، تھوڑا سا بے جا عمل دخل کیا تو یہ وارث نہیں بلکہ غاصب سمجھا جائے گا۔ یہ انبیاءؑ کا عظیم سرمایہ ہے جو ائمہ ھدیٰؑ کو ارث میں ملا، ائمہ ھدیٰؑ نے اس کی حفاظت کر کے آئندہ نسلوں کے حوالہ کر دیا، آج علماء کا فریضہ ہے کہ اس عظیم سرمایہ کی حفاظت کریں۔

١٦۔ وراثت، تشکیل خاندان کی حکمت

قرآن مجید اور احادیث میں والدین کا مقام بہت ارجمند اور عالی ذکر کیا گیا ہے۔ والدین کا مقام اس قدر اور اتنا بڑھایا کہ خدا نے اپنے نام کے ساتھ قرآن مجید میں والدین کا بھی ذکر کیا۔ ائمہ معصومینؑ نے ان کے بلند مقام کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی سیرت سے بھی یہ بات معلوم ہوئی ہے عقل اور عرف بھی یہی کہتے ہیں کہ والدین کا احترام کیا جائے۔ اگر انسان والدین کا حق ادا نہ کرے اور ان کا احترام نہ کرے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ خداوند تعالیٰ نے والدین کا اتنا احترام کیوں مقرر کیا؟ آیا صرف اس وجہ سے کہ والدہ کے پیٹ سے اور والد کے صلب سے انسان پیدا ہوتا ہے؟ یا صرف اس وجہ سے کہ اپنی اولاد کے لئے ہزار زحمتیں اُٹھا کر اُنہیں کھلاتے ہیں؟ اگر ان وجوہ کی بناء پر ہو تو یہ قانون اور ضابطہ تو حیوانات میں بھی جاری ہے، ہر حیوان کے والدین ہوتے ہیں کچھ مدت تک اس کے لئے رزق و روزی بھی مہیا کرتے ہیں اس کا دفاع بھی کرتے ہیں یہ ساری باتیں تو حیوانات اور انسانوں میں مشترک ہیں۔ تو پھر انسانوں کو کیوں اتنی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کا احترام کریں؟ اس احترام کی وجہ یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کو ارث میں بہت ساری چیزیں منتقل کرتے ہیں، اخلاق، عقائد، افکار، فضائل، دین، ہدایت، حتیٰ کہ جسمانی اور تمام

روحانی صفات ارث میں منتقل ہوتی ہیں۔ پس والدین کے بغیر انسان کامل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ والدین صرف اولاد کو جنم دینے کے لئے نہیں ہیں بلکہ ولادت کے بعد بھی ان کے والدین ہیں، ایک ایسی میراث جو خدا نے ان کے اندر رکھی وہ والدین سے اولاد تک منتقل ہوتی ہے۔ لہٰذا صرف پیٹ پالنے سے اولاد کا حق ادا نہیں ہوتا جب تک وہ میراث الٰہی، وہ انسانی خصلتیں جو والدین کے اندر خدا نے رکھی تھیں، وہ اپنی اولاد کو منتقل نہ کریں اگر والدین یہ میراث اپنی اولاد کو منتقل نہ کرسکیں یا ان ساری چیزوں کو ضائع کردیں تو اپنی اولاد کا نہ صرف حق ادا نہیں کیا بلکہ ایسے والدین غاصبوں کے زمرے میں آئیں گے، خاندان تشکیل دینے کی حکمت یہ ہے کہ والدین اپنی میراث اولاد کو منتقل کردیں، والدین کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دین سکھائیں، اس لئے کہ دین ہمیشہ سے نسلوں کے اندر میراث کے طور پر رہا ہے اور اس میراث کے اندر اللہ تعالیٰ نے تصرف کا حق نہیں دیا کہ موجودہ نسل چاہے مومن بنے یا نہ بنے، دین پر عمل کرے یا نہ کرے، ہدایت اختیار کرے یا نہ کرے، حتیٰ دین کو ضائع کرے یا نہ کرے ان تصرفات کا حق ان کو نہیں، اس لئے کہ یہ دین کسی ایک نسل کا نہیں، بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہے، اگر اسے تم پوری امانتداری کے ساتھ صحیح وسالم آئندہ نسلوں تک نہ پہنچا سکے تو غاصبین کے زمرے میں آؤ گے۔

البتہ ہماری موجودہ حالت بھی کسی سابقہ نسل کی میراث ہے ہمارے والدین، آباء واجداد جنہوں نے یہ ملک بنایا، ملک بنانے کے بعد مصلحت اندیشی سے کام لیا، حالات کے ساتھ سازگاری پیدا کی، یہی کرتے کرتے اس دنیا سے چلے گئے، جن حالات سے آج آپ کو سامنا ہے یہ کسی کے چھوڑے ہوئے ہیں اگر یہی حالات رہے اور ہم اس دنیا سے چلے گئے تو یقین کرلیں کہ

ہماری اولاد اس سے بدتر حالات میں زندگی بسر کرے گی اور وہ بدتر حالات ہمارے پیدا کردہ ہوں گے۔

جس طرح آج ہم اپنے سابقہ اجداد سے گلہ کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اس ملک کے حالات نہیں سنوارے تا کہ ہم اس ملک کے اندر آسودگی سے زندگی بسر کریں، اسی طرح آئندہ آنے والی نسل ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ بسا اوقات اولاد گلہ کرتی ہے خصوصاً محروم اولاد کہ جن کے والدین ان کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑ کر مریں بلکہ کچھ قرض ان کے لئے چھوڑ جائیں تو اولاد سوچتی ہے کہ باپ نے ہمارے لئے کیا چھوڑا، ہمیں کن مصیبتوں میں چھوڑ کر چلا گیا، اب اولاد پریشان ہے کبھی بھی ایسی اولاد کے دل سے دعا نہیں نکلتی۔ حالانکہ ہم سب کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے بعد اپنی اولاد کو آسودہ رکھیں، اگر کچھ مال ومتاع چھوڑ گئے تو اولاد آسودہ رہے گی اور اگر نہیں بھی چھوڑ گئے تو مال ومنال ایسی چیزیں ہیں جو اولاد خود بھی حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن خدا نے جو ترکہ اور میراث اس نسل کو دیا اگر اپنے بعد والی نسل کو وہ میراث نہ پہنچائے، ان کو دین سے آشنا نہ کرائے، تو خود بھی تباہ ہے اوران کی تباہی کی بھی ذمہ دار ہے۔

حضرت امام حسینؑ ہمیں آئندہ نسلوں تک میراث پہنچانے کا طریقہ اور قانون بھی بتاتے ہیں، دعائے مبارک عرفہ میں امام حسینؑ کا ارشاد ہے آپ نے اس دعا کے اندر اپنا تعارف کروایا کہ میں نے انبیاءؑ سے کیا پایا اور اپنی نسل کے لئے ارث میں کیا چھوڑ رہا ہوں اور میری نسل کو آئندہ اپنی میراث کیا مقرر کرنی ہوگی۔ آپ نے فرمایا:

"لَم تُخرِجنی لِرَأفَتِكَ بی وَ لُطفِكَ لی وَاحسَانِكَ اِلَیَّ فی دَولَةِ أئِمَّة الكُفرِ الَّذینَ نَقَضُوا

وراثت، تشکیل خاندان کی حکمت

عَهدكَ وَ كَذَّبُوا رُسُلكَ ، لٰكِنَّكَ أخرَجتَنِي لِلَّذِي سَبَقَ لِي مِنَ الهُدَىٰ الَّذِى لَهُ يَسَّرتَنِى وَفِيهِ أنشَأتَنِى...... " (۱)

میں خدا کی بارگاہ میں شکر ادا کرتا ہوں کہ میری ولادت سے پہلے خدا نے اس سرزمین کو کفر و شرک سے پاک کیا، مدینے کی سرزمین پر اسلامی حکومت وجود میں آئی پھر امام حسینؑ کی ولادت ہوئی، اس ولادت کے لئے یہ سارا اہتمام ہوا تھا جس سرزمین پر ولادت ہوئی تھی اس سرزمین پر شرک اور کفر نامی کوئی چیز نہیں تھی لیکن نصف صدی گزرنے کے بعد امام حسینؑ جس سرزمین پر موجود ہیں اس سرزمین پر تمام گمراہیاں اور قباحتیں موجود ہیں اب اس سے شرک و کفر کی بو آرہی ہے۔ اب امام حسینؑ نے اپنے بعد ارث چھوڑنا ہے تو ہرگز سرزمین کفر و شرک کو میراث میں نہیں چھوڑنا بلکہ اپنی شہادت سے پہلے کوشش کی کہ لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ یہ زمین شرک و کفر سے دوبارہ آلودہ ہو چکی ہے۔

لہٰذا اسے پاک کیا جائے اور شرک، کفر اور یزیدیت کا خاتمہ کر دیا جائے تا کہ آنے والی نسل ایسی زمین پر ایسے حالات میں وجود میں آئے کہ اگر کم از کم شرک مٹا نہیں تو اس کے خلاف آواز ضرور اٹھائی ہوئی ہو۔ لہٰذا ہم اپنے بعد والی نسلوں کے ذمہ دار ہیں ان کے حق میں پکڑے جائیں گے، جس طرح نافرمان اولاد والدین کے حق میں پکڑی جائے گی اسی طرح غاصب والدین اولاد کے حق میں پکڑے جائیں گے۔

(۱)۔ مفتا تیح الجنا ن، دعائے عرفه

۱۷۔ مقصد بعثت انبیاءؑ

الف۔ انسان کا ذاتی سرمایہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو خلق کیا، پھر اسے اپنی غرض خلقت تک پہنچنے کے لئے ہدایت بھی کی، ہدایت پانے کے لئے انسان کے اندر ذاتی سرمایہ بھی رکھا، وہ ذاتی سرمایہ جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا وہ فطرت ہے جو سب کے اندر موجود ہے، وہ فطرت الٰہیہ جس کا رخ خلقت اور پیدائش میں ہی اللہ کی طرف ہے خدا نے راہ سے بھٹکی ہوئی اور منحرف فطرت کسی کی بھی نہیں بنائی ہے بلکہ ساری فطرتیں سلیم، پاک و پاکیزہ اور اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ان فطرتوں کے ساتھ ساتھ اور بہت ساری قوتیں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہیں، یہ قوتیں بھی اسی مقصد کے لئے ہیں جس مقصد کے لئے فطرت عطا کی ہے ان قوتوں کا کام بھی یہی ہے کہ فطرت کی مدد کریں فطرت کو اپنے مقصود تک پہنچنے کے لئے اس کے معاون ثابت ہوں لیکن یہ قوتیں اس وقت فطرت کے کام آتی ہیں جب ان کی تعلیم وتربیت اور تہذیب ہو جائے انہیں صحیح راستے پر ڈال دیا جائے، اگر انسان کی یہ قوتیں بھٹک جائیں،ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہ کیا جائے نہ صرف یہ کہ فطرت کے لئے معاون ثابت نہیں ہوتیں بلکہ فطرت کی راہ میں رکاوٹ اور فطرت کے لئے مزاحم ہوتی ہیں،فطرت کو اپنے راستے سے بہکا کر منحرف کر کے کسی اور طرف لگا دیتی ہیں یہ انسان کی اندرونی قوتیں ہیں لیکن انسان کے باہر بھی بہت ساری قوتیں ایسی ہیں جو انسان کی فطرت کے لئے وہی کردار ادا کرتی ہیں جو انسان کی اندرونی قوتیں ادا کرتی ہیں جن میں سے شیطان ایک ایسی قوت ہے جس کا کام یہی ہے کہ انسان کی فطرت کو صحیح راستہ سے بہکا دے تا کہ اسے اپنے مقصد خلقت

سے منحرف کر کے اس کو کسی اور سمت میں لگا دے۔

ب۔ انسانی قوتوں کی تربیت

انسان کی اندرونی قوتیں بھی دو طرح کی ہیں۔

پہلی قوت، جو خداوند نے انسان کو عطا کی ہے وہ سمجھنے اور سوچنے کی قوت ہے جسے '' **قوت فکر** '' یا '' **قوہ مفکرہ** '' کہا جاتا ہے۔

دوسری قوت، سوچ سمجھ کے بعد عمل کرنے کی قوت جسے ''**قوت عاملہ**'' کہا جاتا ہے۔

انسان اپنی فکر کے ذریعے سے صراط مستقیم تلاش کرتا ہے اور تلاش کرنے کے بعد جب اسے پالیتا ہے تو وہ قوت عاملہ کے ذریعے سے اس پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ صراط مستقیم کی تلاش اور اس پر گامزن ہونا کوئی آسان کام نہیں، اس لئے تو ہم نماز میں پڑھتے ہیں:

''اِهدِنَا الصِّراطَ المُستَقِيمَ'' (۱)

اگر آپ اسے ڈھونڈنا چاہیں تو ہزاروں مشکلات کے بعد اس کا ملنا ممکن ہوسکتا ہے جیسے اگر ایک بھوسے کا ڈھیر لگا ہوا ہو اور اتفاق سے آپ کی داڑھی کا بال اس میں گر گیا ہو آپ چاہتے ہیں کہ اس بال کو اس بہت بڑے ڈھیر میں تلاش کر کے نکالیں تو آپ کو اسے پانے کے لئے کتنے حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے، کتنی باریک بینی کی ضرورت ہے، اگر آپ نے یہ کام کر دکھایا تو آپ تحسین

---

(۱)۔ الفاتحہ، آیت ۶۔

کے لائق ہیں، لیکن جو اتنی ہمت اور باریک بینی کے مالک ہیں، وہ بھی یہ توقع نہ رکھیں کہ ان مختلف گمراہ کن افکار میں صراط مستقیم ضرور پالیں گے، اس لئے کہ روایات میں ہے:

" الصِّراطُ اَدَقُّ مِنَ الشَّعرِ وَاَحَدُّ مِنَ السَّیفِ...... " (۱)

اس تعبیر کا ایک سادہ معنی جو بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے پھر جنت میں جانے کے لئے جہنم کے اوپر ایک پل لگا ہوا ہے یہ پل مومنوں کے لئے بہت وسیع اور نرم ہوگا جبکہ کافروں کے لئے بال سے زیادہ باریک اور شمشیر سے زیادہ تیز ہوگا۔ لیکن یہ عامیانہ تصور ہے اس لئے کہ صراط مستقیم کو انسان اس دنیا میں طے کرتا ہے اس کا انجام آخرت میں نظر آتا ہے آخرت صراط مستقیم کے ظہور کی جگہ ہے نہ کہ اس پر چلنے کی جگہ، چلنا تو ہمیں اس دنیا میں ہے لہٰذا صراط مستقیم ایک عمودی راستہ ہے جو انسان سے شروع ہو کر خدا کی ذات تک جاتا ہے یعنی وہی تکامل کا راستہ جو خدا سے شروع ہو کر پھر وہیں پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کوئی دائیں بائیں جانے والا راستہ نہیں ہے۔ انسان ناقص اس پر قدم رکھ کر دن بدن کامل ہو جاتا ہے لہٰذا جو انسان تکامل کی طرف گامزن ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے لیکن جو انسان ایک دن بسر کرے دوسرا دن بسر کرے تیسرا دن بھی ویسا ہی بسر کرے لیکن وہ کامل نہ بن سکے تو وہ صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے لہٰذا صراط مستقیم کو پانے اور اس پر چلنے کے لئے دو قوتوں کی ضرورت ہے" **قوت فکر** " اور" **قوت عمل**"۔

بیشک صراط مستقیم تو اللہ تعالیٰ نے سب کو دکھایا ہے لیکن دکھانے کے ساتھ دیکھنے کی بھی

---

(۱)۔ تفسیر القمی، ج ۱، ص ۲۹ - تفسیر تسنیم، ج ۱، ص ۵۱۳۔

ضرورت ہے جبکہ صراط مستقیم بصر اور آنکھ سے دیکھنے کے قابل نہیں، اس لئے کہ یہ کوئی مٹی اور خاک کا راستہ نہیں کوئی پکی کچی سڑک نہیں بلکہ صراط مستقیم کمالات کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دکھانے کے بعد اب ہمیں چاہیے کہ اسے دیکھیں بھی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسے دیکھنے کی قوت بھی عطا کی ہے وہ قوت نور بصر نہیں بلکہ نور بصیرت ہے جس سے ہم صراط مستقیم کو دیکھ سکتے ہیں لیکن صراط مستقیم وہ دیکھ سکے گا کہ جس کا نورِ بصیرت قوی ہو، ممکن ہے انسان کا نور بصیرت ضعیف ہو جائے جس طرح سے نور بصارت بھی کبھی ضعیف ہو جاتا ہے پھر اسے زمینی راستے بھی نظر نہیں آتے لہٰذا اس کو عینک لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تو اسی طرح نور بصیرت بھی جب ضعیف ہو جائے تو پھر اسے صراط مستقیم نظر نہیں آتا لہٰذا اس کو بھی عینک لگانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے لیکن یہ وہ عینک نہیں جو نور بصر کے لئے لگائی جاتی ہے بلکہ یہ وہ عینک ہے جو انبیاءؑ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر مل سکتی ہے لہٰذا ایسی قوتیں بھی ہیں جو نور بصیرت کو کم کر دیتی ہیں نور بصیرت کا زاویہ بگاڑ دیتی ہیں، نور بصیرت کو بھٹکا کر صراط مستقیم دیکھنے کے بجائے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو مبعوث کیا تا کہ لوگوں کی راہ مستقیم کی طرف راہنمائی کر سکیں۔

ج۔ انبیاءؑ دفائن عقول کو ابھارنے والے

اگر چہ بشر فطرت، نور بصیرت اور قوت فکر لیکر پیدا ہوا ہے لیکن اس کی اندرونی قوتوں (جذبات و احساسات، نفسانی خواہشات، تمنائیں اور آرزوئیں، عواطف اور حبّ الدنیا......) نے اس کے نور بصیرت کو کم کر دیا ہے اور اس کی فطرت کو منحرف کر دیا ہے تو ضعیف بصیرت والے انسان سے صراط

مستقیم گم ہو جاتا ہے ممکن ہے بھوسہ کے تنکے کو اٹھا کے کہے کہ میرا گم شدہ دین یہی ہے جہاں پر بھی اس کو کہیں دینی نظریہ نظر آئے، دین کے نام پر کوئی بات نظر آئے، ممکن ہے اسی کو دین سمجھ کر قبول کر لے اور یہ کام پوری تاریخ میں ہوتا رہا ہے۔

انبیاءؑ اس لئے آئے کہ وہ لوگوں کے سامنے بال سے باریک چیز کھول کر رکھ دیں تا کہ انہیں صراط مستقیم پر چلنے کے لئے راہنمائی کر سکیں، اگرچہ صراط کو سمجھنے کی فطرت خدا نے دی تھی لیکن اس فطرت پر غبار پڑ جاتا ہے، اس فطرت پر حجاب اور پردہ آ جاتا ہے، محجوب فطرت کبھی بھی صراط مستقیم کو نہیں پاتی ہے، بے شک قوت عقل انسان کے پاس ہے اور فہم دین کی صلاحیت بھی رکھتا ہے لیکن اس صلاحیت کو اجاگر کر کے صحیح راستے پر ڈالنے کی ضرورت ہے بلکہ انسان کی تمام تر صلاحیتیں ایسی ہوتی ہیں مثلاً بولنے کی صلاحیت اور طاقت جو اللہ نے سب کو دی ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر بولنے والا صحیح بولے، ممکن ہے ہر غلط سلط جو منہ میں آئے کہتا جائے اس بولنے کی طاقت سے انسان اچھی بات بولے، صحیح اور مفید بات کرے جو کسی کے کام آئے جس سے کوئی مشکل حل ہوتی ہو تو اس کے لئے اس صلاحیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ بولنے کی قوت سے مختلف کام لئے جا سکتے ہیں، انسانوں کو سرگرم کیا جا سکتا ہے ان کو کچھ دیر کے لئے مشغول بھی کیا جا سکتا ہے، اسی بولنے کی قوت سے انسانوں کو منحرف اور گمراہ بھی کیا جا سکتا ہے، دشنام اور گالیاں بھی دی جا سکتی ہیں، بہتان بھی لگایا جا سکتا ہے...... ہر بولنے کی قوت مفید نہیں ہوتی، لہٰذا بولنے کی قوت کو تعلیم، تربیت اور تہذیب کی ضرورت ہے۔

اسی طرح سے خداوند نے ہم سب کو سمجھنے کی قوت عطا کی ہے میں اپنے ذاتی مفادات کو سمجھتا

ہوں آپ بھی اپنے ذاتی مفادات کو سمجھ سکتے ہیں، میرا دشمن کون ہے، میرا دوست کون ہے، یہ اچھی چیز ہے اور وہ بری چیز ہے ان سب باتوں کو میں سمجھتا ہوں لیکن کمال یہ ہے کہ انسان اس قوت کے ذریعے سے صراط مستقیم کو سمجھ سکے، جو بال سے زیادہ باریک ہے، سمجھنے کی قوت کا صحیح مصرف اور مورد استعمال ڈھونڈنا چاہیے اس لئے کہ جو کچھ خدا نے دیا ہے اس کا ایک صحیح استعمال ہے اور ایک غلط استعمال ہے۔

عقل خدا نے اس لئے نہیں دی کہ اپنا سود وزیان (نفع ونقصان) سمجھ کر یہ کہیں کہ ہم نے عقل کا صحیح استعمال کیا ہے جیسا کہ ہم چالاک آدمی کو بڑا عقلمند آدمی تصور کرتے ہیں حتی کہ بعض اوقات سننے میں بھی آتا ہے کہ اگر کسی کے دو بیٹے ہوں ان میں سے ایک بہت چالاک اور تیز ہو، اس کا والد کہتا ہے کہ میرا یہ بیٹا بہت تیز اور سمجھ دار ہے، صبح سویرے میرے ساتھ دکان پر آتا ہے جو چار آنے کی چیز ہوتی ہے وہ آٹھ آنے میں بیچ دیتا ہے جو چیز دو روپیہ میں خریدنی ہوتی ہے اسے ایک روپیہ میں خریدتا ہے، کبھی ایک نمبر چیز کے بہانے دو نمبر چیز بیچ دیتا ہے اسی طرح گاہکوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ ان کے سات پشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی، جبکہ میرا دوسرا بیٹا اتنا سمجھ دار نہیں سارا دن مولانا لوگوں کے پیچھے پھرتا رہتا ہے سارا دن عزاداری اور مجالس کا اہتمام کرتا رہتا ہے، کبھی والدین اپنی اولاد کے متعلق ایسی باتیں بھی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو معلوم نہیں قوت فہم، سمجھ داری، فطرت اور عقل اس چیز کا نام نہیں جو دکان پر بیٹھ کر چار آنے، آٹھ آنے کمانا شروع کر دے، عقل وہ نہیں جس سے دکان چلائی جائے بلکہ عقل وہ ہے جس سے جنت کمائی جا سکے، امام معصوم علیہ السلام نے عقل کی تعریف میں فرمایا ہے:

" ......ماالعقل؟ قَالَ: مَاعُبِدَ بِهِ الرَّحمٰنُ وَاکتُسِبَ بِهِ الجِنَانُ " (۱)

"عقل وہ ہے جس سے رحمٰن کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جا سکے۔ "

لہٰذا عقل کا صحیح استعمال اس شخص نے کیا کہ جس نے اپنی بھی جنت کا راستہ ڈھونڈ لیا، والدین اور معاشرے کی جنت کا راستہ بھی ڈھونڈ لیا لیکن اس عقل پر بھی کبھی غبار پڑ جاتا ہے، جس طرح فطرت پر بھی کبھی پردہ آجاتا ہے، لہٰذا عقل اور فطرت سے اس غبار کو جھاڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ نور بصیرت جو فطرت پر پردہ آنے سے کمزور ہو جاتا ہے اس پردہ کو دور کرنے سے پھر قوی ہو جائے اور صراط مستقیم کو پا سکے، انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ عقل اور فطرت کو صاف و پاکیزہ کر کے انسانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے بعد اسے صحیح راستے پر ڈالیں تا کہ انسان اپنے مقصدِ خلقت کی طرف سفر جاری رکھ سکے اور کامل سے کامل تر ہوتا جائے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

" فَبَعَثَ فِیهِم رُسُلَهُ وَوَاتَرَ اِلَیهِم أَنبِیَائَهُ لِیَستَأدُوهُم مِیثَاقَ فِطرَتِهِ وَیُذَکِّرُوهُم مَنسِیَّ نِعمَتِهِ وَیَحتَجُّوا عَلَیهِم بِالتَّبلِیغِ وَیُثِیرُوا لَهُم دَفَائِنَ العُقُولِ وَیُرُوهُم آیَاتِ المَقدِرَةِ... "(۲)

اللہ نے اپنے رسول مبعوث کئے اور لگاتار انبیاء بھیجے تا کہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں، اس کی کھوئی ہوئی نعمتیں یاد لائیں اور پیغام ربانی پہنچا کر حجت قائم کریں، عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

---

(۱)۔ الکافی، ج ۱، ص ۱۱.

(۲)۔ نہج البلاغه، خطبه نمبر ۱.

مقصدِ بعثتِ انبیاءؑ

۱۸۔ امام حسینؑ محافظ وراثت انبیاءؑ

حضرت امام حسینؑ میراث انبیاءؑ کے حامل، محافظ، مبلّغ اور مفسّر ہیں، آج اگر کرۂ ارض پر کسی قوم یا آبادی میں زحمت، محنت اور مشقتِ انبیاءؑ نظر آ رہی ہے تو یہ حضرت سید الشہداءؑ کے طفیل ہے اس لئے کہ انبیاءؑ کی عظیم میراث اٹھانا اور اس کا وارث بننا حسینؑ کے علاوہ کسی اور کے بس میں نہیں تھا اس کی حفاظت کرنا، اس کو انبیاءؑ کی امتوں تک پہنچانا ہر ایک کے لئے مقدور نہیں تھا اس میراث کی حقیقت کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرنا یہ سب کے لئے میسور نہیں تھا اور یہ میراث جس طرح سے سید الشہداءؑ نے انبیاءؑ سے دریافت کی اسی طرح اپنے وارثوں کو اس کی حفاظت کا طریقہ بھی بتا دیا اس کی تبلیغ اور لوگوں تک پہنچانے کا ڈھنگ بھی سکھا دیا۔

حضرت امام حسینؑ نے یہ میراث کسی عدالت، کسی قانونی چارہ جوئی یا تقریر و سخنوری کے ذریعے سے حاصل نہیں کی بلکہ یہ میراث جس طرح خونِ انبیاءؑ سے وجود میں آئی، خونِ شہداء اور خونِ حسینؑ کے ذریعے سے محفوظ ہوئی اور خون ہی کے طفیل یہ آگے بڑھے گی، میراث نبی کو وہی شخص اٹھا سکتا ہے کہ جس کا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہو جس کا کام لوگوں کو آشکار اور ضلال مبین سے نکال کر ہدایت اور نجات تک لانا ہو، اس کے اندر تمام کی تمام صفات انبیاءؑ موجود ہوں۔

لہٰذا سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد میراث انبیاءؑ کو وارثوں کی ضرورت پڑی، ائمہ ھدیٰؑ نے بڑھ کر یہ میراث اٹھائی اور صحیح و سالم نسل در نسل منتقل کرتے رہے لہٰذا جب امام صادقؑ، امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ کو وارث انبیاءؑ قرار دے کر سلام کیا اور آپ کا تعارف وارث انبیاءؑ کے عنوان سے کرایا۔

امام حسینؑ محافظ وراثت انبیاءؑ

۱۹۔ میراث سے وارث کی پہچان

وارث انبیاءؑ کی پہچان میراث انبیاءؑ سے ہو سکے گی، میراث انبیاءؑ کو سمجھنے کے لئے ہمیں ہر نبی کی زندگی کا مطالعہ کرنا پڑے گا قرآن مجید نے انبیاءؑ کا تذکرہ مخصوص انداز میں کیا ہے اوران کے واقعات ذکر فرمائے، انبیاءؑ کے ساتھ پیش آنے والے حوادث کا تذکرہ فرمایا، علاوہ ازیں ان کی امتوں کا تذکرہ بھی فرمایا، نہ اس لئے کہ قصہ وکہانی سنائی جائے، تاریخ سے آشنا کیا جائے بلکہ قرآن مجید نے انبیاءؑ کا ذکراس لئے کیا تا کہ تم انبیاءؑ کا یہ سارا ماجرا سمجھواور جب انبیاءؑ کے تمام واقعات تمہاری سمجھ میں آجائیں اور انبیاءؑ کے ساتھ پیش ہونے والے حوادث کی تہہ میں اتر جاؤ، جب حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کو سمجھ جاؤ تو تمہیں وارث انبیاءؑ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مقام ومنزلت کیا ہے چونکہ ہر نبی کو خدا نے ایک خاص قسم کے حالات کے اندر روانہ کیا اور اس سے ایک خاص کام لیا لیکن امام حسینؑ سے ایک خاص کام نہیں لیا بلکہ تمام کے تمام انبیاءؑ کا وارث قرار دیا یعنی جو کچھ ہر نبی نے الگ اپنی حیثیت سے کیا وہ سارا کام امام حسینؑ نے کربلا میں تنہا انجام دیا۔

وارث نبی تو وارث جائداد نہیں ہوتا، کسی کی جائداد کو اگر کوئی آکر غصب بھی کرلے اس کے باوجود وہ مطمئن رہتا ہے کہ قانونی طور پر حقیقی وارث میں ہی ہوں تم نے وقتی طور پر میری یہ جائداد لوٹ بھی لی، تو بھی خدا کے ہاں میں ہی وارث ہوں اگر وارث خاموش بھی رہے تو ساری دنیا کہتی ہے کہ اس وقت یہ جائداد غاصبوں کے ہاتھ میں ہے لیکن قانونی وارث فلاں آدمی ہے لیکن ارث انبیاءؑ ایسے نہیں کہ کوئی غاصب اُسے لوٹ لے، اسے تباہ وبرباد کردے اور حقیقی وارث تماشا دیکھتا

رہے اور اس تماشے کے عالم میں خوش بیٹھا رہے کہ قانونی طور پر حقیقی وارث تو میں ہی ہوں اگر بولوں تو بھی میں وارث ہوں اگر نہ بولوں تو بھی وارث ہوں، نہ، ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، انبیاءؑ کی میراث ایسی ہے کہ جو بولے گا اور بڑھ کر تھام لے گا وہ وارث انبیاءؑ ہے اور جو تماشائی بن کر بیٹھا رہے اور جو ڈاکہ ڈالے اور اسے تباہ کردے یہ دونوں غاصب ہیں۔

لہٰذا جب امام حسینؑ کو اپنے زمانے کی میراث تباہ ہوتی ہوئی نظر آئی، جب دیکھا کہ یزید اور یزید کا خاندان اور یزیدی تفکر میراث انبیاءؑ کو تباہ کررہا ہے، تو اٹھ کر قیام فرمایا، اس ڈوبتی ہوئی میراث کو بچالیا، اسے بچا کر اپنے بعد والے وارثوں کے حوالہ کیا، اسی طرح سلسلہ جاری رہا اور آج یہ میراث مکتب حسینؑ کے پیروکار علماء کرام کے ہاتھوں میں امانت کے طور پر موجود ہے ایک دن پھر یہ میراث اپنے حقیقی وارث کے ہاتھ میں آئے گی اور وہ اسے پوری دنیا میں پھیلائیں گے یہ وہ دن ہوگا جب پوری دنیا پر عدل کی حکومت ہوگی جس کا ہم انتظار کررہے ہیں حالانکہ جس وقت امام حسینؑ اس امانت کے بچانے کے لئے قیام کررہے تھے اس وقت مدینہ میں بڑی بڑی بزرگوار ہستیاں موجود تھیں لیکن وہ تماشا دیکھتی رہیں، امام حسینؑ نے ان کو بتادیا کہ تماشائی کبھی بھی وارث نہیں بن سکتا، یہ وہ ارث ہے کہ غاصب سے لینے کے بعد انسان اس کی وراثت کا دعوی کرسکتا ہے۔

۲۰۔ علماء انبیاءؑ کے وارث

امام حسینؑ وارث انبیاءؑ ہیں اور علماء دین وارث امام حسینؑ ہیں پس علماء بھی وارث انبیاءؑ ہیں۔ علماء بھی وہی کام کرتے ہیں جو کام انبیاءؑ نے کیا جس مقصد کے لئے انبیاءؑ مبعوث کئے گئے اسی مقصد کے حصول کے لئے علماء بھی زحمتیں اٹھاتے ہیں لوگوں کی غبار آلود فطرتوں کو اجاگر کرنا تا کہ وہ راہ مستقیم پر چل سکیں علماء کرام کا فریضہ ہے لہٰذا ہمارے علماء کرام جب دین کو پڑھنا شروع کرتے ہیں تو کم از کم تیس سال پڑھنے کے بعد تو کسی حد تک دین کی ابتداء سے آشنا ہو جاتے ہیں اور اگر ایک کامل فقیہ بننا چاہیں یعنی دین کی پوری جزئیات پر احاطہ پیدا کرنا چاہیں تو ان کی نصف صدی سے بھی زیادہ عمر لگ جائے گی لہٰذا علماء ساری عمر بیٹھ کر یہی کرتے ہیں کہ صراط مستقیم کی تلاش میں جدوجہد کر رہے ہوتے ہیں اپنی بصیرت کو باریک کر رہے ہوتے ہیں تا کہ صراط مستقیم جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اسے پا سکیں اور پھر دوسروں کے سامنے پیش کر سکیں یہ علماء کی ہمت ہے یہ ان کی باریک بینی ہے کہ بال سے باریک چیز کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور بھٹکی ہوئی فطرتوں کو اس سمت لگانے کی کوشش میں لگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے بھوسہ کے ڈھیر میں بال سے زیادہ باریک چیز کی تلاش نہایت سخت کام ہے یہ مختلف نظریات اور افکار جو دین اور مذہب کے نام پر پھیلائے گئے ہیں بھوسہ ہیں، حدیث (۱) میں بھی آیا ہے کہ امت تہتر (۷۳)

---

(۱)۔ قالَ رسول اللّٰه: سيأتي على امّتي ما أتى على بني اسرئيل مثل بمثل و انهم تفرّقوا على اثنتين و سبعين ملّة، و ستفرق امّتي على ثلاث و سبعين ملّة، تزيد عليهم ☜

فرقوں میں تقسیم ہوگی حالانکہ تہتر (۷۳) فرقوں پر تقسیم ہونا یہ بہت موٹی تقسیم ہے اگر دقت کی جائے تو امت کے اندر بہتر (۷۲) ہزار فرقے موجود ہیں بلکہ ہر فرد اپنی جگہ پر ایک فرقہ بنا ہوا ہے حالانکہ دین خدا تو ایک ہی ہے، صراط مستقیم تو ایک ہی ہے، پس ایک فرقہ کے علاوہ سارے فرقے جہنمی ہیں یہ سارے فرقے کیوں وجود میں آئے؟ اس لئے کہ صراط مستقیم سمجھنا بہت مشکل کام ہے اتنے سارے فرقے اس لئے وجود میں آئے ہیں کہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک ہے۔

۞ واحدة كلّها فی النّار غیر واحدة، قال: قیل: یا رسول اللّٰه و ما تلك الواحدة؟ قال: هو ما نحن علیه الیوم أنا و أهل بیتی۔ بحار الانوار، ج۲۸، ص٤، حدیث ٤.

السلام علیک یا وراث آدم صفوة الله

دوسری فصل

۲

حسینؑ وارث آدمؑ صفوة الله

۱۔ امام حسین علیہ السلام وارث آدم صفوۃ اللہ علیہ السلام

۲۔ خلافت الٰہیہ، آدم علیہ السلام کی میراث۔

۳۔ خلافت کے معنی۔

۴۔ آدم علیہ السلام کس کے خلیفہ؟

۵۔ خدا کو اپنا خلیفہ بنانے کی ضرورت کیوں؟

۶۔ خلافت الٰہیہ سے کیا مراد ہے؟

۷۔ خلافتِ الٰہیہ، مظہر اسماء اللہ۔

۸۔ مقامِ خلافت، غرض خلقت۔

۹۔ حسین علیہ السلام خلافتِ الٰہیہ کے وارث۔

۱۰۔ خلافت الٰہیہ کا دشمن۔

۱۔ امام حسین علیہ السلام وارث آدم صفوۃ اللہ علیہ السلام

حضرت امام صادق علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

" **السلام علیک یا وارث آدم صفوۃ اللہ** "امام حسین علیہ السلام وارث آدم علیہ السلام ہیں، شاید ذہن میں یہ تصور آئے کہ حسین علیہ السلام نسل آدم میں سے ہیں اور ہر اولاد اپنے باپ کی وارث ہوتی ہے لہذا حسین علیہ السلام بھی وارث آدم علیہ السلام ہیں ہم بھی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں، ہم نے بھی آدم علیہ السلام سے کچھ نہ کچھ ارث لیا ہے، شکل وصورت، قد و قامت، اعضاء و جوارح، قیافہ اور روح وغیرہ ہم نے اپنے باپ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ارث میں لیا ہے لیکن زیارت وارث کا مضمون یہ نہیں کہ اے آدم کے جسم کے وارث، اے آدم کے حلیہ اور اعضاء و جوارح کے وارث تجھ پر سلام ہو، بلکہ فرمایا ہے: اے آدم صفوۃ اللہ کے وارث تجھ پر سلام ہو

ساری حقیقت صفوۃ اللہ میں پوشیدہ ہے، صفوۃ اس شئ کو کہتے ہیں جو خالص ہو جب کسی چیز کو نچوڑ کر، اس کی تہہ نکالی جائے، اس کا جوہر نکالا جائے اس خالص ترین چیز کو صفوۃ کہا جاتا ہے، مثلاً اگر آپ کے پاس ملاوٹ والی چیز ہو تو اس کی ملاوٹ کو دور کر کے خالص چیز نکال کر الگ کر لیں تو اس نکھری ہوئی خالص چیز کو" صفوۃ "کہا جاتا ہے۔

"وَلَقَد خَلَقنَا الِانسَان مِن سُلالَةٍ مِّن طِین" (۱)

آدم صفوۃ اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اپنی مخلوق کو نچوڑا، نچوڑنے کے بعد اس کو طین بنایا پھر اس طین کو نچوڑا اس کو سلالہ بنایا ہم نے آدم کو سلالہ طین سے بنایا یعنی مٹی کے عصارے اور نچوڑ سے بنایا، سلالہ کے معنی خالص مٹی ہیں، پوری کائنات کو نچوڑنے کے بعد جو صاف ترین چیز نکلی، اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کیا، پس آدم صفوۃ اللہ علیہ السلام ہیں یعنی خدا کا خالص کیا ہوا خمیر، خدا کی خالص کی ہوئی حقیقت ہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ اصطَفیٰ آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ اِبراھِیمَ وَآلَ عِمرانَ عَلَی العَالَمِینَ" (۲)

حسین علیہ السلام وارث آدم صفوۃ اللہ علیہ السلام ہیں یعنی وہ حقیقت جو پوری کائنات کے نچوڑنے کے بعد سامنے آئی اس کے وارث حسین علیہ السلام ہیں۔ پس حسین علیہ السلام بھی صفوۃ اللہ ہیں حسین علیہ السلام بھی خدا کا چنا ہوا ہے، حسین علیہ السلام تمام مخلوقات کا ماحصل ہیں، لہٰذا اگر کسی کو انبیاء علیہم السلام کی ذوات گرامی سمجھ میں آجائیں تو حسینیت بھی سمجھ میں آجائے گی، اگر کسی کو حسینیت سمجھ میں نہ آئی تو اس کو تمام سلسلہ انبیاء علیہم السلام سمجھ میں نہیں آئے گا حسین علیہ السلام سے جو نا آشنا رہا وہ صفوۃ اللہ سے بھی نا آشنا رہے گا حضرت آدم علیہ السلام سے جو نا آشنا رہے گا وہ مقام صفوۃ سے بھی نا آشنا رہے گا، جو مقام صفوۃ سے نا آشنا رہا وہ مقام خلافت الٰہیہ سے بھی نا آشنا رہے گا، جو مقام خلافت سے نا آشنا رہے وہ منکر خلافت بن جاتا

(۱)۔ المومنون، آیت ۱۲۔

(۲)۔ آل عمران، آیت ۳۳۔

امام حسین علیہ السلام وارث آدم صفوۃ اللہ علیہ السلام

ہے، جو خلافت الٰہیہ کا انکار کرے، وہ راندۂ درگاہ خدا ہو کر شیطان کی طرح باہر نکالا جائے گا، خواہ وہ شیطان جنی ہو یا شیطان انسی میں سے ہو۔

۲۔ خلافتِ الٰھیہ، آدمؑ کی میراث

امام حسینؑ وارث آدم ہیں، کیا آدمؑ اپنے بعد کوئی جاگیر یا جائیداد چھوڑ کے گئے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو حضرت آدمؑ کا سرمایہ کیا تھا جو سید الشہداؑ کو وارث میں ملا ہے؟ کیا وہ سرمایہ جو خدا نے حضرت آدمؑ کو دیا وہ زمین تھی؟ اگر چہ زمین بھی انسان کے لئے خلق کی ہے نہ کہ انسان کو زمین کے لئے خلق کیا ہے:

" ......خَلَقَ لَكُم مَّافِي الاَرضِ جَميعاً ...... "(۱)

وہ انسان جو زمین کے لئے خلق ہوئے ہیں اور وہ جن کے لئے زمین خلق ہوئی ہے ان میں فرق ہے، وہ انسان جن کے لئے زمین خلق ہوئی ہے یہ زمین ان کا فقط مسکن اور وقتی مقام ہے اس وقتی اور عارضی مسکن و مقام سے فائدہ اٹھا کر اسے ترک کر دیتے ہیں لیکن جو یہ سمجھیں کہ ہمیں خدا نے زمین کے لئے خلق کیا ہے وہ کبھی زمین کو نہیں چھوڑ سکتے، ان کے اخلاق، آداب، اٹھنا بیٹھنا، سب کچھ زمینی ہوتا ہے، ان کا ملجاء و ماویٰ، مقصد و ہدف زمینی ہوتا ہے، وہ زمین کو اپنی شخصیت اور انسانیت کا معیار سمجھتے ہیں لہٰذا زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کر کے اپنی زمین کا

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ۲۹۔

دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہیں اور اس پر فخر ومباہات بھی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میری زمین اتنی زیادہ ہے میں جائیدادوں کا مالک ہوں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین تمہارے لئے خلق ہوئی ہے، یوں نہ ہو کہ زمین تمہاری ساری عمر کھا جائے اور تم زمین میں گم ہو کر رہ جاؤ اور تم زمین کا ایک جز بن کر رہ جاؤ، خاک سے اٹھ کر دوبارہ خاک میں مل کر رہ جاؤ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"......اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرضِ خَلِیفَةً......" (۱)

خداوند نے یہ نہیں فرمایا کہ: "اِنِّی جَاعِلٌ لِلْأَرضِ خَلِیفَةً" کہ میں زمین کے لئے ایک خلیفہ بنا رہا ہوں بلکہ فرمایا: "...... فِی الْأَرضِ خَلِیفَةً......" میں زمین کے اندر اور زمین کے اوپر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین حضرت آدم علیہ السلام کے استقرار کے لئے ایک مکان ہے جبکہ دائرہ خلافت زمین سے بہت وسیع ہے، زمین و آسمان سب کو شامل ہے، زمین تو اس خلیفۃ اللہ کے لئے فقط رہائشگاہ کی حیثیت رکھتی ہے، جیسے کسی مملکت کے سربراہ کے لئے ایک بہت بڑی رہائشگاہ بنائی جاتی ہے جبکہ اس کا دائرہ اختیارات فقط اس رہائشگاہ تک محدود نہیں بلکہ اس کی فرمان روائی مملکت کی تمام سرحدوں تک پھیلی ہوئی ہے حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے بڑا سرمایہ اور میراث یہی خلافت الٰہیہ ہے جو امام حسین علیہ السلام کو وارث میں ملا۔

(۱)۔ البقرہ، آیت ۳۰۔

۳۔ خلافت کے معنی

خلافت ایک مانوس کلمہ ہے ہماری زبان میں اس کے مترادف الفاظ جانشین بنانا، قائمقام بنانا، نائب بنانا وغیرہ استعمال ہوتے ہیں، اس خلافت کے تین اصول ورکن ہیں۔

پہلا رکن یہ ہے کہ خلیفہ اور قائمقام وہاں بنایا جاتا ہے کہ جہاں پر ایک مستخلفٌ عنہ موجود ہو یعنی وہ شخص جو اپنا خلیفہ بنا رہا ہے۔

دوسرا رکن یہ ہے کہ مستخلف کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی وہ شخص جس کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے۔

تیسرا رکن یہ ہے کہ خلیفہ مستخلفٌ عنہ کی غیر موجودگی میں اس کے تمام اختیارات لیکر اور اس کے تمام امور سنبھال کر اس کی کرسی پر بیٹھے گا انسانوں کے اندر رائج خلافتوں کے یہی اصول ہیں۔

٤۔ آدم علیہ السلام کس کے خلیفہ؟

اللہ تعالیٰ آدم کو زمین پر خلیفہ بنا رہا ہے تو یہ کس کا خلیفہ ہے، آیا فرشتوں کا خلیفہ ہے یا جنوں کا خلیفہ ہے یا یہ خلافت بشری ہے یعنی پہلے زمین پر انسان تھے وہ ختم ہو گئے حضرت آدم علیہ السلام ان کے خلیفہ ہیں، بعض علماء نے اسی احتمال کو قبول کیا ہے یا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ ہیں یہ سارے احتمالات ہیں لیکن آخری احتمال کے علاوہ سارے احتمال باطل ہیں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

''......اِنّی جَاعِلٌ فِی الأَرضِ خَلِیفَةً......''

میں زمین پر خلیفہ بنا رہا ہوں تو فرشتوں نے فوراً کہا :

" ...... قَالُوا أَتَجعَلُ فِيهَا مَن يُفسِدُ فِيهَا وَ يَسفِكُ الدِّمَآءَ
وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ...... " (۱)

خدایا ایسے کو خلیفہ بنا رہے ہو کہ جو ''سفک دماء'' خونریزی کرے گا جو فساد اور خون ریزی پھیلائے گا، حالانکہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کر رہے ہیں یعنی ملائکہ نے اس خطاب سے یہی سمجھا کہ یہ خدا کا خلیفہ بنایا جا رہا ہے۔اس لئے فرشتوں نے اعتراض کیا کہ اے خدا! یہ مخلوق، تیری خلافت کے قابل نہیں ہے، ہم تیری تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں اور یہ مخلوق فساد و خونریزی کرنے والی ہے لہٰذا جو مخلوق بہتر تسبیح و تقدیس کر سکے وہ تیری خلافت کے لئے زیادہ اہل ہے ملائکہ کا گمان یہی تھا کہ ہم اس خلافت کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔

پس اگر کوئی کہے کہ اس خلافت سے مراد خلافت الٰہیہ نہیں ہے تو یہ قرآن کے خلاف ہے، اس لئے کہ قرآن بتا رہا ہے کہ ملائکہ نے اس کو خلافت الٰہیہ سمجھ کر یہ سوال اٹھایا تھا اور خدا نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ جو تم اعتراض کر رہے ہو تو تم نے خلافت کے معنی غلط سمجھے ہیں، میں نے کب آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی تائید کی کہ ہاں مراد تو یہی ہے کہ میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں لیکن تم غلطی پر ہو، تمہارا یہ گمان کہ آدم میری خلافت کا اہل نہیں، صحیح نہیں ہے ابھی میں تمہارے لئے ثابت کر دیتا ہوں کہ آدم اس خلافت کے اہل ہیں۔

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ۳۰۔

۵۔ خدا کو اپنا خلیفہ بنانے کی ضرورت کیوں؟

خلافت کا جو رائج تصور ہے اس کے مطابق سوال اٹھتا ہے کہ خدا کو جانشین بنانے کی کیا ضرورت پڑی؟ کیا ایسا دن بھی آئے گا کہ مستخلفٌ عنہ موجود نہ ہو اور جانشین اس کے تمام امور سنبھال کے بیٹھے ہوں، آیا ممکن ہے کہ خداوند اپنی خدائی سے چند دن کے لئے برکنار ہو جائے؟ خداوند تو ہر جگہ حاضر و ناظر اور حیّ لایموت ہے، خدا کی خدائی میں کسی قسم کی تعطیل نہیں آسکتی، زمین و آسمان پر ہر جگہ خدا کی خدائی جاری و ساری ہے خداوند تو تمام عالمین سے غنی اور بے نیاز ہے تو بے نیاز ذات کو نائب کی کیا ضرورت ہے؟ فرشتوں کو بھی تو یہی کھٹکا تھا کہ اس مخلوق سے حق تسبیح و تقدیس ادا نہیں ہوگا اور ہم یہ کام کر سکتے ہیں لہٰذا خلافت تو ہمارا حق ہے۔

تسبیح سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو پاک صاف اور منزّہ و پاکیزہ کرنا، ہر وہ چیز جو ذات خدا کے شایان شان نہ ہو اس کو خدا کی طرف منسوب نہ کرنا، تسبیح خدا ہے، خدا جسم نہیں محتاج نہیں، مجبور نہیں یہ تمام تسبیحات ہیں جب خدا کی طرف ایسا فعل منسوب کرے جو اس کی ذات کے شایان شان نہ ہو تو یہ خلاف تسبیح ہے، لہٰذا رائج تصور خلافت اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا تو فرشتے بول اٹھیں گے، اے خدا! یہ تو خلافت کا معنی بھی نہیں سمجھتا، تو اس کو خلیفہ بنا رہا ہے یہ تو ایسی خلافت تیری ذات کے لئے فرض کر رہا ہے جو تیری ذات کے شایان شان نہیں ہے، مگر تو نے کرسی قدرت، کرسی عزت کب خالی چھوڑی، تیری خدائی کی کرسی اور عرش کب خالی ہوا تا کہ تجھے نائب اور خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑ جائے لیکن جب خداوند نے ملائکہ کو ایک راز و رمز بتایا تو ملائکہ چپ ہو گئے اور دوبارہ سوال نہیں اٹھایا، وہ راز و رمز یہ تھا کہ خدا نے انھیں سمجھایا کہ میں جس ذات کو خلیفہ بنا رہا ہوں وہ روح خلافت

اور حقیقت خلافت کو بھی سمجھتا ہے اور معنی خلافت سے بھی آگاہ ہے لیکن یہ خلافت و نیابت وہ رائج خلافت بشری نہیں ہے بلکہ یہ خلافت الٰہیہ ہے اور اس میں خلافت بشریہ کے اصول جاری نہیں ہیں۔

۶۔ خلافتِ الٰهیه سے کیا مراد ہے؟

خلافت الٰہیہ کے معنی یہ ہیں کہ ذات خدا نے کائنات کو خلق کیا، خلق کرنے کے بعد اس کائنات کا نظام چلانا ہے، اس نظام کو چلانے کے لئے خدا نے قوانین بنا دیئے، قوانین الٰہی کے تحت یہ سارا نظام کائنات چل رہا ہے وہ قوانین کچھ اس طرح سے ہیں کہ سارا نظامِ کائنات خدا کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے لیکن خداوند نے اس میں مختلف قوتیں خلق کر دیں، مختلف مخلوقات کو خلق کر کے تکویناً اس نظام کا چلانا ان کے ذمہ لگا دیا مثلاً سورج کو پیدا کیا کہ وہ اس نظامِ کائنات میں مخلوقات کو روشنی اور انرجی دے گویا یہ قوتیں اس نظام چلانے کے اسباب ہیں خود ذات حق ان کے پیچھے مسبّب الاسباب بن کر نظام الٰہی چلا رہی ہے، سب سے پہلی چیز جو ذات خدا نے نظامِ کائنات چلانے کے لئے اختیار کی وہ ''اسماء اللہ'' ہیں۔

ایک شخص نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے اسماء اللہ کے متعلق سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اتنے سارے اسماء کیوں اختیار کئے ہیں؟ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اسماء اللہ کا فلسفہ اور حکمت بتائی، فرمایا کہ ''خداوند تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے دروازے مقرر کئے ہیں اور ان دروازوں کا نام اسماء اللہ رکھا ہے'' چونکہ خداوند نے اس آیہ شریفہ میں بتا دیا کہ:

"......وَيُحَذِّرُكُم اللّٰهُ نَفسَهُ......" (۱)

کہ کوئی بھی اس ذات تک نہیں پہنچ سکتا ہے، لیکن اگر کوئی خدا کی طرف جانا چاہے تو خدا نے اس کے لئے دروازے مقرر کئے ہیں اور وہ یہی اسماء اللہ ہیں، پس اسماء اللہ معرفت الٰہی کے دروازے ہیں لہٰذا اگر کوئی ان اسماء اللہ کے ذریعے خدا کے قریب ہونا چاہے تو معصوم فرماتے ہیں انھیں معرفت مل جائے گی لیکن اسماء اللہ کو چھوڑ کر، معرفت الٰہی کے دروازوں کو چھوڑ کر کبھی بھی خدا تک نہیں پہنچ سکتے پھر سوال کیا گیا کہ ان اسماء اللہ کے مصادیق کون سے ہیں؟ یہ اسماء اللہ کون ہیں؟ تو فرمایا:

"وَاللّٰهِ نَحنُ اسماء اللّٰه......" (۲)

''خدا کی قسم ہم ہی اسماء اللہ ہیں''

اسم ایک بہت وسیع دائرہ ہے معرفت کا ایک باب ہے، ان اسماء اللہ کے ذریعے سے نظامِ کائنات چل رہا ہے اسماء اللہ صرف الفاظ نہیں بلکہ حقائق ہیں ان حقائق کے ذریعے سے نظامِ الٰہی چل رہا ہے، اب خداوند کا قانون ہے کہ جو اسم بھی کائنات کے کسی نظام کے لئے مقرر کیا، مثلاً رازق، محیی، ممیت، عالم، قدیر...... اس اسم کو ایک مظہر اور جلوہ گاہ کی ضرورت ہے اس میں اُس اسم نے ظہور کرنا ہے اس میں اپنا اثر دکھانا ہے، اثر دکھانے کے لئے اسے ایسے مقام کی

(۱)۔ آل عمران، آیت ۲۸ ۔

(۲)۔ ''عن ابی جعفر علیہ السلام: ...... نحن الاسماء الحسنیٰ التی لا یقبل اللّٰہ من العباد عملاً الا بمعرفتنا'' بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۵ ۔

ضرورت ہے جہاں پر اسم کا اثر ظاہر ہو سکے، اللہ تعالیٰ نے وہ مقام جس کو اپنے اسماء کے ظہور اور اثر دکھانے کے لئے انتخاب کیا وہ خلافت الٰہیہ کا مقام ہے، خلافتِ الٰہی اسماء اللہ کے ظہور کا مقام ہے، پس خلیفہ الٰہی وہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر اسماء اللہ کا اثر ظاہر ہو سکے، خلیفۃ اللہ آئینہ اوصاف اور اسماء الٰہی ہے۔

۷۔ خلافتِ الٰہیہ مظہر اسماء اللہ

اسم کا مظہر کیا ہوتا ہے؟ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر اپنا اثر ظاہر کرنا چاہیں تو اس کے لئے ایک ماحول اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے ایسے خلا میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ حتماً اثر ظاہر کرنے کے لئے اس کو کوئی مظہر چاہیے، مثلاً نزول فرشتہ کے لئے ایک محل اور مظہر چاہیے اس لئے کہ فرشتے کا نزول بارش کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح بارش کا پانی آسمان سے نیچے آتا ہے فرشتے اوپر نہیں بیٹھتے کہ وہاں سے اتر کر نیچے آجائیں، اس لئے کہ فرشتے جسمانی وجود نہیں، فرشتہ جسم نہیں رکھتا جیسا کہ ہماری روح بھی جسم نہیں رکھتی، لیکن اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے، اسی طرح ہر فرشتہ کا اپنا مخصوص اثر ہے جسے دکھاتا ہے، مثلاً جبرائیل امین علیہ السلام پیغام لے کر آتے ہیں یہ پیغام لانا جبرائیل کا اثر ہے اب یہ اثر اس نے دکھانا ہے اس اثر کو دکھانے کے لئے اس کو ایک بلند مقام کی ضرورت ہے جس کو مھبط وحی (یعنی فرشتے کی اترنے کی جگہ) کہا جاتا ہے، لہٰذا فرشتہ ھبوط کرتا ہے اس ھبوط کے لئے اس کو مھبط چاہیے اور یہی مھبط وحی نبی و رسول اور اہل بیت نبوت علیہم السلام ہیں، جیسا کہ زیارت جامعہ کبیرہ میں بھی آیا ہے:

" السّلام علیکم یا اهل بیت النبوة وموضع الرسالة و

مختلف الملائکة ومهبط الوحی......" (۱)

جس طرح سے فرشتے کو اپنا اثر ظاہر کرنے کے لئے ھبوط اور مھبط کی ضرورت ہے اس طرح اسماء اللہ کو اپنا اثر دکھانے کے لئے ایک بلند مقام کی ضرورت ہے جب تک وہ مقام پیدا نہ ہو جائے اسم اللہ کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور وہ مقام، مقام خلافت الٰہیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ مقام دینے کے لئے خلق کیا فرمایا: میں زمین پر ایک ایسی ذات مقرر کر رہا ہوں، ایک ایسی ذات کو خلیفہ بنا رہا ہوں کہ میرے تمام اسماء حسنٰی، میری تمام کے تمام صفات عالیہ اگر اس کے اندر ظاہر ہونا شروع ہو جائیں تو اس کے وجود میں اتنی گنجائش ہو کہ وہ اس نظام کائنات کا مرکز بن سکے اور تمام اسماء اللہ کی تعلیم دینا اس کے لئے ممکن ہو یہ کام ملائکہ کے لئے ممکن نہیں تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں اتنی گنجائش تھی کہ تمام اسماء اللہ کا مظہر بن کر خلیفۃ اللہ بنیں، لہٰذا فرمایا:

" وَعلَّمَ آدَمَ الأَ سمٰاءَ کُلَّها ثُمَّ عَرَضَهُم عَلیَ المَلا ئِکَةِ،

فَقٰال أَنبِوُنِی بِأَسمٰاءِ هٰوُلاءِ اِن کُنتُم صٰادِقِینَ......" (۲)

اللہ نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیئے پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان اسماء کے متعلق بتاؤ۔ جب یہ رموز ان پر عیاں ہوئے تو فوراً سجدے میں گر پڑے۔

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان ، زیارت جامعه کبیره۔

(۲)۔ البقره ،آیت ۳۱۔

"......فَسَجَدُوا اِلاّ اِبلِیسَ......" (۱)

اس مخلوق کے اندر اتنی گنجائش ہے کہ تمام کائنات کا مرکز بن سکتا ہے یہ ایسا خلیفہ ہے کہ مستخلفٌ عنہ کے ہوتے ہوئے بھی اس نظام کائنات کو چلانے کے لئے اس کی ضرورت ہے، البتہ ذات خدا محتاج نہیں لیکن نظام کائنات میں مخلوقات ایسی ہیں جن کا نظام اس خلیفہ کے بغیر نہیں چل سکتا۔

۸۔ مقام خلافت، غرضِ خلقت

اس مقام خلافت تک حضرت آدم علیہ السلام کیسے پہنچے، جس پر فائز ہونے سے فرشتے محروم رہے؟ یہ مقام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے لئے بھی مقرر کیا ہے، یہ مقام انسانیت ہے، جو بھی مقام انسانیت پر فائز ہوا وہ مقام خلافت پر جا پہنچا ہے، یہ مقام خلافت تمام انسانوں کی خلقت کی غرض ہے پس ہمیں اس مقام کی طرف جانا ہے:

"......اِنّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَیهِ رَاجِعُونَ......" (۲)

یہ سفر جو خدا کی طرف ہے وہی مقام خلافت کا سفر ہے جو بھی اس مقام تک جا پہنچا اس نے مقصد خلقت پالیا جو اس مقام سے دور رہے گا وہ غرض خلقت سے بھی اتنا دور ہی ہوگا لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے کیا راستہ ہے؟ اس کے لئے بہت سارے قوانین ہیں بلکہ پورا دین، تمام احکام الٰہی

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ۳٤۔

(۲)۔ البقرہ، آیت ۱٥٦۔

اس لئے ہیں کہ انسان ان پر عمل پیرا ہو کر اس مقام پر فائز ہو سکے مختصر جملہ میں تعبیر یہ ہے کہ

" تخلّقوا بِاَخلاقِ اللّٰہ...... " (۱)

" اپنے آپ کو صفاتِ الٰہی اور اخلاق الٰہی سے آراستہ کرو "

صفاتِ خدا اپناؤ تو تم اس مقام تک پہنچ سکتے ہو صفات خدا اپنانے سے کوئی خدا نہیں بن جاتا ہے اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا، بلکہ خدا فرماتا ہے:

" مَا کَانَ لِبَشَرٍ أَن یُؤتِیَهُ اللّٰهُ الکِتٰبَ وَالحُکمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُولَ لِلنَّاسِ کُونُوا عِبَاداً لِي مِن دُونِ اللّٰهِ، وَلٰکِن کُونُوا رَبَّانِیِّینَ بِمَا کُنتُم تُعَلِّمُونَ الکِتَابَ وَبِمَا کُنتُم تَدرُسُونَ...... " (۲)

مفہوم و مطلب اس آیت مبارکہ کا یہ ہے کہ اے لوگو! ربانی بن جاؤ۔ ایسی ہی نصیحت حضرت امیر المومنین علیہ السلام جناب کمیل رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے فرماتے ہیں:

"...... یا کمیل (بن زیاد) انّ هذه القلوب اوعیة فخیر ها اوعاها، فاحفظ عنی ما اقول لك، النّاس ثلاثة، فعالم ربّانیّ ومتعلّم علی سبیل نجاة و همج رَعاع، اتباع کل ناعق یمیلون مع کل ریح لم یستضیئو ا بنور العلم ولم یلجأ وا الی رکن وثیق...... " (۳)

اے کمیل! یہ دل اسرار و حکمتوں کے ظروف ہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ نگہداشت کرنے والا ہو، لہٰذا جو میں تمہیں بتاؤں اسے یاد رکھنا، دیکھو: تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۶۱، ص ۱۲۹۔

(۲)۔ آل عمران، آیت ۷۹۔

(۳)۔ نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷۔

ایک عالم ربانی دوسرا متعلم جو کہ نجات کی راہ پر برقرار ہے اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے کہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے نہ انھوں نے نور علم سے کسب ضیاء کیا، نہ ہی کسی سہارے کی پناہ لی۔

ربانی انسان کیسے بنتا ہے؟ کہ جب صفات ربانی اپنانا شروع کرے جب اس کے اندر ربوبیت کے آثار ظاہر ہوں وہ انسان ربانی بن جاتا ہے انسان ربانی بننے کے بعد خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے۔

۹۔ حسینؑ خلافت الھیہ کے وارث

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"السّلام علیك یاوارث آدم صفوۃ اللّٰہ"

معلوم ہوا کہ کربلا کے میدان میں خاندان رسول ﷺ میں سے ایک فرد نہیں کھڑا ہوا، بنی ہاشم کا ایک فرزند نہیں بلکہ اب جو کربلا میں موجود ہے وہ خلیفۃ اللہ ہے اس نے خلافت الٰہیہ ارث میں پائی ہے، قطبِ کائنات، مرکز دائرہ ہستی، اللہ تعالیٰ کے تمام کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا مظہر کربلا میں موجود ہے، اب جو اس کے مقابلے میں ہیں جو اس پر تیر چلا رہے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب تمہارا مقابلہ ایک فرد سے نہیں، تم ایک فرد پر نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ کے سینے پر تیر چلا رہے ہو تمام انبیاءؑ کے وارث سے جنگ کر رہے ہو اس لئے تو ابن ملجم لعین کے بارے میں بعض ادیبوں نے یہ جملہ ادا کیا ہے۔

ای بسا کس را کہ صورت راہ زد

قصدِ صورت کرد و براللّٰہ زد (۱)

وہ شخص جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی صورت اور چہرے کا قصد کیا اور اس پر تلوار چلائی اس نے ایک صورت پر نہیں چلائی بلکہ یہ تلوار اس نے مظہر خدا اور مقام خلافت الٰہیہ پر چلائی ہے۔

۱۰۔ خلافت الہیہ کا دشمن

خلافت الٰہیہ کا دشمن بس ایک ہی ہے وہ ابلیس ہے اس کو مقام خلافت الٰہیہ سمجھ میں نہیں آیا اس لئے تو کہنے لگا کہ: "......اَنَا خَیرٌ مِّنہُ خَلَقتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقتَہُ مِن طِینٍ......" (۲)

اس ملعون نے یہ نہیں کہا کہ میں تیری ربوبیت کو نہیں مانتا میں تجھے اپنا خالق نہیں مانتا بلکہ کہا میں سب کچھ مانتا ہوں لیکن جسے تو نے خلیفہ بنایا ہے میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں اس کی خلافت کا منکر ہوں، پس ہوسکتا ہے کہ ایک انسان خدا کو مانتا ہو لیکن مقام خلافت الٰہیہ اور نظام کائنات کو نہ مانتا ہو تو وہ بھی شیطان کی طرح راندہ درگاہ حق بن جاتا ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ لڑنے والا وہی ابلیسی لشکر ہے جو خدا کو تو مانتا ہے خدا کی عبادتیں تو کرتا ہے خدا کی بارگاہ میں سر تو جھکاتا ہے لیکن خلیفہ خدا کو نہیں مانتا، آپ کو معلوم ہے کہ کربلا میں یہ ملعون بھی نمازیں

---

(۱)۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم، ص۲۳۶۔

(۲)۔ الاعراف، آیت۱۲۔

پڑھتے تھے اپنے آپ کو مسلمان اور کلمہ گو ظاہر کرتے تھے بلکہ یہاں تک کہ امام سجادؑ رسول اکرم ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر فرماتے ہیں:

اے نانا جان! آپ کی امت نے آپ کی اولاد سے کیا کیا؟ میں نزدیک سے دیکھ رہا تھا کہ جب یہ آتے تھے تیرے بیٹے پر تیر برساتے تھے اور تلواریں چلا رہے تھے، جب خیام جلا رہے تھے تو ساتھ قصد تقرب الی اللہ بھی کرتے تھے، یعنی یہ بھی کہتے تھے کہ اس عمل کے ذریعے سے ہم قربت الی اللہ حاصل کر رہے ہیں پس ان کے ذہنوں میں خدا کا تصور تھا بلکہ قربت خدا کے لئے خلیفہ خدا کو قتل کر رہے تھے، شیطان اسی کو کہتے ہیں کہ جو خدا کو مانتا ہو لیکن خلیفہ خدا کو نہ مانتا ہو بلکہ خلیفہ خدا پر آ کر تیر برساتا ہے، وہ لشکرِ ابلیس تھا جس نے آ کر خلیفہ خدا پر تیر برسائے یہ لشکرِ ابلیس تھا جس نے خلیفہ خدا کو میدان کربلا میں گھیر لیا، جو بھی خلافت الٰہی کا انکار کرے وہ شیطانی چالیں چلتا ہے جو بڑی زیرکانہ ہیں شیطان کے دو لشکر ہیں ایک شیطان کا مسلح اور شمشیر بردار اور زرہ پوش لشکر ہے اور دوسرا شیطان کا نقاب پوش لشکر ہے اس لئے تو زیارت وارثہ میں آیا ہے:

" لعن اللّٰه امّة قتلتك لعن اللّٰه امّة ظلمتك ولعن اللّٰه امّة سمعت بذالك فرضيت به..." (۱)

خدا کی لعنت ہو اس امت پر جس نے آپ کو قتل کیا، اس نقاب پوش شیطانی لشکر پر بھی خدا کی لعنت ہو جو چھپا ہوا بیٹھا رہا، خلیفہ خدا قتل ہوتا رہا اور یہ تماشائی بن کر دیکھتا رہا وہ خلافتِ الٰہیہ کو ذبح کرنے کا مظاہرہ کرتا رہا اور اس کے لبوں پر اُف تک نہیں آئی، یہ خاموش طبقہ شیطان

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان، زیارت وارث۔

کا نقاب پوش طبقہ ہے آج بھی نظام الٰہی اور خلافت الٰہی کے مقابلے میں دو طبقے ہیں ایک وہ طبقہ ہے جو بندوق بردار اور مسلح ہے جو دہشت گردی کررہا ہے ایک وہ طبقہ ہے جو خاموش بیٹھا ہوا اور نقاب پوش ہے سب کی زبانوں پر نام خدا ہے لیکن اس نام خدا کے جھانسے میں نہ آنا، اگر شیطان کے لشکر کو دیکھنا ہے تو خدا کے نام سے نہیں پہچانا جائے گا بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ خلیفہ خدا کے سامنے جھکتا ہے یا نہیں منافق کی زبان پر نام خدا تو آتا ہے، اپنے آپ کو خدا کا دوست ظاہر کرتا ہے، لیکن خلیفہ خدا سے لڑتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

" الرّاضی بفعل قوم کا لدّ اخل فیه معهم وعلی کلّ داخل

فی باطل اثمان اثم العمل به و اثم الرّضیٰ به......" (١)

"کسی جماعت کے فعل پر راضی ہونے والا ایسا ہے جیسے اس کام میں شریک ہو اور غلط کام میں شریک ہونے والے پر دو گناہ ہیں ایک اس پر عمل کرنے کا اور دوسرا اس پر رضامند ہونے کا"

اے آدم صفوۃ اللہ کے وارث تجھ پر سلام ہو

(١)۔ نہج البلاغه، حکمت ١٥٤۔

السلام علیک یا وراث نوح نبي الله

تیسری فصل

۳

حسینؑ وارث نوحؑ نبي الله

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام منادی توحید

۲۔ قوم نوح علیہ السلام کی نجات

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ نجات

۴۔ حسین علیہ السلام سفینہ نجات

۵۔ بشریت کو درپیش بحران اور اس کا راہ حل

۶۔ سفینہ نجات پر بیٹھنے والی قوم

۷۔ سفینہ نوح علیہ السلام اور سفینہ حسین علیہ السلام میں فرق

ا۔ حضرت نوح علیہ السلام منادی توحید

حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں آپ کا لقب ابوالانبیاء ہے اس لئے کہ آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام آپ کی نسل میں سے ہیں، لوگوں کو توحید کی دعوت دینا آپ کی میراث ہے لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے رہے اور ان کی عقلوں کے دفینوں کو ابھارتے رہے، ان کی فطرتوں سے حجابوں کو ہٹاتے رہے، ان کے نور بصیرت کو بڑھاتے رہے تاکہ صراط مستقیم پہ آجائیں:

" قَالَ رَبِّ اِنِّي دَعَوتُ قَومِي لَيلاً وَنَهاراً، فَلَم يَزِدهُم دُعَآئِيَ اِلَّا فِرَارا . (۱)

''اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی لیکن اس دعوت کے باوجود وہ مزید دور ہی ہوئے ہیں''

۲۔ قوم نوح علیہ السلام کی نجات

حضرت نوح علیہ السلام نے صبح وشام اپنی قوم کو دعوت دی لیکن وہ نبی سے بھاگتے رہے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی باتوں میں تاثیر نہیں تھی بلکہ سننے والے بہت ضعیف تھے، کلام حق سننے

---

(۱)۔ نوح، آیت ۵، ٦.

کے قابل نہیں تھے، ضروری نہیں کہ حق بات سب کو پسند آئے بلکہ حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حق کا معیار یہ ہے کہ حق بات کرو، اگر کسی کو اس سے تکلیف ہوئی، اگر کسی نے اسے بُرا مانا تو سمجھ لو کہ حق بات ہے لیکن اگر سب کو پسند آئی، امریکا اور اسرائیل کو بھی پسند آئی، شرق وغرب سب کو پسند آ گئی تو سمجھ لو کہ یہ بات حق نہیں تھی''

لہٰذا قوم نوح علیہ السلام کا نور بصیرت بہت ہی کمزور تھا جیسا کہ بعض لوگوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جتنا اندھیرا ہو ان کے لئے فائدہ ہے اور جتنا نور زیادہ ہوا اتنا ہی ان کی آنکھیں زیادہ چندھیا جاتی ہیں لہٰذا جب دھوپ کے سامنے جاتے ہیں تو کالے شیشے والی عینک لگاتے ہیں تا کہ سورج کی نورانیت میں ان کے لئے کمی آ جائے اور ان کی آنکھیں چندھیانے سے محفوظ رہیں لہٰذا ایسے شیشہ فروش بھی موجود ہیں کہ جو ظلمت کے شیشے بیچتے ہیں، چندھیائی آنکھوں والے مہنگی قیمت میں ان سے خریدتے ہیں اسی طرح نور بصیرت بھی کبھی چندھیا جاتا ہے اور ایسی بصیرت والے ظلمانی شیشوں کے پیچھے سے دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

'' اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِینَ اٰمَنُوا یُخرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰاتِ اِلَی النُّورِ وَالَّذِینَ کَفَرُوا اَولِیٓائُهُمُ الطّٰاغُوتُ یُخرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ اِلَی الظُّلُمٰت '' (۱)

خدا اہل ایمان کا ولی ہے، خدا کی ولایت کا اثر یہ ہے کہ خدا ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کی ولایت میں آنے والوں پہ یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ انھیں

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ۲۵۷۔

نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ لوگ ہیں جو ظلمانی شیشے بیچ رہے ہوتے ہیں، بصیرتوں کی ظلمت بیچ رہے ہوتے ہیں، خریدنے والے بھی پیسہ دے کر انھیں بلاتے ہیں کہ آؤ ہمارے لئے ظلمت کی باتیں کرو، ہماری آنکھوں کے سامنے ظلمت کے پردے آویزاں کردو تا کہ ادھر سے ولایت کا چمکتا ہوا نور ہم تک نہ پہنچ سکے جس طرح سے بصر کے سیاہ شیشے بکتے ہیں اسی طرح بصیرت کی بھی اندھیری باتیں اور اندھیری کتابیں بکتی ہیں، اندھے نظریات بکتے ہیں، جو لوگ ان چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں، جو لوگ ظلمات اور اندھیروں کو بیچتے ہیں وہ طاغوت ہیں ان کے مقابلے میں انبیاءؑ نے آ کر نور ولایت کا پرچار کیا، ولایت الٰہی کا اثر یہ ہے کہ ظلمت سے نور کی طرف لے جائے لیکن چندھیائی ہوئی بصیرتیں نور سے نکل کر ظلمت میں آنا چاہتی ہیں اور ظلمت میں آنے کے لئے خود اہتمام بھی کرتے ہیں۔

قوموں نے انبیاءؑ کے ساتھ یہی کیا حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی امت کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانے کی کوششیں کیں، ساڑھے نو سو سال دعوت نور دینے کے باوجود ایسے سیاہ شیشے ان کی بصیرتوں کے آگے آویزاں تھے کہ جتنا نبوت اور ولایت کا نور چمکتا تھا اتنا ہی وہ اپنے شیشوں کو تاریک کر دیتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی صبح و شام کی دعوت اُن کی چشم بصیرت کو مزید تاریک کرتی رہی اور وہ راہ نجات سے بھاگتے رہے۔

۳ ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ نجات

قوم نوح علیہ السلام بھاگتے بھاگتے جب غرق ہونے کے قریب ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی نجات کے لئے کشتی بنائی، کشتی بنانے کے بعد پھر بھی دعوت دیتے رہے کہ آؤ میں نے نجات کی کشتی بنائی ہے اس کشتی میں سوار ہو جاؤ نجات پاؤ گے، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام ڈوبتی ہوئی امتوں کی نجات کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں لیکن جو گمراہیوں میں غرق ہو چکے تھے، جن کا نور بصیرت ختم ہو چکا تھا انھوں نے نہ صرف اس کشتی کو توڑنے کی کوشش کی بلکہ کشتی پر سوار ہونے سے بھاگنے بھی لگے۔

لہٰذا جنہیں غرق ہونا تھا وہ غرق ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی کے ذریعے سے نجات دی، جو اس کشتی میں سوار ہو گئے وہ بچ گئے، جو عصیان کر کے کشتی نجات میں سوار نہ ہوئے وہ سب کے سب غرق ہو گئے حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے غرق ہوتے ہوئے افراد کو بھی دعوت دی، جب نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان غرق ہونے لگا تو نوح علیہ السلام نے اس سے کہا کہ آؤ میری کشتی نجات پر سوار ہو جاؤ لیکن اس نے کہا کہ میں فلاں پہاڑی پر جا کر پناہ لوں گا تیری کشتی کی مجھے ضرورت نہیں ہے:

" ...... وَنَادیٰ نُوحٌ اِبنَهُ وَكَانَ فِي مَعزِلٍ يٰا بُنَيَّ اركَب مَّعَنا وَلاَ تَكُن مَّعَ الكافِرِينَ ۔ قَالَ سَئَاوِيَ اِلَىٰ جَبَلٍ يَعصِمُنِي مِنَ المٰآءِ ، قَالَ لَاعٰاصِمَ اليَومَ مِن اَمرِ اللّٰهِ اَلَّامَن رَّحِمَ وَحَالَ بَينَهُمَاالمَوجُ فَكَانَ مِن المُغرَقِينَ " (۱)

---

(۱)۔ ھود، آیت ۴۲،۴۳۔

تو خدا کی طرف سے فرمان آتا ہے کہ ہم ان پہاڑیوں کو بھی غرق کرنے والے ہیں اس کشتی نجات کے علاوہ بچنے کا کوئی بھی راستہ نہیں ہے، آج کل بھی بعض لوگوں نے کشتی سے ہٹ کر ابن نوح علیہ السلام کی طرح پہاڑیوں کی چوٹیاں تلاش کی ہیں بعض ایمگریشن لے لیتے ہیں اور بعض نیشنلٹی تبدیل کروا لیتے ہیں بعض اپنے گھر کا پتہ تبدیل کروا لیتے ہیں، بعض نے نمبر پلیٹ تبدیل کروالی حتی کہ بعض نے علم اتر وادیا آیا ان طریقوں سے بچنا ممکن ہے؟

یہ تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح پہاڑ کی چوٹیاں تلاش کرنا ہے، اگر نجات پانا چاہتے ہو تو نجات کا واحد راستہ کشتی نجات ہے اور وہ کشتی نجات، سفینہ حسین علیہ السلام ہے۔

٤ ۔ حسین علیہ السلام سفینہ نجات

امام صادق علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی ساری عظمت ان چند جملوں میں بیان فرمائی:

"السّلام علیک یا وارث نوح نبیّ اللّٰہ......"

اگر امام حسین علیہ السلام کی منزلت اور عظمت کو پہچاننا ہے تو دیکھ لو کہ حسین علیہ السلام انبیاءؑ کے وارث ہیں حسینؑ، آدم اور نوح کے وارث ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ارث میں کیا چھوڑا ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان اور سیلاب میں کشتی نجات چھوڑی ہے نوح علیہ السلام کی میراث سفینہ نجات ہے اور اس سفینہ کے وارث حسین علیہ السلام ہیں، مثلاً سمندر میں اگر وحشت ناک اور مرگبار طوفان آجائے جس کی لہریں دور دور تک انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیں اور کروڑوں انسانوں کی بستی کو ایک ہی موج

میں لقمہ اجل بننے کا خطرہ ہو ایسے میں کسی کو کہا جائے کہ یہ بستی اب غرق ہونے کے قریب ہے کیونکہ اس کے ساحل سمندر میں بہت بڑا طوفان آنے والا ہے اور یہ سارے لوگ غرق ہونے والے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس بستی کی زمام اور سرپرستی کسی کے ہاتھ میں دی جائے تا کہ وہ آئے اور اس غرق ہونے والی امت کو نجات دلائے۔

لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ساڑھے نوسو سال اس غرق ہونے والی امت کو نجات دینے کی کوشش کی، اب طوفان آ گیا اب یہ غرق ہونے کے قریب ہے اب مجھے ایک ایسا وارث چاہیے کہ اس ڈوبتی ہوئی امت کو بچالے، حسین علیہ السلام نے بڑھ کر فرمایا: کشتی نجات میں ہوں۔

"اِنَّ الحُسَینَ مِصبَاحُ الھُدیٰ وَسَفِینَۃُ النَّجَاۃِ ......" (۱)

اے نوح! جو کام آپ کی زندگی میں نہ ہو سکا حسین علیہ السلام نے مختصر سے زمانے میں کر دکھایا طوفان ارث میں لینا، ڈوبتی ہوئی قوم کو ارث میں لینا، غرق ہوتا ہوا سرمایہ ارث میں لینا یہ صرف امام حسین علیہ السلام کا کام ہے ورنہ اگر نوح علیہ السلام کی جاگیریں ہوتیں تو بنی امیّہ کی طرح بہت سے پیدا ہو جاتے اور کہہ دیتے کہ ہم وارث نوح علیہ السلام ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارث میں متلاطم موج، ڈوبتی امت اور کشتی نجات چھوڑی اس کشتی کو ایک ناخدا چاہیے تھا جو اس کشتی کو نجات دے کر ساحل تک پہنچائے، ساڑھے نوسو سال تک اس کشتی نوح علیہ السلام کے ملّاح حضرت نوح علیہ السلام رہے ساڑھے نوسو سال اگر چہ طولانی مدت ہے لیکن پھر بھی یہ

---

(۱)۔ عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۵۹

نجات دلانے کی معمولی کوشش ہے جبکہ امام حسین علیہ السلام نے ارث میں نجات کا بیڑا اسنبھالا اس ڈوبتی ہوئی امت کی زمام ہاتھ میں رکھی تو یہ نہیں کہا کہ میں آج کے لئے کشتی نجات کا ناخدا بن رہا ہوں، سو یا دوسو سال کے لئے اس کا ناخدا بن رہا ہوں بلکہ امام حسین علیہ السلام نے خدا سے عہد کیا کہ قیامت تک جب تک بشریت باقی ہے، حسین علیہ السلام کی یہ کشتی نجات باقی ہے اور بڑے بڑے طوفانوں میں یہ کشتی چلتی رہے گی۔

لہٰذا جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ امت کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہے، بصیرتیں چندھیا رہی ہیں، صراط مستقیم ان کو نظر نہیں آ رہا ہے، امت اب غرق ہونے کے قریب ہے، تو امام حسین علیہ السلام نے آ کر ان کی بصیرتوں کو صاف کیا، پھر کشتی نجات بنائی پھر غرق ہونے والے کو دعوت دی کہ آؤ اس نجات کی کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے لیکر کربلا تک حتی عصر عاشور تک اپنی شہادت سے ذرا پہلے بار باران کو اس کشتی کی طرف بلاتے رہے وارث نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت پکارا لیکن جب انہوں نے آپ کی دعوت کو مسترد کر دیا تو پھر نوبت جنگ آئی، یہی ائمہ علیہم السلام کی سیرت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند گرامی امام حسن علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

" لا تدعونّ الی مبارزة وان دعیت الیها فأجِب

فانّ الدّاعی الیها باغ والباغی مصروع......" (۱)

---

(۱)۔ نهج البلاغه، حکمت ۲۳۳.

''کسی کو مقابلہ کے لئے خود نہ للکارو، ہاں اگر دوسرا للکارے تو فوراً جواب دو اس لئے کہ جنگ کی خود سے دعوت دینے والا زیادتی کرنے والا ہے اور زیادتی کرنے والا تباہ ہوتا ہے''

ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں:

" ماسمعناانّه دعا الی مبارزة قط وانّما كان يدعى هو بعينه،

اويدعى من يبارزفيخرج اليه فيقتل......" (ا)

ہمارے سننے میں کبھی نہیں آیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے کبھی کسی کو مقابلے کے لئے للکارا ہو بلکہ جب خصوصی طور پر آپ کو مقابلہ کی دعوت دی جاتی تھی یا عمومی طور پر دشمن للکارتا تھا تو اس کے مقابلے میں نکلتے تھے اور اسے قتل کر دیتے تھے حتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی کو جنگ پر روانہ کرتے تھے تو ان کو نصیحت کرتے تھے کہ کبھی بھی جنگ میں پہل نہ کرنا اس لئے کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں ہم تو نجات دینے کے لئے آئے ہیں۔

نجات کے دو راستے ہیں:

پہلا راستہ دعوت کا راستہ ہے۔ **دوسرا** راستہ دعوت کی راہ سے رکاوٹیں ہٹانے کا راستہ ہے۔

ممکن ہے یہ ڈوبتی ہوئی قومیں دعوت سن کر نجات پا جائیں اگر دعوت کو ٹھکرا دیا اور دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں تو پھر ان رکاوٹوں کو اپنے راستے سے ہٹانا پڑے گا تا کہ کشتی نجات اپنے ساحل نجات کی طرف آگے بڑھ سکے لہٰذا مجاہدین اسلام سب سے پہلے غرق ہونے والوں کو دعوت دیا کرتے تھے حضرت علی علیہ السلام کے بہت سارے نمائندے جنگوں میں فقط دعوت دیتے

(ا)۔ شرح نهج البلاغه ابن ابى الحديد، ج۱۹ص ۶۰، حكمت ۲۳۰.

ہوئے شہید ہو گئے جنگ جمل میں جب ایک آدمی دعوت دینے کے لئے گیا تو دشمنوں نے سب سے پہلے اس داعی حق کو شہید کر دیا جنگ نہروان میں بھی اسی طرح ہوا جب آپ نے دیکھا کہ دعوت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس کشتی نجات کو اپنے ساحل کی طرف بڑھنے نہیں دیتے تو رکاوٹوں کو تلوار سے ہٹانے کی ضرورت پڑگئی لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے بھی یہی کام کیا اپنی شہادت سے ذرا پہلے خطبہ دیا ان کو دعوت دی لیکن امت قوم نوح علیہ السلام کی طرح لجاجت اور ضد کرتی رہی تب آپ نے شمشیر نکالی تا کہ کشتی نجات کے راستے سے ان رکاوٹوں کو دور کیا جائے جو کشتی حسین علیہ السلام پر سوار ہوئے اور جام شہادت نوش کیا وہ نجات پا گئے جو اس کشتی سے دور رہے وہ سب کے سب غرق ہو گئے ،سفینہ حسین علیہ السلام قیامت تک حرکت میں ہے اس کا سفر جاری ہے آج بھی غرق ہونے والوں کو امام حسین علیہ السلام کی دعوت ہے کہ یا کشتی نجات کے راستے سے ہٹ جاؤ اور رکاوٹ نہ بنو یا پھر آکر اس کشتی کے اوپر سوار ہو جاؤ لیکن یہ دیکھ لینا کہ یہ کشتی خون کے دریا میں تیر رہی ہے لہٰذا جو اس کشتی پر سوار ہوگا اسے شہادت کی طرف لے جائے گی اس کا انجام شہادت ہوگا لیکن شہادت کو ہلاکت نہ سمجھنا بلکہ ابدی سعادت کا نام شہادت ہے۔

۵۔ بشریت کو درپیش بحران اور اس کا راہ حل

آج کل ایک گفتگو جو میڈیا میں بھی موجود ہے یہ ہے کہ بشریت کو کونسا بحران درپیش ہے؟ بحرانوں کی تشخیص دینا بھی بہت اہم کام ہے ممکن ہے کوئی کہے کہ آج کل کا بحران بجلی کی لوڈشیڈ ینگ ہے جو جس مشکل میں خود گرفتار ہو وہ سمجھتا ہے سب کی مشکل یہی ہے مولانا روم نے ایک قصّہ بیان کیا ہے

کہ کسی دکاندار نے طوطا رکھا ہوا تھا جو میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا گاہک بھی طوطے کی وجہ سے زیادہ آتے تھے ایک دن طوطا اڑا، اڑتے ہوئے اس نے بوتل گرادی جس میں بہت قیمتی تیل پڑا ہوا تھا دوکاندار نے جب دیکھا کہ طوطے نے بڑا نقصان کر دیا غصہ میں آ کر طوطے کو زمین پر پٹخ دیا تو طوطے کا سر گنجا ہو گیا اس کے بعد طوطے نے بولنا چھوڑ دیا دکان دار بھی بہت پشیمان ہوا بہت کوشش کی لیکن طوطا باتیں نہیں کرتا تھا چند دن گزرنے کے بعد دکان پر ایک آدمی آیا جس کا سر گنجا تھا تو طوطے نے فوراً کہا کیا تم نے بھی تیل کی شیشی گرائی ہے؟

لہٰذا آج کل ایک ایسا بحران ہے جس نے پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جسے نہ کوئی حکومت حل کر سکتی ہے نہ کوئی سپر طاقت حل کر سکتی ہے، نہ شرق حل کر سکتا ہے نہ ہی غرب، وہ بحران کرامت اور شرافت انسانی کا بحران ہے وہ فقدان اقدار کا بحران ہے اس وقت ساری دنیا ڈوبتی جارہی ہے مذہبی، غیر مذہبی سب غرق ہو رہے ہیں لیکن ان کو اپنے ڈوبنے کا علم ہی نہیں ہے اس ڈوبتی ہوئی امت کا ایک ہی علاج ہے کہ وہ آئیں اور سفینہ نجات پر آ کر سوار ہو جائیں جب تک سفینہ نجات پر سوار نہیں ہوں گے نہ مشرق کو نجات ملے گی اور نہ ہی مغرب کو، اور وہ سفینہ نجات رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا ہے:

" اِنَّ الحُسَینَ مِصبَاحُ الهُدیٰ وَسَفِینَةُ النَّجَاةِ ......""حسین ہدایت کے چراغ اور نجات کی کشتی ہیں"

دوسری حدیث میں ہے:

'مثل اهل بيتى كمثل سفينة نوح من ركبها نجى و من تخلّف عنهاغرق وهوى...' (۱)

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۰۵.

''میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو بھی اس کشتی پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا جو اس سے روگردان ہوا وہ غرق ہوا اور گمراہی میں چلا گیا''

٦۔ سفینہ نجات پر بیٹھنے والی قوم

دنیا میں ایک قوم ایسی بھی ہے جس نے سفینہ نجات پر بیٹھ کر نجات پائی اور آزادی حاصل کی آج کل دنیا میں صرف ایک ہی حکومت نظر آتی ہے جس کے فیصلے اسی کے دارالخلافہ میں کئے جاتے ہیں دیکھیئے پاکستان بھی آزاد تو ہے لیکن وزیراعظم امریکا سے آتا ہے صدر وہاں سے نامزد ہوتا ہے، بجٹ وہاں سے بن کر آتا ہے، پوری دنیا ایسی ہے، حتی کہ امریکہ جو سب سے بڑی طاقت ہے اور تمام ملکوں کے فیصلے وہاں کئے جاتے ہیں لیکن جب خود اس کی آئین سازی کی باری آتی ہے تو پیچھے چھپی ہوئی صہیونیت اور یہودی طاقتیں یہ کام کرتی ہیں لیکن کرۂ ارض پر ایک حکومت ایسی ہے جو آئین بھی خود بناتی ہے اور اپنے فیصلے بھی خود کرتی ہے یہ وہ حکومت ہے کہ جس کے بانی نے فرمایا:

'' ما ہر چہ داریم از سید الشّہداء داریم ''

یعنی جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ حسینؑ کا دیا ہوا ہے ہماری آزادی اور خود مختاری امام حسینؑ کی مرہون منت ہے۔لہٰذا امام حسینؑ نجات دھندہ ہیں اس لیے اس سفینہ نجات پر سوار ہونے والی قوم نے نجات پائی۔

۷ ۔ سفینہ نوحؑ اور سفینہ حسینؑ میں فرق

حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی کو بڑی مشکل سے بنایا حضرت نوحؑ دن کو کشتی بناتے تو وہ سرکش

لوگ رات کو آ کر دوبارہ توڑ پھوڑ کر کے چلے جاتے تھے خدا جانتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بناتے ہوئے کتنی مدت لگی ہوگی کیونکہ یہ سرکش لوگ کشتی بننے نہیں دیتے تھے حتیٰ رات کو آ کر اس کشتی میں غلاظت پھینک دیتے تھے اس کے تختے نکال کر دور پھینک دیتے تھے حضرت نوح علیہ السلام دوبارہ آ کر اسے صاف کرتے تھے ٹوٹے ہوئے تختے کے بدلے نیا تختہ لگا دیتے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لکڑیوں اور تختوں کی تھی لہٰذا اگر تختہ ٹوٹ بھی جائے تو اس کی جگہ نیا تختہ لگایا جا سکتا ہے اگر اس کی کیل کھینچ بھی لی جائے تو نئی کیل ٹھونکی جا سکتی ہے اگر اس کشتی کو داغدار بنایا جائے تو اسے دوبارہ دھویا جا سکتا ہے لیکن امام حسین علیہ السلام نے جو کشتی بنائی وہ تختوں کی کشتی نہیں تھی بلکہ وہ پاک و پاکیزہ ابدان سے بنی ہوئی تھی اس پاکیزہ کشتی کے تختے اصحاب و انصار اور بنی ہاشم کے پاکیزہ بدن تھے حضرت امام حسین علیہ السلام کی کشتی کے تختے حضرت عباس، علی اکبر، حضرت زہیر اور حبیب جیسے باوفا اصحاب اور بنی ہاشم تھے جس طرح سے اس نادان امت نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے تختے توڑے تو اسی طرح اس امت جاہل نے کشتی حسین علیہ السلام کو بھی پارہ پارہ کیا اس کے تختوں کو الگ الگ کیا حضرت نوح علیہ السلام تو صبح آ کر نیا تختہ لگایا کرتے تھے لیکن جب امام حسین علیہ السلام کی کشتی کا کوئی تختہ ٹوٹ جاتا تو پھر امام حسین علیہ السلام چاروں طرف دیکھتے تھے وہ شکل دوبارہ نظر نہیں آتی تھی لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے اس کشتی نجات کو بنانے میں اور اسے ساحل تک لے جانے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔

نوح نبیؑ اللہ کے وارث تجھ پر سلام ہو

السلام علیک یا وراث ابراھیم خلیل اللہ

چوتھی فصل

۴

حسینؑ وارث ابراھیمؑ خلیل اللہ

۱۔ ابراہیم علیہ السلام اور آذری کارخانہ

۲۔ ابراہیم علیہ السلام بت شکن

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مردہ ضمیروں کو جھنجوڑنے والے

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود میں

۵۔ وارث ابراہیم علیہ السلام آتش یزید میں

۶۔ مرئی اور نامرئی بُت

۷۔ انسان کی پستی

۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم

۹۔ ہاجرہ باعظمت خاتون

۱۰۔ زمزم انسانیت کو سیراب کرنے والا چشمہ

۱۱۔ وارث زمزم کربلا میں

۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

۱۳۔ وارثانہ رویّہ اور غاصبانہ رویّہ

۱۴۔ عید قربان کا فلسفہ

۱۵۔ قربانی کا اصلی مفہوم اور مقصد

۱۶۔ ابراہیم علیہ السلام دشوارترین امتحان میں

۱۸۔ وارث اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

۱۔ ابراھیم علیہ السلام اور آذری کارخانہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت، نوجوانی سے لیکر بڑھاپے تک لوگوں کوتوحید کی طرف بلانا اورشرک و بت پرستی سے مقابلہ کرنے پر مشتمل ہے بت سازی کے خلاف جہاد کرنا آپ کی میراث ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر جومشہور بت تراش تھا اس کے بنائے ہوئے بت پورے علاقے میں بکا کرتے تھے آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سرپرست تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ چچا کا بت تراشی سے بڑا اچھا کاروبار چل رہا ہے تو اس کو سمجھایا، اے چچا اس کام کو چھوڑ دو اس سے بشریت تباہ ہو رہی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر مال کمانا ہے تو آذری فیکٹری نہ لگاؤ، بشریت کو تباہ کرنے والے کارخانے نہ بناؤ، لہٰذا آپ نے فرمایا: چچا یہ فیکٹری بند کرو، یہ اچھا کام نہیں ہو رہا ہے؛ آذر نے کہا اے ابراہیم! تم نوجوان ہو تم نہیں سمجھتے ہو، بڑے ہو کر سمجھ جاؤ گے کہ سرمایا بڑھانا اور پیسہ کمانا بڑا مشکل کام ہے مستقبل میں آپ کی تعلیم ہے آپ کا گھر آپ کی بیوی ہے ان ساری چیزوں کا

دارومدار پیسے پر ہے اور پیسہ اس کام سے میسّر آتا ہے آذر سرمایہ دار تھا، سرمایہ دار سمجھنے والے نہیں ہوتے ان کی ساری فکر سرمایہ بڑھانے پر متمرکز ہوتی ہے ایک بھوکے آدمی سے کسی نے پوچھا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟ تو اس نے کہا چار روٹیاں، اگر ایسے آدمی سے پوچھا جائے جس کے پاؤں میں جوتا نہیں کہ دو جمع دو (2+2) تو وہ کہے گا چار جوتے یعنی انسان کی جو ضرورت ہوتی ہے وہی اس کی سوچ ہو جاتی ہے، سرمایہ دار کی ضرورت سرمایہ بڑھانا ہی ہے، لہٰذا اگر اس سے پوچھا جائے کہ دو اور دو تو وہ کہے گا چار ڈالر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کو سمجھایا کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں لیکن وہ کہتا تھا نہیں دو اور دو چار بت ہوتے ہیں اب اس آذری کارخانے کو کیسے بند کیا جائے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ جب تک اس فیکٹری کے خریدار موجود ہیں اس وقت تک یہ بند نہیں ہوگی اس لئے کہ سرمایہ دار تو نہ کسی واعظ کی بات سنتا ہے نہ کسی مولوی کی بات ماننے کو تیار ہے اس کی ساری توجہ اپنی مارکیٹ پر ہوتی ہے جب تک مارکیٹ چل رہی ہے، فیکٹری بھی چل رہی ہے فیکٹریوں کا دارومدار مارکیٹوں پر ہے۔

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مارکیٹوں کا رخ کیا لوگوں کو سمجھایا کہ وہ بت خریدنا چھوڑ دیں تاکہ آذر بت بنانا چھوڑ دے لیکن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات نہیں سنی اور کاروبار چلتا رہا اس لئے کہ بت خریدنا لوگوں کی دینی ضرورت تھی لہٰذا جب تک بت پرست ہوں گے بت بکتے رہیں گے جب تک بت بکتے رہیں گے بت تراش اسے بناتے رہیں گے لہٰذا اس بت سازی کو ختم کرنے کے لئے ایک جوان آگے بڑھا (نوجوانو! سنو انٹرنیٹ (Internet) پر اپنی عمر ضائع

کرنے والوسنو، گلی کوچے بازاروں میں آوارہ گردی کرنے والے نوجوانو! سنو) یہ ایک نوجوان ہے چچا بہت سمجھدار بزنس مین (Business Man) اور فیکٹری کا مالک ہے لیکن ایک نوجوان نے کیسے اسے بند کروایا۔

۲۔ ابراھیمؑ بت شکن

عید کا دن آیا، جو نوجوانوں کا دن ہوتا ہے تو آیا نوجوان ابراہیم کو عید کے میلے پہ جانا چاہیے؟ نوجوان ابراہیمؑ کو عید کے جشن میں جانا چاہیے؟ یہ بھی تو نوجوان ہے لیکن جب سارے جوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں، عید کا جشن منانے گئے تو آپ نے اپنے کندھے پہ کلہاڑا رکھا، بت کدہ میں چلے گئے بت خانہ میں آ کر آپ نے سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، لیکن اتنی ہوشیاری اور ہوش کے ساتھ یہ کام کیا کہ بڑے بت کو سالم ہی چھوڑ دیا کتنا سمجھدار نوجوان ہے، جذباتی نہیں چونکہ اگر جذباتی ہوتا تو سب سے پہلے جا کر بڑے بت پر حملہ کرتا، بڑا ہوش منداور عقلمند ہے یوں نہیں ہے کہ جو سب سے بڑا ہے اس پر کلہاڑا چلانا ہے بلکہ عقل سے کام لیا کہ کس کو کلہاڑا مارنا ہے اور کس کا گلا کاٹنا ہے چونکہ جو بت توڑے جاتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں اور جن کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جن سے عقل کو جھنجوڑا جاتا ہے وہ بت کچھ اور ہوتے ہیں۔

بعض اوقات ضربیں ایسی لگائی جاتی ہیں کہ جن سے وہ چیزیں ختم نہیں ہو جاتی ہیں بلکہ اور زیادہ پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں بعض اوقات فیکٹریوں پر حملے کئے جاتے ہیں تو سرمایہ دار اگلے سال دو فیکٹریاں اور لگا دیتا ہے آپ مارکیٹ کو آگ لگائیں گے وہ کسی محفوظ جگہ پر جا کر دو بازار اور بنا لے

ابراھیمؑ بت شکن

گا لہٰذا اس ہوش مند نوجوان نے بتوں کو توڑنے کے بعد کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر لٹکا دیا۔

نمرودی حکومت کا عبادت خانہ اور بت کدہ ویران کر کے یہ نوجوان بڑے اطمینان وسکون سے واپس آرہا ہے حالانکہ نمرود وہ تھا کہ جس کا نام سن کر بڑے بڑے سپوتوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے نمرودی حکومت ایک ضرب المثل ہے یعنی سفاک ترین، جفا گر ترین شخص کی حکومت، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس آئے تو دیکھا چچا بت تراشی میں مشغول ہے چہرے پر طنزیہ تبسم آیا کہ عنقریب تمہاری یہ فیکٹری ختم ہونے والی ہے جب بت پرست واپس آئے دیکھا کے بڑے میاں کے علاوہ سارے بت پاش پاش ہیں جو بھی بت خانہ میں آیا بتوں کو پاش پاش پایا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کس کا کام ہے؟ بلکہ سب نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ بس فقط یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کردار معاشرے میں اتنا بلند تھا کہ سب کے ذہنوں میں یہی آیا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام نے توڑے ہیں، لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر اس سے پوچھا جائے کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر کیوں کیا؟

۳۔ حضرت ابراهیم علیہ السلام مردہ ضمیروں کو جھنجوڑنے والے

بت پرستوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مجمع میں بلایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مجمع میں آگئے اب ابراہیم علیہ السلام کی شجاعت اور دلیری، فراست اور ہوشیاری دیکھیں، آزری فیکٹری کو کیسے بند کروایا ان کے مردہ ضمیروں کو کیسے جھنجوڑا! حالانکہ بت پرست بہت غصے میں تھے،

انتقام، انتقام، کے نعرے لگا رہے تھے حضرت ابراہیمؑ نے جب ان کے چہروں کے تیور دیکھے تو سمجھ گئے وار کامیاب گیا ہے ان کے چہروں کے تیور بتا رہے تھے کہ چوٹ برموقع لگی ہے دکھتی رگ پکڑی گئی ہے۔

لوگوں نے آپ سے کہا اے ابراہیمؑ تو نے ہمارے بت توڑے ہیں! فرمایا: عجب:! بت ٹوٹ گئے ہیں؟! یہ نہیں کہا ہاں میں نے توڑے ہیں بلکہ پہلی ضرب ان پر لگائی کہ اے عجب! خدا ٹوٹ گیا! اتنا ہی خدا تھا کہ کلہاڑی کی ضرب سے ٹوٹ گیا! ان کے سر جھک گئے پھر فرمایا کہ بتاؤ! یہ بت کیسے ٹوٹے؟ انھوں نے سارا ماجرا سنایا انھوں نے کہا فقط بڑا سالم ہے اور کلہاڑا ابھی اس کے کندھے میں لٹکا ہوا ہے تو نوجوان کو دوسری ضرب لگانے کا موقع ملا، کہا کہ سمجھ دار لوگو! کیا تمہارے ذہنوں میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں سے پانی مانگا ہوگا، پان سگریٹ مانگی ہوگی اس کو ضرورت تھی اور یہ چھوٹے بت نافہم ہیں بڑے کی بات نہیں مانی ہوگی اس نے بھی غصہ میں آکر کسی کا سر کاٹ دیا، کسی کی ناک کاٹ دی، کسی کا کان کاٹ دیا۔

ظاہر سی بات ہے کہ معمولی سا بڑا آدمی جب غصہ میں آجاتا ہے تو چھوٹوں کا کیا حشر کر دیتا ہے تو بڑا خدا جب غصے میں آجائے تو پھر چھوٹے خداؤں کا کیا حشر کر دے گا! لوگ کہنے لگے اے نوجوان ذرا سمجھ کے بول بھلا یہ بڑا خدا غصہ میں کیسے آسکتا ہے! یہ پتھر کا ہے اس کو بھوک اور پیاس نہیں لگتی یہ بیچارہ تو چل بھی نہیں سکتا ہے تو اس نے کیسے چھوٹے بتوں کو مارا ہوگا؟

حضرت ابراہیمؑ نے تیسری دفعہ ان کی عقلوں کو جھنجوڑا، فرمایا کہ: بس تمہارا شعور فقط اتنا ہی ہے جو نہ بول سکے، نہ سمجھ سکے، نہ چل سکے، نہ ہل سکے، نہ ہی اپنے سے دفاع کر سکے تو اس کو خدا

کیوں مانتے ہو؟ کچھ لوگ اپنے آپ میں آئے اور سوچنے لگے کہ بات تو اس نوجوان کی ٹھیک ہے بھلا یہ خدا جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے یہ ہمیں نفع کیسے پہنچا سکتے ہیں لیکن کچھ دوسرے لوگ کہنے لگے، اے نوجوان یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں تو نے ہمارے خداؤں کو مار ڈالا ہے لہٰذا ہمارے خداؤں سے، ان سارے بت پرستوں سے اور بت سازوں سے معافی مانگو ورنہ ہم تم کو سزا دیں گے ساری قوم تمہارے خلاف ہے چچا بھی آپ کا مخالف ہے تم تنہا ہو لہٰذا ان بتوں کے سامنے جھک کر معذرت کرو۔

نوجوان ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''نہیں میں ایسا نہیں کرتا جو سزا دینی ہے دے دو''

٤۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام آتش نمرود میں

نمرود نے اپنے مشیروں سے مشورہ لینا شروع کیا مشوروں کے بعد سب نے فیصلہ کیا کہ اس نوجوان کو بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہیے لہٰذا آگ کے شعلے بھڑکائے گئے اتنی شدت سے آگ جلائی گئی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کی باری آئی تو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک سکیں کیونکہ آگ کے قریب نہیں آسکتے تھے۔

لہٰذا منجنیق بنائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں بٹھا کر آگ میں پھینک دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی آگ کے شعلوں میں نہیں پہنچے تھے کہ اتنے میں نجات دھندہ آگیا حضرت جبرائیل امین نے آکر کہا اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تجھے مدد نہیں چاہیے؟ اگر کہتے ہو تو مدد کروں؟ آپ نے فرمایا: مدد تو

چاہیے لیکن تجھ سے نہیں وہ جس کے لئے سب کچھ کیا ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ آگ میں جا گرے، جلتی ہوئی آگ تھی لیکن جب حضرت ابراہیمؑ اس میں گرے تو گلزار بن کر ٹھنڈی ہوگئی، خدا کی طرف سے فرمان آیا:

" قُلنَایَانَارُ کُونِی بَرداً وَسَلَامًا عَلیٰ اِبرَاھِیمَ......" (۱)

''اے آگ اس بت شکن کے لئے ٹھنڈی ہوجا''

آج بھی بت شکنوں کے لئے یہی ہے اے بت شکنو، آگ کے شعلوں سے نہ ڈرنا یہ آگ اس وقت تک آگ ہے جب تک تم اس میں کود نہیں جاؤ گے لیکن جب تم اس میں کود جاؤ گے تو یہ آگ تمہارے لئے گلزار بن جائے گی۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی (۲)

آج بھی ہو جو براھیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا (۳)

---

(۱)۔ الانبیاء، آیت ٦٩۔

(۲-۳)۔ کلیات اقبال، ص۲۷۸، ۲۰۵.

۵۔ وارث ابراهیم علیہ السلام آتش یزید میں

حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا جب اس دنیا سے جانے لگے تو ایسے میں انہیں اپنی چھوڑی ہوئی اقدار کا وارث چاہیے وارث ایسا ہو جو بت سازی، بت فروشی اور بت پرستی کا قلع قمع کر سکے اور اس کی جگہ توحید کا پرچم لہرا سکے لیکن جو بھی یہ کام کرے گا تو نمرود کی جلتی ہوئی آگ اس کا استقبال کرے گی اب ساری دنیا حیران رہ گئی عقل محو حیرت ہے کہ ابراہیمؑ کی راہ پر چلیں یا نہ چلیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی (۱)

جہاں عقل حیران ہوتی ہے وہاں عشق میدان عمل میں اترتا ہے آگ میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے عشق آتش نمرود میں کود پڑتا ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی تعبیر کے مطابق، کربلا عاشقوں کے گرنے کی سرزمین ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

”...... قتل فیها مائتانبيّ و ما ئتا سبط كلّهم شهداء و مناخ ركاب و مصارع عشّاق شهداء لا يسبقهم مَن كان قبلهم و لا يلحقهم من بعد هم......“ (۲)

لہٰذا امام حسین علیہ السلام کی آواز آتی ہے اے ابراہیم علیہ السلام! گر بت خانے ویران کرنے ہیں اگر بت گری ویران کرنی ہے اگر بت فروشوں کے بازار ختم کرنے ہیں تو گھبراؤ نہیں آپ کا وارث حسین

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص۲۷۸۔

(۲)۔ بحار الانوار، ج۴۱، ص۲۹۵.

موجود ہے وارث ابراہیم علیہ السلام نے بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح بہت بڑے بڑے بت توڑے پھر توڑنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح وقار، سکون اور اطمینان کے ساتھ میدان کربلا میں آئے لیکن آتش نمرود اور آتش یزید میں فرق ہے، نمرود کی آتش کا شعلہ بہت بڑا تھا آسمانوں کو چھو رہا تھا جب ابراہیم علیہ السلام اس میں ڈالے گئے تو خداوند کی طرف سے فرمان آ گیا:

" ......یَانَارُ کُونِی بَرداً وَسَلاماً عَلیٰ اِبراہِیمَ " (۱)

''اے آگ اس بت شکن کے لئے ٹھنڈی ہو جا''

اے آگ یہ بت شکن آ رہا ہے بت شکن پر ٹھنڈی ہو جا لیکن اے ابراہیم علیہ السلام اپنے وارث بت شکن کو دیکھ بتوں کو توڑ کے میدان کربلا میں کھڑا ہے اور آتش یزید کے شعلے لپک رہے ہیں۔

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ؟ (۲)

عصر عاشور کا منظر ہے خیام حسینی جل رہے ہیں، چار سو آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں نسل ابراہیم علیہ السلام آگ میں پڑی ہوئی ہے ذریت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بچے اور خواتین جلتے ہوئے خیموں میں کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف دوڑ رہی ہیں امتحان زیادہ بڑھ گیا اس لئے کہ وہاں پر فرمان آ گیا تھا۔ ''......یَانَارُ کُونِی بَرداً وَسَلاماً عَلیٰ اِبراہِیمَ "

---

(۱)۔ الانبیاء، آیت ۱۶۹.

(۲)۔ کلیات اقبال، ص ۲۵۷.

اے آگ اس بت شکن کے لئے ٹھنڈی ہوجا لیکن کربلا کی آگ کو فرمان نہیں آیا آگ جلاتی رہی خیمے جلتے رہے تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بی بی نے بڑھ کر وارث ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا اے حجت خدا، اے حضرت سجاد علیہ السلام آپ کی امامت کا پہلا فتویٰ لینے آئی ہوں اپنی امامت کا پہلا حکم ہمیں بیان کریں، خیموں میں آتش نمرود اور آتش یزید بھڑک رہی ہے، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اس آگ میں جل رہی ہے، حکم امامت کیا دیتے ہو، آیا یہاں سے نکل کر جان بچالیں یا آگ میں جل کر مرجائیں امام سجاد علیہ السلام نے اپنے عہد امامت کا پہلا حکم دیا اور فرمایا: پھوپی اماں آتش نمرود کے شعلوں سے نسل ابراہیم علیہ السلام کو بچالو، خیموں کو چھوڑ کر صحرائے کربلا کی طرف نکل جاؤ۔

۶۔ مرئی اور نامرئی بت

ہر وہ چیز جو انسان کو روک کر خدا کی جانب نہ جانے دے وہ بت ہے یہ بت مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض لکڑی، سونے چاندی اور پتھر کے بنے ہوئے ہوتے ہیں بعض ایسے بت ہیں جو دکھائی نہیں دیتے سب سے خطرناک ترین بت یہی ہیں اس لئے کہ ایسے خطرے جو نظر آجائیں وہ خطرے نہیں، ان سے انسان اپنی جان بچاسکتا ہے وہ خطرے جان لیوا ہوتے ہیں جو نظر نہ آئیں انانیت، قومیت، لسانیت، وطنیت، پارٹی، تنظیم وغیرہ اگر انسان کو آگے نہ بڑھنے دیں تو یہ سب بت ہیں بت جیسا بھی ہو، مرئی اور نظر آنے والا ہو یا نامرئی اور نظر نہ آنے والا ہو دونوں شرک وکفر کا مظہر اور علامت ہیں اگر محسوس اور مرئی ہوتو شرک جلی ہوگا اگر بت نامحسوس اور نامرئی ہوتو شرک بھی خفی ہوگا۔

۷۔ انسان کی پستی

کبھی انسان اتنا پست اور ذلیل ہوجاتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی مورتی کے سامنے جھک جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی لوگوں سے کہا کہ یہ تمہارے کیسے خدا ہیں؟ جو تم نے خود بنائے ہیں حالانکہ خدا وہ ہے جس نے تمہیں بنایا ہے لیکن انسان جب پست ہوجائے تو خدا بنانے لگتا ہے جب کہ انسان کی کرامت مخلوق ہونے میں ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کرامت دی:

"وَلَقَد كَرَّمنا بَنِي آدَمَ وَحَمَلنٰهُم فِي البَرِّ وَالبَحرِ
وَرَزَقنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلنٰهُم عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّن خَلَقنا تَفضِيلاً" (۱)

انسان اپنی کرامت کھو بیٹھا، مرئی اور نامرئی بتوں کی پوجا شروع کرنے لگا ان سارے بتوں کو توڑنا ہے بتوں کو توڑنے کے لئے فقط ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی سیرت اپنائی جائے لہٰذا جس معاشرے میں بت شکنی عام ہوجائے تو شرک نامی چیز باقی نہیں رہے گی۔

یہ دور اپنے براھیم کی تلاش میں ھے
صنم کدہ ھے جہاں لا الہ الاّ اللّٰہ (۲)

سب سے پہلے اپنا بت توڑنا ہے انانیت کے بت کو توڑ دیں پھر دوسرے بت توڑنے ہیں عربوں میں مختلف بت ہوتے تھے، قبیلہ کا بت ہوتا تھا، خاندان کا بت ہوتا تھا، پوری قوم کا بت الگ ہوتا تھا، گھر کے اندر بھی بیوی کا الگ بت ہوتا تھا، شوہر کا الگ بت ہوتا تھا تو ان خاندانی بتوں کو بھی توڑ

---

(۱)۔ الاسراء، آیت ۷۰.

(۲)۔ کلیات اقبال، ص ۴۷۷.

دو، اجتماعی، قومی اور لسانی بتوں کو بھی توڑ دو بتوں کو توڑنے کے بعد معاشرے میں حسینیت اور ابراہیمیت کی خوشبو آجائے گی حسینیت اور بت پرستی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سارے بتوں کو کیسے توڑا؟ ان کا توڑنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ سارے امتحانات اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بہت سارے امتحانات دینے کے بعد یہ سارے بت توڑے ہیں۔

" وَاِذِابْتَلٰىٓ اِبراهِيمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰاتٍ فَأَ تَمَّهُنَّ، قَالَ اِنِّى جَاعِلُكَ لِلنّٰاسِ اِمٰاماً ......"(۲)

یعنی امامت کا دارومدار وہی ہے، جو ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بت توڑے تو جو بھی امام ہوگا وہ بت شکن ہوگا، قرآن نے امامت کا معیار بت شکنی قرار دیا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل

یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے (۳)

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ۲۷۰.

(۲)۔البقرہ ، آیت ۱۲٤.

(۳)۔ کلیات اقبال، ۳٦۰.

۸۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا مقام تسلیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بابل سے نکل کر وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد چھوڑ کے واپس آؤ، وادی غیر ذی زرع ایسی سنگلاخ زمین ہے جس میں زراعت اور کھیتی باڑی ممکن ہی نہ ہو مکہ کی وادی غیر ذی زرع ہے چاہے بارش برسے یا نہ برسے، پانی ہو یا نہ ہو، کسی بھی صورت میں زراعت کے قابل نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم دیکھئے جب حکم ہوا تو نہیں کہا کہ پروردگارا! اگر میں وہاں جاؤں گا تو کیا کھاؤں گا؟ یہ خشک صحرا ہے، اس میں تو کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ملتا، آخر شیر خوار بچہ اور زوجہ کو تن تنہا چھوڑ کر کہاں جاؤں ان کو کھانے کی ضرورت ہے ان کو محافظ کی ضرورت ہے۔

یہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے کہ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اگر ہمیں ایک مکان سے دوسرے مکان میں جانے کے لئے کہا جائے، تو ہر کمرے کے متعلق الگ الگ پوچھتے ہیں فلاں کمرے میں ٹونٹی ہے یا نہیں، اٹیچ باتھ ہے یا نہیں؟ اسی طرح جب حاجی صاحب حج پر جاتے ہیں تو جانے سے پہلے بہترین کھانے کا انتظام کرتے ہیں پہلے آکر کاروان کے سالار سے پوچھتے ہیں کہ ادھر ہماری رہائش کیسی ہوگی؟ کتنے اسٹار کا ہوٹل ہوگا؟ کھانا کس کمپنی کا ہوگا؟...... حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے اس وادی غیر ذی زرع میں آئے؟ آج مسلمان مکہ جاتے ہیں تو امریکی اور جاپانی کمپنیوں کے بنے ہوئے مصنوعات خرید کر لے آتے ہیں سارا فائدہ ان کو پہنچا رہے ہیں اگر مسلمان حاجی ان کے مصنوعات خریدنا چھوڑ دیں تو وہ دیوالیہ ہو جائیں گی دیکھیے، ہمیں وادی غیر ذی زرع پر اس لئے نہیں بلایا گیا ہے کہ امریکی کمپنیوں کو فائدہ پہنچائیں اگر

حج پر جانا ہے تو حج ابراہیمی کر کے آنا چاہیے زیارت وارثہ کی روشنی میں حج کرنا چاہیے تا کہ حج کا فلسفہ ذہن میں آجائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام تسلیم کے مالک تھے تسلیم کے مقابلے میں لجاجت اور حجت بازی ہے لجاجت اور حجت بازی وہی اسرائیلی خصلت ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ گائے ذبح کرو، تو انھوں نے ہزار حجتیں کیں، ہزار بہانے کئے، یہ کیسی گائے ہے، چھوٹی ہے یا بڑی ہے، اس کا رنگ کیسا ہے؟ کالی ہے یا سفید، ہم کیسے ذبح کریں دم سے ذبح کریں یا سر سے ذبح کریں......اس طرح بہانہ جوئی کرتے تا کہ بات ٹل جائے آج بھی اس اسرائیلی خصلت والے لوگ بہت زیادہ ہیں جب ان سے کہا جائے کہ بھائی خمس دے دیں تو کہتے ہیں کس طرح سے دیں مہینے کی پہلی تاریخ کو دیں یا آخری تاریخ کو دیں کس کو دیں؟ کتنا دیں؟......ہزار بہانے کرتے ہیں تا کہ کسی طرح سے جان چھڑائی جائے۔

لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف لکڑی کی مورتیاں توڑیں بلکہ انانیت، جہالت، شک و گمان اور لجاجت کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا، لبادہ عبودیت پہن کر، عبد محض بن کر اپنی اولاد کو لاکر وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا اور نہایت ہی اطمینان اور سکون قلبی کے ساتھ واپس ہوئے یہ نہیں کہا کہ خدایا اس بچے کا کیا بنے گا؟ اس جوان عورت کا کیا بنے گا؟ حالانکہ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم اس دنیا میں رہیں گے تو اپنی اولاد کے پیٹ پالتے رہیں گے اگر خدانخواستہ ہم کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں تو پھر ہماری اولاد کا کیا بنے گا؟ ان کو کون پالے گا؟ یہ فکر اور سوچ شرک خفی ہے یہ بت ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو اپنی اولاد کا رازق سمجھتا ہے جس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

ان سارے بتوں کوتوڑا اگر ابراہیم علیہ السلام کی سیرت اپنانی ہے تو ان سارے بتوں کوتوڑنا پڑے گا جن کواپنے بارے میں رزّاقیت کا گمان ہے یہ دل سے نکالنا پڑے گا وہ خدا جو تمہیں زوجہ اور بچہ دینے پر قادر ہے ان کوروزی دینے پر بھی قادر ہے:

" ...... وَ تَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنونا۔ (۱) " يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيرَ الحَقِّ ظَنَّ الجاهِلِيَّةِ...... "(۲)

''خدا کے بارے میں بدگمانی نہ رکھو بلکہ اللہ پراعتماد کروتوکل کرو''

۹۔ ھاجرہ باعظمت خاتون

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جناب ہاجرہ اگر چہ ایک کنیز تھی لیکن کنیزوں میں بعض اوقات ایسی خصلتیں ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے خاندان میں موجود نہیں ہوتیں۔

جناب ہاجرہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زنجیر پانہیں بنی، وہ وادی غیر ذی ذرع میں تن تنہا سکونت پرراضی ہوگئیں آپ نے یہ نہیں کہا کہ اس صحرا میں ہماری حفاظت کون کرے گا اس شیر خوار کا کیا بنے گا؟

کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہیں بلکہ درندوں سے بچاؤ کے لئے بھی کوئی سہارا نہیں نہایت اطمینان اورخوشی کے ساتھ اپنے شوہر کورخصت کیا اکیلی ہی اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ بیٹھ گئیں وہ اعتقادِ ابراہیم علیہ السلام یہ اعتقادِ ہاجرہ، ان کا سارے کا سارے سرمایہ اللہ پر توکل ہے۔

---

(۱)۔ الاحزاب، آیت ۱۰.

(۲)۔آل عمران، آیت ۱۵٤.

اس لئے تو حاجی کو کہا گیا ہے کہ تمام شرک وکفر کے مظاہر کو اپنے آپ سے دور کر، کفر وشرک کے ظاہری اور باطنی لبادے اتار کر لباس احرام پہن لو اور آؤ کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاؤ لیکن طواف کرتے ہوئے یاد رکھنا کہ صرف کعبہ کی دیوار کے گرد چکر نہیں لگانا بلکہ یہاں مقام ہاجرہ اور مقام اسماعیلؑ بھی ہے اِس بیضوی شکل کے نیم دائرہ کے اندر قدم نہیں رکھنا ورنہ طواف اس کے اندر آجائے گا اگر کسی مجتہد سے اس کا فلسفہ پوچھا جائے کہ میں کعبہ کی دیوار کے ساتھ آرہا تھا لیکن جونہی اس نیم دائرہ (مقام اسماعیلؑ) کے نزدیک آیا حکم خدا کے مطابق اس دیوار سے فاصلہ لے لیا تا کہ یہ نیم دائرہ طواف کے اندر آجائے اس حکم کا فلسفہ کیا ہے؟

فقیہ جواب دے گا اس سے پوچھو کہ جس نے یہ حکم مقرر کیا ہے وہ آپ کو بتائے گا کہ دیکھو اس دیوار کے ساتھ مقام ہاجرہ اور مقام اسماعیلؑ ہے اے حاجی! میں نے تجھے مکہ بلایا ہی اسی لئے تھا کہ مقام ہاجرہ کے گرد چکر لگاؤ اس کو اپنا مطاف قرار دے کر اس کے گرد طواف کرو تا کہ تجھے ہاجرہ کی عظمت کا پتہ چلے وہ باعظمت خاتون کہ جس نے کبھی بھی اپنے شوہر کو راہ خدا میں نکلنے سے نہیں روکا۔ دنیا کی عورتوں کے لئے عبرت ہے کہ کبھی اپنے شوہر کو ضرورت پڑ جائے تو اسے راہ خدا میں جانے سے روکنا نہیں۔

ہاجرہ ایثار، ایمان، اور اعتقاد کا نام ہے، نہ کوئی عزیز ہے نہ کوئی رشتہ دار ہے تن تنہا اللہ پر توکل کر کے اپنے شیر خوار کو اپنی گود میں لئے آرام سے بیٹھی ہوئی ہیں شیر خوار بچہ پیاسا ہو گیا، بھوک کا غلبہ ہوا، دودھ ختم ہے ورنہ دودھ تشنگی اور بھوک دونوں کو مٹا دیتا ہے پانی ہے نہ ہی کھانے کے لئے کچھ ہے جوں جوں وقت گزرتا گیا بچہ کی بھوک اور پیاس میں اضافہ ہوتا گیا لیکن وادی غیر ذی ذرع

کو چھوڑ کر کہیں اور جانا بھی نہیں اس لئے کہ خدا کا حکم یہی تھا بچے پر سختی کا وقت آجاتا ہے بچے کا گلا خشک ہوجاتا ہے ہونٹ خشک ہوجاتے ہیں بچہ نے رونا شروع کردیا لیکن ہونٹ اور گلے کی خشکی اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ اب بچہ سے رویا بھی نہیں جاتا ہے خشکی کے طفیل ایڑیاں رگڑنا شروع کردیتا ہے ماں سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا، پانی کی تلاش میں اٹھ کر دوڑتی ہیں کبھی اس پہاڑی پر جاتی ہیں کبھی اس پہاڑی پر آتی ہیں سات چکر لگا دیتی ہیں یہاں سے آپ کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا فلسفہ بھی معلوم ہوجاتا ہے حاجی کو کہا گیا ہے کہ طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر آجاؤ، ہاجرہ کے نقش قدم پر قدم رکھو، ہاجرہ کی طرح سات چکر لگاؤ تا کہ تجھے معلوم ہوسکے کہ اولاد جب ایڑیاں رگڑ رہی ہوتو وہ خدا کی راہ میں مانع نہ بنیں، اولاد سب کو عزیز ہوتی ہے لیکن اولاد کے ساتھ ایسا رابطہ رکھ جیسا کہ ہاجرہ اور ابراہیم علیہ السلام کا تھا صفا و مروہ ہاجرہ کی یادگار ہے اس کی یادگار میں اسی طرح دوڑ کر ہاجرہ کی یاد تازہ کرو، تا کہ اولاد تمہارے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

۱۰۔ زمزم انسانیت کو سیراب کرنے والا چشمہ

ہاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑتی ہے اور شیر خوار بچہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے جب عبودیت اور بندگی اوج پر پہنچ جائے خدا کے مخلص بندے کے گھر میں جب ایک اولاد جنم لے اور وہ پیاسی ہوجائے، ایڑیاں رگڑنا شروع کردے، اس کے پاؤں کی رگڑ سے زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑے تو ہمیشہ کے لئے یہ انسانیت کو سیراب کرنا شروع کردیتا ہے اگر واقعاً ہاجرہ اور ابراہیم علیہ السلام کی سیرت اپنا لی جائے جو بھی فرزند، اسماعیل کی طرح بنے پھر اس کی ایڑی کے رگڑ سے چشمہ زمزم جاری ہوسکتا ہے اور پوری

انسانیت کو سیراب کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن آج گلی کوچوں میں آوارہ گرد، مفسد، دہشت گرد اس وجہ سے ہیں کہ والدین نے ہاجرہ کے نقش قدم پر چلنا اور ابراہیم علیہ السلام جیسی عبودیت چھوڑ دی ہے آج ہماری اولاد اپنے لئے، گھر کے لئے، والدین کے لئے، پورے معاشرے کے لئے تباہی کا باعث کیوں بنتی ہے؟ اس لئے کہ نہ وہ اعتقاد ابراہیم علیہ السلام ہے اور نہ وہ اسوۂ ہاجرہ ہے جو اپنے آپ کو اپنے بچوں کا رازق سمجھتے ہیں جن کو اپنی رزاقیت اور اپنی خدائی کا گمان ہے تو خود ساختہ خداؤں کے بچوں نے فساد پھیلانے کے علاوہ کچھ کرنا سیکھا ہی نہیں لیکن عباد اللہ کے بچوں کی ایڑیوں کے رگڑنے سے بشریت کے لئے چشمہ حیات پھوٹتا ہے ان کے قلم اور زبان سے نور نکلتا ہے۔

۱۱۔ وارث زمزم کربلا میں

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے وارث تجھ پر سلام ہو تو نے حق وراثت ادا کر دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ہاجرہ اور ایک اسماعیل علیہ السلام کو لیکر نکلے لیکن وارث زمزم نے بنی ہاشم کی ہر ہاجرہ اور ہر اسماعیل علیہ السلام کو جمع کیا اور وادی غیر ذی زرع کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا البتہ اپنے اختیار سے آئے کسی نے مجبور نہیں کیا تھا اس لئے کہ آپ وارث ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راستہ عزت کا راستہ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام، صحرائے کربلا میں آئے جہاں پر نہ بادلوں کا سایہ ہے، نہ درختوں کا فقط سورج کی تمازت ہے اوپر سے دھوپ کی چمک ہے اور نیچے سے صحرا کی تپش ہے وارث ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اس تپتی دھوپ میں خیمے گاڑ دو، یہ نہیں کہا پروردگارا! یہاں تو نہ کوئی سایہ ہے نہ کوئی پانی ہے،

حسین علیہ السلام نے حکم دیا اور جوانوں نے خیمے گاڑ دیئے اگر چہ ساتھ ہی نہر فرات چل رہی تھی لیکن وارث زمزم پر نہر کا پانی بھی بند کر دیا جاتا ہے۔

اب وارث ابراہیم علیہ السلام کا امتحان شروع ہو جاتا ہے حالانکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہو رہا تھا تو ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیر خوار کو اپنی زوجہ کے پاس چھوڑ کے خود چلے جاؤ کہ جب بچہ ایڑیاں رگڑے تو تمہیں دکھائی نہ دے شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام اور منزلت تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کا دل نہ دکھ جائے لیکن وارث ابراہیم علیہ السلام کا امتحان دیکھیئے جب آئے ہاجرہ زمان سے فرمایا: کہ اب اپنا شیر خوار بچہ مجھے دے دیں میں ابھی اسے سیراب کر کے لے آتا ہوں شیر خوار کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا یا، وادی غیر ذی زرع میں لعینوں کے نرغے میں لے گئے، فرمایا: میں وارث ابراہیم علیہ السلام آ گیا ہوں اور یہ وارث اسماعیل علیہ السلام ہے ایک ہاجرہ خیمے میں بیٹھی ہوئی ہے یہ اس کا تشنہ شیر خوار ہے یہ بہت پیاسا ہے اس کے لب خشک ہیں اور اس کا گلا اتنا خشک ہے کہ زبان نہیں چلتی دشمنوں نے کہا: اچھا اس کو سیراب کرنا ہے سیرابی کا جب وقت آ گیا تو عمر بن سعد لعین نے جا کر حرملہ ملعون سے کہا تو بڑا ماہر تیر انداز ہے تیرا تیر کبھی خطا نہیں جاتا وارث ابراہیم علیہ السلام شیر خوار لے کر آیا ہے ذرا اپنی تیر اندازی کا مظاہرہ کر، حرملہ نے تیر اٹھایا اور نشانہ لے کر تیر زمین پر رکھ دیا عمر بن سعد نے کہا: حرملہ تجھے کیا ہوا آج تیرا نشانہ کیوں خطا ہو گیا؟

حرملہ نے کہا اے عمر! ایک منظر دیکھتا ہوں اگر تو بھی دیکھے تو ایسا ہی کرے گا پوچھا وہ کونسا منظر ہے کہا کہ جب نشانہ لیتا ہوں تو در خیمہ پر ایک مستور نظر آتی ہے گویا مجھے یہ کہہ رہی ہے میرا شیر خوار بہت چھوٹا ہے تیرے تیر کی انی بہت بڑی ہے تیر نہ چلانا، عمر سعد نے کہا حرملہ جلدی کر

وارث زمزم کربلا میں

علی اصغر ہمارے لشکر کو شکست دے رہے ہیں حرملہ نے تیر چلایا، تیر لگنا تھا کہ شیر خوار نے ایڑیاں رگڑنا شروع کر دیں۔ اے ابراہیم علیہ السلام کے وارث! جب اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے تھے تو چشمہ زمزم نکلا اور شیر خوار سیراب ہو گیا لیکن جب وارث زمزم کے شیر خوار ایڑیاں رگڑ رہے تھے تو زمزم کے بجائے خون کا چشمہ امام حسین علیہ السلام کے دست مبارک پہ بہہ نکلتا ہے اس زمزم خون کو حسین علیہ السلام نے اپنے چلو میں لے کر فرمایا: اے اللہ شاہد رہنا تیرے رسول کی اُمت نے یہ خون بہا دیا۔

۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

انبیاء علیہم السلام مورث ہیں ان کا ارث اور ترکہ، ہدایت، اصول، اقدار، اور ان کی پاک سیرتیں اور اعمال ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیّبہ میں سے ایک عمل قربانی ہے امام حسین علیہ السلام نے یہ عمل ارث میں پایا اور اپنے عروج تک پہنچایا۔

۱۳۔ وارثانہ رویّہ اور غاصبانہ رویّہ

بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کا اصلی مفہوم اور صحیح معنی کچھ اور ہے لیکن عام استعمال میں ان کو کچھ اور رنگ دے دیا گیا ہے ہر چیز کا دو طرح سے استعمال ہوتا ہے وارثانہ استعمال اور غاصبانہ استعمال، غاصبانہ استعمال کرنے والے کی غرض صرف فائدے اٹھانا ہے جبکہ اصل چیز اور اس کے مقصد سے اُسے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی مثلاً آپ کو ارث میں والد مرحوم کی گاڑی مل گئی آپ اس کے مالک ہیں لہٰذا آپ بہت اچھے طریقے سے اس کی حفاظت کریں گے لیکن اگر کسی نے گاڑی

چرالی تو وہ گاڑی کا غاصب ہے اب وہ غاصبانہ استعمال کرتا ہے نہ تیل کا خیال رکھتا ہے نہ پہیے کا اور نہ ہی انجن کا، اس کو صرف یہ گاڑی چلانا ہے جب تک یہ چلتی رہے گی تو اس کے پاس رہے گی جب بیکار ہو جائے گی تو اسے کہیں پھینک دے گا جبکہ وارثانہ استعمال میں استعمال کرنے والے کو اصل چیز سے بڑی ہمدردی ہوتی ہے اس کے مقاصد کو مدنظر رکھتا ہے بعض اوقات والد مرحوم کی گاڑی کو یادگار کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔

قربانی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے معنی غاصبانہ ہاتھوں سے گزر کر ہم تک پہنچے ہیں غاصبوں نے قربانی کی شکل اور مفہوم کو بگاڑ دیا ہے قربانی کا اصلی چہرہ مسخ کر دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ عمل غاصبانہ ہاتھوں میں استعمال نہ ہوتا تو اتنا بگڑا ہوا ہم تک نہ پہنچتا، اگر قربانی کا حقیقی تصور وارثوں کے ہاتھوں ہم تک پہنچتا تو یہ دین اتنا مسخ نہ ہوتا۔

کسی کے ساتھ ہمارا جھگڑا نہیں ہے خدا ایک ہے، رسول ﷺ ایک ہے، قرآن ایک ہے اس قرآن کے کچھ غاصب ہیں اور کچھ وارث ہیں اسی طرح کل دین کے کچھ وارث ہیں اور کچھ غاصب لہٰذا غاصب اور وارث کی پہچان ضروری ہے یہ لازم نہیں جو چیز جس کے ہاتھ میں ہو اس کا مالک اور وارث بھی ہو، ورنہ جو طاقتور ہوگا وہ ساری چیزیں اپنے ہاتھ میں لے لے گا پھر اپنے آپ کو ان کا مالک سمجھے گا یہ تو وہی فرعونی قانون ہے جس کا تعارف قرآن کریم نے یوں کروایا:

"قَد اَفلَحَ الیَومَ مَنِ استَعلیٰ" (۱) "جو بھی برتر اور طاقتور ہے وہی کامیاب ہے"

---

(۱)۔ طٰہٰ، آیت ٦٤۔

یہ وہی قانون ہے جس کو ہم اپنی زبان میں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا نام دیتے ہیں یہ تو عدالت نہیں اگر اسلام، قرآن، دین وقربانی عملی طور پر کسی کے ہاتھ میں ہے تو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ غاصبانہ طور پر لیا ہے یا وارثانہ طور پر لیا ہے۔

ہر چیز کو اپنے وارثوں سے لینا چاہیے تا کہ یہ سمجھ آسکے کہ ہم نے اسے غاصبانہ طور پر لیا ہے یا وارثانہ طور پر لیا ہے اسی طرح قربانی ایک عمل کا نام ہے جسے اپنے حقیقی وارث سے لینا چاہیے کہ قربانی کیسی ہوتی ہے وارث قربانی کا حقیقی چہرہ اور شکل آپ کو بتائے گا وارث کو ہمدردی ہوتی ہے لہٰذا کبھی بھی اس کے چہرے کو مسخ نہیں ہونے دیتا، اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے جبکہ غاصب کو صرف فائدے اُٹھانے ہیں جب تک فائدہ ملتا رہے گا قربانی، قربانی کرتا رہے گا۔

۱٤۔ عیدِ قربان کا فلسفہ

قربانی کا مفہوم اتنا بگڑ گیا جس کی وجہ سے عید قربان بھی اپنا مفہوم کھو بیٹھی عید قربان کا رائج تصور یہ ہے کہ جس میں بھیڑ، بکریاں ذبح ہوتی ہیں لوگ گوشت کھاتے کھلاتے ہیں جبکہ عید الفطر، رمضان المبارک کے بعد آتی ہے اس میں گوشت وغیرہ نہیں ہوتا یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ عید قربان غاصبوں کے ہاتھوں سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے اس لئے تو اس کا تعارف گوشت کے نام سے کروایا جا رہا ہوتا ہے۔

آج مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ لاکھوں جانوروں کو ایک گھنٹے یا دو گھنٹے میں ذبح کر ڈالنا یہ تو اسراف ہے، سارا گوشت ضائع ہو رہا ہے اتنا گوشت سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں، لہٰذا منیٰ میں سارا

گوشت جلایا جاتا ہے یا دفن کیا جاتا ہے اس اسراف سے بچنے کے لئے ہمارے بعض علما کا فتویٰ ہے کہ منیٰ میں قربانی کرنے کے بجائے حاجی کو چاہیئے کہ قربانی کی رقم اپنے گھر میں چھوڑ دے پھر منیٰ میں جب قربانی کا موقع آجائے تو اپنے گھر والوں کو اطلاع دے دے تا کہ وہ اس کی طرف سے اپنے گھر میں قربانی کر دیں اور گوشت ضائع ہونے سے بچ جائے اس لئے کہ یہاں تو فقیر زیادہ ہیں گوشت کو فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے۔

دیکھئے کہ قربانی کا ایک مقصد ہے اور بہت سارے فائدے ہیں ان فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ گوشت کسی فقیر کے پیٹ میں چلا جائے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ قربانی کی کھالوں سے پیسہ جمع کر کے کسی رفاہی کام میں لگایا جائے اور بھی بہت سارے فائدے ہو سکتے ہیں جبکہ قربانی کا مقصد تقرب الی اللہ ہے منیٰ میں جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار میں جس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے قریب ہوئے حاجی بھی بکرا ذبح کر کے اللہ کے قریب ہوتا ہے اور یہ مقصد حاجی کے لئے صرف منیٰ میں حاصل ہوسکتا ہے گھر میں دنبہ ذبح کرنے سے حاجی کے ذہن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد نہیں آتی ہے لہٰذا ہمارے بعض علماء کو قربانی کے مقصد اور فوائد میں فرق واضح نہیں ہوا، ہوسکتا ہے کہ منیٰ میں قربانی کرنے سے وہ سارے فائدے حاصل نہ ہوں لیکن اصل مقصد ضرور حاصل ہوتا ہے۔

۱۵۔ قربانی کا اصلی مفہوم اور مقصد

قربانی کے وارثوں سے اگر قربانی کے معنی کے متعلق پوچھا جائے تو فرمائیں گے:

" الصّلوۃ قُربانُ کلِّ تَقِیّ...... " (۱)

'' نماز ہر متقی کے لئے قربانی ہے''

ہم نے تو سوچا تھا کہ صرف جانور ذبح کرنا قربانی ہے تو نماز کیسے قربانی ہے؟ قربانی کے معنی کیا ہیں؟ قربان عربی کلمہ ہے جو لفظ '' قرب " کے خاندان سے ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں تو قربان کے معنی بھی قرابت اور نزدیکی کے ہیں آپ جب نماز پڑھتے ہیں تو نماز کے اندر نیت کرنا ضروری ہے ورنہ نماز باطل ہے نیت سے مراد یہ ہے کہ میں یہ نماز " قربةً الی اللّٰہ " یعنی اللہ کے تقرب کے لئے، اللہ کے ساتھ اپنا فاصلہ کم کرنے کے لئے پڑھ رہا ہوں تو جو چیز بھی انسان کو اللہ سے نزدیک کرے وہ انسان کی قربانی ہے۔

'' الصّلوۃ قربان'' نماز قربانی ہے، روزہ قربانی ہے، زکوٰۃ وخمس سب اعمال صالحہ جو انسان کو اللہ سے قریب کر دیتے ہیں انسان کی قربانیاں ہیں۔ ان اعمال میں سے ایک عمل حج میں جانور ذبح کرنا ہے اگر یہ عمل بھی اللہ کے ساتھ فاصلے کم کر دے تو یہ قربانی ہے ورنہ صرف جانور کا سر کاٹنا تو قربانی نہیں ہے جانوروں کے سر تو روزانہ کاٹ دیئے جاتے ہیں لیکن وہ قربانیاں نہیں ہیں پس قربانی کا اصلی مفہوم جانور کا سر کاٹنا نہیں حاجی کو منیٰ پہ بلایا گیا اس لئے کہ اے حاجی! تو خدا سے بہت دور کھڑا تھا آج قربان گاہ پہ آئے ہو، بکرے یا دُنبے کا سر کاٹ دو اور یہ کام " قربةً اِلی اللّٰـہ " انجام دو تا کہ یہ تیری قربانی ہو جائے اس لئے کہ اس عمل سے انسان خدا کا مقرب بندہ بن جاتا ہے

---

(۱)۔ نهج البلاغه، حکمت ۱۳٦۔

بلکہ حج کا ہر عمل قربانی ہے احرام باندھنا، طواف کرنا، سعی کرنا، رمی جمرات کرنا...... یہ سب قربانیاں ہیں اس لئے کہ ان سب میں نیت شرط ہے جو بھی عمل قصد قربت سے انجام دیا جائے وہ عمل انسان کی قربانی ہے لیکن عید کے دن سرزمین منیٰ پر ہی اگر ہزار جانوروں کے سر کسی اور نیت سے کاٹے جائیں مثلاً اس لئے کہ لوگ کہہ دیں کہ بڑا سخی انسان ہے تو یہ قربانیاں نہیں ہیں بلکہ ایسے اعمال تو اللہ سے اور بھی دور کرتے ہیں پس منیٰ میں جانور قربان نہیں ہوتے بلکہ جانور کے اوپر جو عمل قصد قربت کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے وہ تیرا عمل ہی تیری قربانی ہے یہاں سے قربانی کے فوائد اور مقصد میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے اگر قربانی بے مقصد ہو جائے، فوائد اس کے ہوں یا نہ ہو ں قربانی نہیں ہے اگر فائدے حاصل نہ بھی ہوں لیکن مقصد حاصل ہو جائے تو یہ قربانی ہے۔ یہاں سے حج پہ جانے کا فلسفہ بھی ذہن میں آتا ہے حج کا ہر عمل کسی کی یادگار ہے ہمیں تو حج پہ اس لئے ہی بلایا جاتا ہے تاکہ وہاں کی کچھ یادیں ہمارے ذہنوں میں تازہ ہو جائیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج حج کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے اگرچہ حج سے فوائد تو سب اُٹھا رہے ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں سے کافر زیادہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں امریکی اور جاپانی کمپنیاں سب سے زیادہ حج سے فائدے اُٹھا رہی ہیں ان کمپنیوں نے حج کو سب سے بڑی تجارتی منڈی میں تبدیل کر دیا ہے

حدیث میں بھی آیا ہے:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: میری اُمت کے تین گروہ کثرت سے حج ادا کریں گے۔

۱۔ سرمایہ دار سیر و تفریح کے لئے۔

۲۔ متوسط گھرانے تجارت کے لئے۔

۳۔ فقیر لوگ نام نمود کے لئے حج کریں گے۔تا کہ ان کو حاجی صاحب کہا جائے۔ (۱)
یہ سارے فائدے تو وہی ہیں جو حج سے لئے جا رہے ہیں لیکن حج کا مقصد بہت ہی کم لوگ حاصل کر رہے ہوتے ہیں حج کے اعمال سے اگر انسان قربت خدا حاصل کر سکے شرک و کفر کے تمام بتوں کو توڑ دے تو گویا حج کا مقصد حاصل ہو گیا مقامات مقدسہ، مکہ، مدینہ، کربلا، نجف، سامرہ، کاظمین، قم اور مشہد...... کے اندر کچھ یادگاریں ہیں جب تک ان یادگاروں کے قریب نہ آئیں تو کچھ یاد نہیں آتا قریب آ کر یہ یادگاریں تمہارے ذہن میں آسکتی ہیں لہٰذا ان یادگاروں میں سے ایک یادگار عمل قربانی ہے اس عمل کو ہر سال دہراتے رہو جیسے سانس آپ لے رہے ہیں ایک دفعہ لے لیا تو کافی نہیں بلکہ اسے دہراتے رہو ورنہ اگر دہرانا بند کر دیا تو سمجھ لو کہ زندگی کا آخری لحظہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جگہ جگہ آیتیں تکرار کیوں ہوئی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ سانس لینے میں تکرار کیوں کرتے ہو؟ کھانا تکراراً کیوں کھاتے ہو؟ ایک دفعہ زندگی میں کھانا کھانا کیوں کافی نہیں ہے؟ لہٰذا اگر بعض چیزیں تکرار ہوتی ہیں تو ان کی حکمت یہ ہے کہ جب تک ان کو دہرایا نہ جائے انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے قربانی کا عمل بار بار دہرانا چاہیے اگر دہرایا نہ گیا تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا بشریت اگر زندہ ہے تو قربانیوں کے طفیل زندہ ہے۔

---

(۱)۔ وسائل الشیعة، ص۳٤۹ ''......وعندها حجّ اغنياء امّتى للنزهة،ويحجّ اوسطها للتّجارة ويحجّ فقراؤهم للرّياء والسّمعة......''

۱۶۔ ابراھیمؑ دشوارترین امتحان میں

حضرت ابراہیمؑ کی سیرت اور زندگی امتحانات سے بھری پڑی ہے آتش نمرود میں کود پڑے، بت گری، بت سازی اور بت پرستی کا خاتمہ کیا اپنے شیرخوار کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے گئے ان ساری آزمائشوں میں پورے اترے، یہ ساری آزمائشیں آپ کی قربانیاں تھیں آپؑ نے وہ سب کے سب اعمال خدا کے قریب ہونے کیلئے انجام دیئے تھے لیکن اب سب سے بڑی قربانی پیش کرنا باقی ہے جب انسان قربانیاں کر کے اپنے اور خدا کے درمیان سارے فاصلے ہٹا دیتا ہے تو ایک چیز پھر انسان کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے وہ غیر اللہ کے ساتھ انسان کی محبت ہے غیر اللہ میں سب سے محبوب ترین چیز اولاد ہے جب شیر خوار کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ گئے تو ابراہیمؑ کے ذہن میں یہ تھا کہ اللہ کریم ہے ان شاء اللہ بچائے گا اللہ نے بیٹے کو بچالیا جب بیٹا جوان ہو گیا تو حکم ہوا، اے ابراہیمؑ اپنے پیارے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ذبح کرو یہ ایسی قربانی ہے جو تمہیں اللہ سے اتنا قریب کرے گی کہ تیرے اور خدا کے درمیان سارے فاصلے مٹ جائیں گے۔

یہ کام نمرود کے بت کدہ کے بتوں کو توڑنے اور آتش نمرود میں کود جانے سے زیادہ سخت ہے اب سب سے بڑی مورتی توڑنے کا وقت آ گیا ہے وہ سب سے بڑی مورتی غیر اللہ کے ساتھ محبت ہے اے ابراہیمؑ اب پتہ چلے گا کہ یہ دل صرف خدا کے لئے ہے یا اس میں غیر خدا کے لئے بھی شائبہ ہے حضرت ابراہیمؑ کو جب فرمان مل گیا تو بیٹے سے فرمایا:

"...... یٰا بُنَیَّ اِنِّی اَرٰیٰ فِی المَنَامِ اَنِّی اَذبَحُكَ فَانظُر مَاذَا تَرٰیٰ......" (۱)

یہاں پر باپ اور بیٹے کے درمیان رابطہ دیکھئے حضرت ابراہیمؑ نے یہ نہیں کہا کہ اب مجھے ذبح کرنا ہی ہے تو بیٹے کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ فرمایا: بیٹے میری رائے تو یہ ہے مجھے دکھایا گیا کہ میں تیری گردن کاٹ رہا ہوں بتا تیری رائے کیا ہے؟ بیٹے نے کہا:

"......یَااَبَتِ افعَل مَا تُؤمَرُ سَتَجِدُ نِی اِن شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِینَ " (۲)

حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو اپنے ساتھ لیا، بیٹے کی ماں سے خدا حافظی کروائی، چھری ہاتھ میں لیکر اپنے پیارے بیٹے کو سرزمین قربان گاہ پر لے آئے یعنی وہ سرزمین جس سے قربت خدا حاصل ہوتی ہے بیٹے کو لٹایا، لٹانے کے بعد چھری اُٹھا کر اس کی گردن پر رکھ دی:

"فَلَمَّا أَسلَمَا وَتَلَّهُ لِلجَبِینِ ۔ وَنَادَینَاهُ اَن یَا اِبرَاهِیم ۔ قَد صَدَّقتَ الرُّءِ یَا ......"(۳)

اے ابراہیمؑ! مقصود اسماعیلؑ کی گردن کاٹنا نہیں تھا مقصد، بیٹے پر چھری چلانا نہیں تھا بلکہ بیٹے کی محبت پر چھری چلانا مقصود تھا ہمیں تیری قربانی مقصود تھی تیری قربانی ہوگئی تو قریب ہوگیا اب معلوم ہوگیا کہ تیرے دل میں خدا کے علاوہ کسی کی محبت موجود نہیں تو سب سے پیاری چیز اولاد سے دستبردار ہو کر اُسے اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے یہ تیری قربانی ہے۔

قربانی کا تصور ہر مکتب میں پایا جاتا ہے اہل اسلام، ہندو، سکھ، بدھ مت اور بت پرست سب قربانیاں کرتے تھے اور ابھی بھی کرتے رہتے ہیں بتوں کے لئے بھی بڑی قربانیاں کی جاتی

(۱، ۲، ۳)۔ الصّافات، آیت ۱۰۲ تا ۱۰۵.

تھیں جاہلیت کے زمانے میں کعبہ کے گرد جانور کاٹے جاتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کی دیواروں سے ملا کرتے تھے جو خون زیادہ دیر تک رہتا تو کہتے تھے کہ قربانی قبول ہوگئی جو خون جلدی خشک ہو کر ختم ہو جاتا تھا کہتے تھے کہ قربانی قبول نہیں ہوئی اس تصور کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی:

''لَن یَنَالَ اللّٰہَ لُحُومُھَا وَلَادِمَآؤُھَا وَلٰکِن یَنَالُہُ التَّقویٰ مِنکُم......''(۱)

قربانی کا صحیح تصور وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا جسے سید الشہداءؑ نے ارث میں پایا اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ قیمتی چیز قربان کی جائے جب کہ آج اللہ کی راہ میں سب سے ناکارہ مال پیش کیا جاتا ہے۔

یہاں پر ایک چشم دید واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے ایک دفعہ ایک صاحب اپنے بیٹے کو مدرسہ میں پڑھنے کے لئے لے آئے اور کہنے لگے میں نے اسے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے تاکہ علوم اہل بیتؑ حاصل کر لے اور عالم دین بن جائے مدرسہ کے سرپرست نے پوچھا کہ بتایئے کہ آپ کے بیٹے کی تعلیم کیا ہے؟ ہمارے مدرسے کی تو کچھ شرائط ہیں باپ کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے ناراض ہو کر کہنے لگا مولانا صاحب اگر میرا یہ بیٹا اسکول پڑھ سکتا، اگر امتحانوں میں فیل نہ ہوتا تو پھر کیوں مدرسہ لے آتا انہوں نے مزید کہا میں نے اسے اسکول میں داخل کرایا لیکن نہیں پڑھا میں نے اسے کام سکھانے کے لئے بھیجا اس نے نہیں سیکھا فلاں شخص کے پاس بھیجا کہ اس کو کوئی ہنر سکھاؤ لیکن نہ سیکھ سکا یہ عجیب لڑکا ہے نہ تو اس کا ذہن کام کرتا ہے نہ اس کی عقل

(۱)۔ الحج، آیت ۳۷.

کام کرتی ہے نہ ہی یہ میری بات سنتا ہے اس لئے تو آپ کے پاس لے آیا ہوں مقام فکر ہے یہ باپ ایسی اولاد خدا کی راہ میں دے رہا ہے اگر یہ مدرسہ میں چند دن ٹھہرے بھی، یہ بے عقل اور بے خرد جب دین کا لباس پہن کر آ جائے گا تو بے عقلی اور بے خردی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرے گا یہ تو اہل بیتؑ کے علوم کی جڑیں کاٹنے کے لئے ایسی اولاد تم بھیج رہے ہو!اسکول کا معمولی سا سلیبس جو انسانوں کا لکھا ہوا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کیسے اس کی سمجھ میں آئے گی؟اگر خدا کی راہ میں قربانی دینی ہے تو ایسی چیز کی قربانی دو جو آپ کی سب سے پیاری اور عزیز ہے وہ بچہ جو اسکول ٹاپ کرتا ہے وہ کیوں مدرسہ نہیں آتا؟ یہ جو سارے میدانوں میں ناکام ہے یہ جس کے اعضاء بھی سالم نہیں یہ جس کا کردار بھی صحیح نہیں، اس کو علوم اہل بیتؑ کے لئے وقف کر دیا ہے!؟

۱۸۔ وارث اسماعیلؑ کی قربانی

السّلام علیك یا وارث ابراهیم خلیل الله

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ (۱)

امام حسینؑ وارث ابراہیمؑ ہیں آپ نے حضرت ابراہیمؑ سے قربانی سیکھی آپ نے

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ۳۵۵.

قربانی کو اپنے عروج پر پہنچایا آپ جب مکہ آئے تو دیکھا کہ اُمت نے احرام حج باندھا ہوا ہے لیکن حج ابراہیمی نہیں کر رہے تھے لہٰذا آپ نے دستور دیا کہ احرام کھول دیں اور میرے ساتھ آجائیں میں تمہیں حج ابراہیمی کا طریقہ سکھا دوں گا لیکن جنہوں نے قربانی کا مفہوم غاصبوں سے لیا تھا وارث سے کہا جا ہم تیرے ساتھ نہیں جا سکتے ہم قربانی کرنا خود جانتے ہیں ہم نے بکرے دُنبے خریدے ہوئے ہیں منیٰ جا کر ذبح کر کے قربانی کریں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے اُنہیں سمجھایا اب اس قربانی کا وقت نہیں ہے اس قربانی سے حج نہیں بچے گا حج بچتا قربانیوں سے ہے اور حج کی ادائیگی کے لئے بھی قربانی دینے کی ضرورت ہے لیکن وہ قربانیاں جو حج کی ادائیگی کے لئے ہیں وہ جانوروں کی قربانیاں ہیں وہ قربانیاں جن سے حج بچایا جاتا ہے وہ اولاد اور بیٹوں کی قربانیاں ہیں لہٰذا امام حسین علیہ السلام بھیڑ، بکریوں کی قربان گاہ منیٰ سے نکل کر عشّاق کے گرنے کی سرزمین کربلا تشریف لے گئے تا کہ قیامت تک قربانی کا ایک ایسا نمونہ قائم کریں کہ جب بھی حج کو خطرہ پڑ جائے وہ اسے بچاتا رہے گا اس لئے تو عرفہ کے دن (۹ ذی الحجہ) امام حسین علیہ السلام کی زیارت پڑھنا مستحب مؤکد ہے اگر نزدیک سے توفیق نصیب نہ بھی ہو تو دور سے ہی زیارت وارثہ پڑھنی چاہیے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے انسان حج کے لئے عرفہ اور منیٰ میں پہنچ جائے لیکن قربانی کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آئے لہٰذا پہلے کربلا جاؤ، امام حسین علیہ السلام سے قربانی کا طریقہ سیکھو پھر اگلے سال منیٰ جا کر قربانی کرو، یوں تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قربانی کسے کہتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام وارث ابراہیم علیہ السلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے کو خدا کی راہ

میں پیش کیا لیکن خدا کو اسماعیل علیہ السلام کا ذبح ہونا پسند نہیں تھا لہٰذا ایک جانور آ گیا اسماعیل علیہ السلام بچ گئے اور وہ جانور ذبح ہو گیا اب مقتل کربلا پر وارث ابراہیم علیہ السلام کی قربانی دیکھیئے جب سرزمین عشاق پر آ کر اپنی قربانی پیش کی تو یوں نہیں تھا کہ چھری خود باپ کے ہاتھ میں ہو اور بیٹا باپ کے سامنے لیٹا ہو اور بیٹا یہ کہے کہ اے ابا جان چھری چلا دو جب باپ چھری چلائے گا تو بیٹا سمجھ کر چلائے گا ممکن ہے بہت آرام سے اس طرح چھری چلائے کہ بیٹے کو تکلیف نہ ہونے پائے کہا جاتا ہے کہ حضرت براہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے تھے اور اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھی ہوئی تھی۔

وارث ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیئے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کڑیل جوان کو مقتل کی طرف روانہ کیا خدا کی راہ میں خوبصورت ترین، حسین ترین مخلوق کو انتخاب کیا شبیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارث اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا اور فرمایا: خدایا شاہد رہنا سب سے عزیز ترین چیز کو پیش کر رہا ہوں جب مجھے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی خواہش ہوتی تو اسی کو دیکھ لیا کرتا اب میں اس کو تیری بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں اب یہ قربانی جارہی ہے امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں پر پٹی بھی نہیں چھری بھی باپ کے ہاتھ میں نہیں تا کہ آرام سے چلاتے، بلکہ تلوار تو ظالم دشمن خدا کے ہاتھوں میں ہے جب یہ قربانی ان ظالموں کے سامنے پہنچی تو نہایت بے دردی سے وارث اسماعیل علیہ السلام علی اکبر علیہ السلام کے بدن کو ٹکرے ٹکرے کر دیا۔

اے وارث ابراہیم خلیل ؑ اللہ تجھ پر سلام

السلام علیک یا وارث موسی کلیم اللہ

پانچویں فصل

۵

حسینؑ وارث موسیٰؑ کلیم اللہ

۱۔ بشریت کو درپیش خطرات

الف۔ فرعونی دور کی خصوصیات

ب۔ کسی مذہب کو قبول کرنے کی علامتیں

ج۔ فرعونیت سبطیوں کی نسل کشی کا دور

د۔ قبطی اور سبطی، نظامِ فرعونیت کو قبول کرنے والے

و۔ جاہلیت میں لڑکیوں کا قتل عام

۲۔ مرد اور عورت میں تفریق کی حکمت

۳۔ دور حاضر میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا قتل عام

۴۔ فرعونی نظام کے آثار

۵۔ خول میں گھسنا نجات کا راستہ نہیں

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بشریت کے نجات دہندہ

۷۔ بشریت کو نجات دینے میں خواتین کا کردار

۸۔ حسین علیہ السلام بشریت کی نجات کے وارث

۹۔ امام سجاد علیہ السلام میراث امام حسین علیہ السلام کے محافظ

۱۔ بشریت کو درپیش خطرات

الف ۔ فرعونی دور کی خصوصیات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دہندہ بنا کر جس دور میں مبعوث کیا اس زمانے کا نام فرعونیت کا دور ہے اس لئے کہ اس زمانے میں معاشرِے کے اندر فرعونی اقدار اور فرعونی تفکر حاکم تھا فرعون ایک شخص کا نام نہیں بلکہ فرعونیت ایک مذہب، مسلک اور ایک طرز تفکر ہے جس کا پروردگار خود شخص فرعون ہے فرعونیت ایک پورا نظام ہے اور اس نظام کے کچھ اصول اور اقدار ہیں جن کو فرعونی اقدار کا نام دیا جاتا ہے یہ نظام کسی بھی زمانے میں اپنی اقدار لے کر آ سکتا ہے قارونیت، نمرودیت اور فرعونیت یہ طرز تفکر ہیں اس طرز تفکر کے حامل اور حامی لوگ ہر زمانے میں موجود ہیں سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی موجود رہیں گے۔

فرعونیت کی اقداراوراصول میں سے سب سے **پہلی اصل** یہ ہے کہ فرعون لوگوں سے کہتا رہتا ہے:

" ......أَنَا رَبُّكُمُ الأَعلىٰ " (۱) "میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں"

یعنی میں تمہاری ربوبیت اور تربیت کرنے والا ہوں فرعونیت ایک ایسا غیر محسوس اور نقاب پوش مذہب ہے کہ اس کی زبان پر کچھ اور اس کے عمل میں کچھ اور ہے اس کی زبان پر " أنا ربّكم الأعلىٰ " میں تمہیں پالنے والا ہوں لیکن اس کا عمل اس کے کلمات اور اس کے موقف کا حامی نہیں ہوتا۔

فرعونیت کے اصول میں سے **دوسری اصل** یہ ہے کہ وہ بچوں کا قتل عام کرتے تھے لڑکوں کو ذبح کرتے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے:

" وَاِذنَجَّيناكُم مِّن آلِ فِرعَونَ يَسُومُونَكُم سُوءَ العَذابِ يُذَبِّحُونَ اَبنائَكُم وَيَستَحيُونَ نِسائَكُم وَفِى ذالِكُم بَلاءٌ مِّن رَّبِّكُم عَظِيمٌ " (۲)

تیسری اصل یہ ہے کہ جو بھی سب سے زیادہ طاقتور ہے وہی سب کچھ ہے یہ وہی تفکر ہے جسے محاوراتی زبان میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کہا جاتا ہے قرآن کریم میں بھی اس اصل کی طرف اشارہ ہے: " قَد اَفلَحَ اليَومَ مَنِ استَعلىٰ " (۳)

---

(۱)۔ النازعات، آیت ۲٤ ۔

(۲)۔ البقرہ، آیت ٤۹ ۔

(۳)۔ طه ، آیت ٦٤۔

جو سب سے برتر اور طاقتور ہے وہی کامیاب ہے ان اصول کے باوجود لوگوں نے فرعونی مذہب ومسلک کو قبول کیا ہوا تھا اور سختی سے اس پر کاربند بھی تھے۔

ب. کسی مذهب کو قبول کرنے کی علامتیں

کسی مذہب یا مسلک کو قبول کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ زبان سے اس کا اعتراف کرلیا جائے بلکہ کسی مذہب کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی کچھ علامتیں اور کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہی ہے کہ زبان سے اقرار کر کے اسے تسلیم کیا جائے مثلاً ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور اپنی زبان پر کلمہ شہادت بھی جاری کرتے ہیں بلکہ تین شہادتیں پڑھتے ہیں شہادت توحید، شہادت رسالت اور شہادت ولایت کے بعد ہمارا مذہب سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے زبان سے کچھ بھی نہ کہیں لیکن عمل میں اس مذہب پر کاربند رہیں اس نظام کے اندر خاموشی سے زندگی بسر کرنا، اس کے خلاف زبان نہ کھولنا یہ اس نظام کو تسلیم کرنے کے برابر ہے مثلاً ہمارے ملک میں اس وقت کئی نظام موجود ہیں جن میں سے بعض کو تسلیم کرتے ہوئے زبان سے بھی ہم ان کا اعتراف کرتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ زبان سے اعتراف نہیں کرتے جیسے ہمارے ملک کے اندر ٹریفک کے جو قوانین ہیں ہم سب ان کو تسلیم کرتے ہیں اپنے عمل کے ذریعے ان کا احترام کرتے ہیں جب سگنل پر جاتے ہیں تو گاڑی روک دیتے ہیں ہم خاموشی سے ان سارے قوانین کو مانتے ہیں یہ ہمارا عمل بتا رہا ہے کہ ہم ان پر راضی ہیں اگر چہ زبان سے کچھ بھی نہ

کہیں، کسی بھی نظام میں خاموشی سے زندگی بسر کرنا اور عملاً اپنی رضایت ظاہر کرنا اس نظام کا عملی اعتراف ہے اس لئے زیارت وارثہ میں دوقوموں پرلعنت کی گئی ہے

"لعن اللّٰہ امّة قتلتك ولعن اللّٰہ امّة ظلمتك

ولعن اللّٰہ امّة سمعت بذالك فرضيت به......" (۱)

خدا لعنت کرے اس قوم پرجس نے آپ کوقتل کیااور خدا لعنت کرے اس قوم پربھی جب اُنہوں نے آپ کی شہادت کی خبرسنی تو خاموش تماشائی بن کراس پرراضی ہوئے یہ لوگ بھی قتل میں شریک ہیں اور مجرم بھی ہیں۔

ظالم کو جو نہ روکے وہ شامل ہے ظلم میں

قاتل کو جو نہ ٹوکے وہ قاتل کے ساتھ ہے (۲)

ج۔ فرعونیّت سبطیوں کی نسل کشی کا دور

فرعون نے اپنی ربوبیت کا اعلان کیا تھا سرعام لوگوں سے کہتا کہ میں تمہارا پالنے والا ہوں تمہاری تعلیم وتربیت کے اسباب فراہم کرنے والا ہوں لیکن عمل میں ان کی تربیت وپرورش کے بجائے ان کی نسلوں کو مٹانے کے درپے تھاجب کہ آج ہمارے ملک کے اندر بھی جو تعلیمی نظام

---

(۱)۔مفاتیح الجنان، زیارت وارث۔

(۲)۔ کلیات،ساحرلدھیانوی۔ قال امام رضا لوانّ رجلاً قتل بالمشرق فرضی رجل قتله بالمغرب لکان الرّاضی عند اللّٰہعزّوجلّ شریك القتل۔ وسائل الشیعه ، ج۱٦ ، ابواب الامر و النهی باب ٥، حدیث ٤

متعارف کروا کر لاگو کیا گیا ہے تعلیمی منصوبے، تعلیمی ادارے کچھ دنیاوی تعلیم کے نام پر اور کچھ دینی تعلیم کے نام پر بنائے گئے ہیں ان کی زبان پر یہی ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا ہے لیکن یہ تو عمل سے پتہ چلے گا کہ آیا تربیت کر رہے ہیں یا نسل بشری کو مٹا رہے ہیں فرعون بھی تو یہی کہتا تھا کہ میں تمہیں تربیت دینے والا ہوں لیکن عمل میں ان کی نسل کشی میں مصروف تھا جب فرعون کو کاہنوں اور نجومیوں نے خبر دی کہ ایک سبطی کے ہاتھوں تیری سلطنت کا خاتمہ ہونے والا ہے عنقریب سبطیوں کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر تیرے نظام کا انکار کر کے تجھے پروردگار نہیں مانے گا۔

د۔ قبطی اور سبطی ،نظام فرعونیّت کو قبول کرنے والے

فرعونیت کے دور میں مصر کے اندر دو قومیں آباد تھیں قبطی اور سبطی، قبطی وہ لوگ تھے جن کا سلسلۂ نسب فرعون کی نسل سے جا ملتا تھا یہ لوگ فرعون کے ہم قبیلہ تھے سبطی وہ لوگ تھے جن کا سلسلۂ نسب انبیاءؑ سے جا ملتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام ان کے آباواجداد تھے ان کو اس لئے سبطی (۱) کہا جاتا ہے کہ انبیاءؑ کے نواسے تھے۔

---

(۱)۔ کلمہ اسباط قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی نواسے کے ہیں اسی وجہ سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو بھی سبطین کہا جاتا ہے یعنی رسول اللہ کے دونواسے۔ "اَم تَقُولُونَ اِنَّ اِبراھِیم وَ اِسمٰاعِیلَ وَ اِسحاقَ وَ یَعقُوبَ وَالاَسباطَ کَانُوا ھُوداً اَوْنَصارٰیٰ......" (البقرہ، آیت، ۱۴۰)

سبطی اس زمانے کے سادات تھے آج کل ہم بھی نبی کریم ﷺ کی اولاد کو سید کہتے ہیں اس زمانے میں انبیاءؑ کی اولاد کو سبطی کہا جاتا تھا فرعونیت کا دور تھا لہٰذا ان دو قبیلوں کے ساتھ الگ الگ برتاؤ کیا جاتا تھا قبطی اس زمانے کے سردار، رؤسا، سرمایہ دار اور حاکم طبقہ تھا سبطی مزدور نوکر، ستم رسیدہ اور مستضعف طبقہ تھا ان دونوں قبیلوں نے فرعونی نظام کو قبول کر لیا تھا قبطیوں نے فرعون کی ربوبیت کو اس لئے مان لیا تھا چونکہ فرعون ان ہی کے قبیلے کا تھا ان کو بڑی مراعات حاصل تھیں لہٰذا علی الاعلان اس کی ربوبیت کا اعتراف کرتے تھے سبطی باوجود اس کے کہ فرعون کی ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتے تھے لیکن اس نظام کے اندر خاموشی سے زندگی بسر کر رہے تھے ان کے مظالم کو سہہ رہے تھے ان کے سارے قوانین کو تسلیم کئے ہوئے تھے ان کا یہ عمل سب کچھ بتا رہا تھا کہ فرعونیت پر راضی تھے لہٰذا خاموش تماشائی بن کر آرام سے رہ رہے تھے۔

فرعون نے نسل سبطی کو مٹانے کا ارادہ کیا اس نے حکم دیا کہ سبطیوں کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کیا جائے اس حکم کے اجرا کے لئے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی گئیں افراد چنے گئے جن کو تنخواہیں ملتی تھیں وہ جا کر سبطیوں کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے:

"...... يُذَبِّحُونَ اَبنائَكُم وَ يَستَحيُونَ نِسائَكُم......" (۱)

اس آیت شریفہ کا ظاہری ترجمہ تو یہی ہے کہ وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے یعنی فرعون کے دہشت گرد دستے، گلی گلی، گھر گھر جا کر تلاشی لیتے تھے کہ اگر

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ۴۹۔

کہیں اولاد انبیاءؑ (سبطیوں) کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو لڑکے کا ماں کے سامنے سر قلم کرتے اور اس کا سر اُٹھا کر اپنے محکمہ والوں کو بتاتے کہ یہ گلا ہم نے کاٹ دیا اگر بچی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ چھوڑ دیتے اس لئے کہ بتانے والوں نے بتایا تھا کہ تیری سلطنت کا تختہ الٹنے والا ایک مرد ہوگا۔

دیکھئے یہ ایک محاوراتی زبان ہے یہ ایک کنایہ ہے یہ بہت ہی مؤدبانہ کلام ہے خداوند تعالیٰ ان کو بتانا چاہتا ہے کہ تم نہایت ہی تنگ آور زندگی بسر کر رہے تھے فرعونی نظام تمہارے لئے سنگین ترین نظام تھا جس میں تمہارے مردوں کو ذبح کیا جا رہا تھا اور تمہاری عورتیں کو زندہ رکھا جا رہا تھا عورتیں زندہ رکھنا یہ دائرہ ادب کے اندر ایک کنایہ ہے کہ تم اتنے بے غیرت ہو گئے تھے کہ انہیں تمہاری عورتوں سے دلچسپی تھی وہ تمہاری عورتوں سے رغبت رکھتے تھے وہ تمہاری ناموس اور تمہاری غیرت سے کھیلنا چاہتے تھے صرف یہ نہیں تھا کہ ان کو صرف بچوں سے خطرہ تھا بچیاں ان کے لئے بے خطر تھیں بلکہ بچیاں ان کو پسند تھیں اس لئے انہیں زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

ادب قرآن کریم سے سیکھئے قرآن کریم نہایت ہی ادیبانہ کلام ہے انسان بھی جب بات کرے تو اسے ادب کا خیال رکھنا چاہیے مولانا روم فرماتے ہیں:

از خدا جوییم توفیق ادب

بی ادب محروم گشت از لطف ربّ

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش درھمہ آفاق زد (۱)

---

(۱)۔ مثنوی معنوی، دفتر اول، ص ۳۸۔

مولانا روم خدا سے دعا مانگتے ہیں خدایا مجھے ادب عطا فرما اس لئے کہ بے ادب ہر چیز سے محروم ہوتا ہے بے ادب نہ صرف اپنے اوپر ظلم روا رکھتا ہے بلکہ پوری دنیا کو آگ میں جلا دیتا ہے۔

۹. جاھلیت میں لڑکیوں کا قتل عام

اسلام آنے سے پہلے جاہلیت کے دور میں، جاہل عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کیا کرتے تھے اگر چہ یہ ایک قبیلہ کا رواج تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ رواج پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔

نتیجه

فرعونیت اور جاہلیت کے دور میں لڑکوں اور لڑکیوں سے جو سلوک ہو رہا تھا اس کا حتمی نتیجہ بشریت کا خاتمہ تھا اس لئے کہ فرعونیت کے دور میں لڑکوں کو ذبح کیا جا رہا تھا اور جاہلیت کے دور میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جا رہا تھا۔

اگر چہ ان دو نظاموں میں سے ہر ایک تنہا بھی بشریت کے خاتمہ کے لئے کافی تھا اس لئے کہ نسل بشر تو صرف لڑکوں یا صرف لڑکیوں سے نہیں چلتی بلکہ نسل بشر کے لئے مرد اور عورتوں دونوں کا وجود ضروری ہے۔

۲. مرد اور عورت میں تفریق کی حکمت

یہ جو عورت و مرد کا امتزاج ہے ایک وجود کو خدا نے عورت بنا دیا دوسرے کو مرد بنا دیا اس وجہ سے نہیں کہ انسانیت کے اندر خدا نے کوئی تفریق رکھ دی یا خداوند تعالیٰ نے (معاذ اللہ) نا انصافی سے کوئی

کام لیا کہ ایک کو قوی دوسرے کو ضعیف بنا دیا ایک کو حاکم دوسرے کو محکوم، ایک کو غالب دوسرے کو مغلوب بنا دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے دونوں کو انسان بنا دیا انسان بنانے کے بعد ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنا دیا تا کہ نسل انسانی آگے بڑھ سکے مرد کو قوت اس لئے نہیں دی کہ عورت کو اپنی مردانگی دکھائے یا اُس پر اپنا زور آزمائے عورت کو مردانگی دکھانا مردانگی نہیں ہوتی بلکہ اگر مردانگی دکھانا ہے تو فرعونوں، خونخواروں اور ستمگروں کے مقابلے میں آ کر دکھانی چاہیے۔

خداوند عالم نے عورتوں کو کمزور اور احساساتی اس لئے نہیں بنایا کہ مرد کے مظالم اور زیادتیاں برداشت کرتی رہیں ان کے اندر جذبات وعواطف اور رحم وشفقت اس لئے نہیں ڈالی کہ یہ مردوں کی نوکرانیاں بن کر رہیں بلکہ خدا نے اپنی حکمت اور قدرت سے ان دونوں کو ایسا اس لئے بنایا کہ مرد اپنی قدرت سے اور عورت اپنی شفقت کے ذریعے سے دونوں ملکر نسل انسانی کو وجود میں لائیں اور نسل انسانی کی تربیت کر سکیں یہ دونوں خدا کی ربوبیت کا نمونہ ہیں دونوں کو الگ الگ وسائل تربیت عطا کر دیئے مرد کو توانائی دی عورت کو احساسات وعواطف دیئے تا کہ یہ قدرت اور یہ احساسات دونوں مل کر ایک انسان کو پرورش دے سکیں ایک انسان کو پال کر اس کو رشد ونمود دے سکیں۔

۳. دور حاضر میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا قتل عام

اسلام سے پہلے عورتوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا اور فرعون کے زمانے میں لڑکوں کے گلے کاٹ دیئے جاتے تھے یہ دونوں جاہلانہ اور فرعونی نظام ہیں دورِ حاضر میں یہ دونوں نظام موجود ہیں عورتوں کو زندہ

درگور کیا جاتا ہے اور لڑکوں کے گلے کاٹے جا رہے ہیں۔

اس سے مراد وہ گروہ نہیں جو بچوں کو پکڑ کر ان کے اعضاء کی تجارت کرتے ہیں بعض جو بچوں کو اغوا کر کے ان کے اعضاء، دل، گردے، آنکھ وغیرہ نکال کر ہسپتالوں میں بیچ دیتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ نظام اور ماحول ہے جس کے تحت ہم رہ رہے ہیں ہم دو حالت سے خالی نہیں یا قبطیوں کی طرح رہ رہے ہیں یعنی زبان سے اعتراف کر رہے ہیں کہ ہاں یہی ہمارے رب ہیں یا ہماری حالت سبطیوں جیسی ہے کہ اپنی خاموشی سے ان کی ربوبیت کا اعتراف کر رہے ہیں۔

قبطی وہ ہیں جو زبان سے کہہ دیں کہ تم ہی ہمارے رب ہو سبطی اس کو کہتے ہیں جو خاموش تماشائی بنا رہے اس کے خلاف عمل نہ کرے یہ سبطی کردار ہے اور وہ قبطی کردار ہے کیا آج یہ ماحول اور یہ نظام ہماری اولاد کو ذبح نہیں کر رہا؟ کیا آج ان سے شرم و حیا چھینی نہیں جا رہی ہے؟

اگر اُنہوں نے ان کے بدن کے گلے کاٹے تھے تو آج کی تہذیب اور کلچر (Culture) نے ان کی روح کے گلے کاٹ دیئے آج کے جوانوں کو دیکھئے آیا حقیقتاً یہ زندہ جوان ہیں؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہ جوان زندہ ہیں یا یہ مقتول ہیں؟ نظام فرعونی اور نظام جاہلیت کے ہاتھوں لڑکوں اور لڑکیوں کا قتل عام کیا گیا تو آج گلیوں، کوچوں اور سڑکوں پر کروڑوں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی روح مر چکی ہے کبھی نظام تعلیم کے نام پر، کبھی نظام تربیت کے نام پر، کبھی کسی دوسرے نام پر ان کی روح ماردی گئی ہے صاحبان اقتدار انہیں کہتے ہیں:

"......أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ" "میں تمہارا رب ہوں"

ہم تمہارے رب ہیں ہم صاحبان قدرت و اقتدار ہیں ہمارا نظام چلے گا اور ہم نے ان کے

نظام پر سبطیوں کی طرح خاموشی اختیار کر لی اور اپنی اولاد کو فرعون زمانہ کے سپرد کر دیا فرعون زمانہ نے ان کے بدن کا گلا تو نہیں کاٹا لیکن ان کی روح کا گلا کاٹ دیا ہے۔

اس نظام نے حیا کا عنصر مار دیا اس نظام نے غیرت کا مادہ مار دیا اس نظام کو لوگوں کی عورتوں سے بڑی دلچسپی ہے اس نظام کو مرے ہوئے مردوں اور زندہ عورتوں سے بڑی دلچسپی ہے آج جو کچھ گلیوں اور سڑکوں پر نظر آتا ہے یہ چلتی پھرتی لاشیں ہیں مردے صرف وہ نہیں ہوتے جو قبرستانوں میں دفن ہوئے ہیں امیر المؤمنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ: ''اگر مردوں کو دیکھنا ہے تو یہ نہ دیکھو کہ عمودی شکل میں ہے یا افقی شکل میں ہے بلکہ یہ دیکھو کہ اس کے اندر روح بھی موجود ہے یا موجود نہیں اگر روح نہ ہو تو وہ مردہ ہے خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو''

اس فرعونی نظام نے انسانیت کا قتل عام کیا اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ اس نظام کے اندر رہ کر ہم اپنی نسل کو بچالیں گے یہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ گھر بچوں کے لئے بہت چھوٹی جگہ ہے بچہ اس سے کہیں وسیع محل میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس نظام کے اندر سانس لے رہا ہے۔

ہمارے بچے اسکول جاتے ہیں یا باہر کہیں فنکشن (Function) پر جاتے ہیں، گلیوں میں آتے ہیں یا بازاروں میں جاتے ہیں یا کھیل کود کے میدانوں میں جاتے ہیں تو وہ اپنی ماں سے زیادہ یہاں پر سیکھتے ہیں بچہ گھر میں کچھ نہیں سیکھتا گلیوں میں سیکھتا ہے بچہ باہر سے سب کچھ سیکھتا ہے آج کل تو اُنہوں نے بچوں کا گلیوں اور بازاروں میں آنے کا بھی انتظار نہیں کیا بلکہ جو کچھ گلیوں اور بازاروں میں تھا وہ سارا اُٹھا کر گھروں کے اندر پیش کر دیا ہے۔

آج کونسا گھر ہے جس میں ٹی۔وی (TV) نہیں چلتا، آج سبطیوں، اولادانبیاءؑ اور اولاد رسول اللہ ﷺ یعنی سادات کا کونسا گھر ہے جس میں نظام فرعونی کی تار نہ پہنچی ہوئی ہو موجودہ فرعونی نظام کی کیبل تاریں اس نظام فرعون کی چھریاں ہیں:

" یُذَبِّحُونَ اَبنائَکُم وَیَستَحیُونَ نِسائَکُم ......" (۱)

جس سے تمہارے بچوں کو ذبح کیا جارہا ہے! تمہاری عورتوں اور تمہاری غیرت سے کھیلنے کے لئے یہ سارا سامان تمہارے گھر میں پہنچا دیا نظام فرعونی جب کسی کی رگ رگ میں چلا جائے جب گھر گھر تک جا پہنچے جب فضا اور زمین سے ہوتا ہوا کھڑکیوں اور دروازوں کے راستے بیڈروم (Bedroom) میں پہنچ جائے تو پھر اس نسل کو بچانا ممکن نہیں اولا د رسول اللہؐ میں اگر کوئی ایسا گھر ہو کہ جس کے اندر فرعونی نظام کا یہ آلہ قتل نہ پہنچا ہو تو گویا اس نے وراثت حسینؑ سے کچھ نہ کچھ ضرور لیا ہے۔

٤۔ فرعونی نظام کے آثار

اگر فرعونی نظام اور نظام جاہلیت عرب کے آثار دیکھنے ہیں تو زمین کی کھدائی سے معلوم ہو جائیں گے وہی بچے جو فرعون نے قتل کئے اور وہی بچے جو ابوجہل اور ابولہب کے نظام نے قتل کئے اور جن کے بارے میں خدا نے کہا کہ جب ان کو اُٹھایا جائے گا تو ان سے پوچھا جائے گا:

---

(۱)۔ البقرہ، آیت ٤٩۔

''بِأَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت'' (۱)

''کس جرم میں مارے گئے''

اگر فرعونی دور کے مقتول بچے اور دور جاہلیت کی ساری مقتول بچیوں کو شمار کیا جائے تو شاید ان کی تعداد دس ہزار تک بھی نہ پہنچے لیکن موجودہ صدی کے فرعونی نظام کے مقتول بچوں کو جب اُٹھایا جائے گا تو ان کی تعداد کروڑوں اور اربوں تک پہنچ جائے گی۔ تو کیا خدا نہیں پوچھے گا:

''بِأَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت'' کس جرم میں ان کی حیا، ان کی غیرت اور شجاعت کو مار دیا گیا یہ قتل عام کس جرم میں ہوا یہ خواتین اور مردوں کی روحیں کس جرم میں ماری گئیں؟

آج سبطیوں اور اولاد نبی ﷺ یا غیر سبطیوں کے گھرانے دیکھیں آیا ایسا کوئی گھرانہ ہے جس میں ڈش نہ لگی ہوئی ہو یہ میراث فرعون ہے جس کے ذریعے سے اولاد کا قتل عام ہو رہا ہے افسوس کی بات ہے کہ اپنی اولاد کی ہلاکت کا نظام خود اُٹھا کر اپنے گھر لے آتے ہیں چونکہ خود بھی مردہ ہیں اولاد بھی مردہ ہے مرے ہوئے کو مرے ہوئے کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب حقیقت میں کوئی زندہ انسان ایسے گھر میں آجائے تو اس کو احساس ہوگا کہ گویا وہ قبرستان میں آگیا ہے۔

دیکھئے ہم اپنے مردوں کو سیدھی قبر بنا کے اس میں ڈال دیتے ہیں بعض لوگ گڑھا کھود کے اس میں مردہ کھڑا کر دیتے ہیں مسیحیت میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو زمین میں دفن نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسا تابوت بنواتے ہیں کلیسا کے اندر لگی ہوئی الماریوں میں سیدھا کھڑا کر دیتے

---

(۱)۔ التکویر، آیت ۹۔

ہیں اور جب بھی اپنے مردے کو دیکھنا ہوتا ہے وہ الماری کھول کے اس کو دیکھتے ہیں۔

آج کل ہمارے شہر، ہمارے محلے، گلیاں اور فلیٹ کلیسائی قبرستان کا منظر پیش کرر ہے ہیں بلکہ سارے کے سارے قبرستان ہی قبرستان ہیں ان میں سب مردے لیٹے ہوئے ہیں خاک کے ڈھیروں پر لیٹے ہوئے مردوں میں بعض متقی اور پرہیز گار لوگ بھی ہیں ان کلیسائی قبرستانوں میں بسنے والے سارے کے سارے ملک میں موجود فرعونی نظام کے ہاتھوں قتل عام ہو چکے ہیں اس قبرستان کے مردے کہیں زیادہ بدترین حالت میں ہیں جبکہ ہم قبرستان جا کر قبروں پر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں حالانکہ فاتحہ کے زیادہ مستحق یہ کلیسائی قبرستان ہیں تو ان شیشوں میں بند مردوں کے لئے بھی فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

۵۔ خول میں گھسنا نجات کا راستہ نہیں

فاسد نظام کے اندر خاموشی سے زندگی بسر کرنا اس کے خلاف اعتراض نہ کرنا اور کچھوا بن کے چھپ جانے سے انسان محفوظ نہیں رہتا کچھوے کے بدن کے اوپر ایک خول ہوتا ہے عام حالات میں وہ خول سے گردن باہر نکال کر چلتا ہے لیکن جونہی تھوڑا سا خطرہ محسوس ہو تو فوراً گردن کو خول کے اندر لے جاتا ہے وہ خول کے اندر جا کر یہی سمجھتا ہے ساری دنیا میں امن وامان ہے چونکہ اس کے اوپر محفوظ خول ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو بڑا محفوظ سمجھتا ہے جب سمندر میں اس کا شکاری سے سامنا ہوتا ہے اس وقت وہ گردن نکال کر تیر رہا ہوتا ہے جوں ہی جال میں پھنستا ہے اس سے رہائی کے لئے پہلا کام یہ کرتا ہے کہ گردن اپنے خول کے اندر لے جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اب کوئی خطرہ

نہیں، امن وامان ہے میں بڑا محفوظ ہوں ادھر سے شکاری اپنے جال کو سمیٹ کر جب اس کو کشتی کے عرشہ میں لے آتا ہے اس کو پنجرے میں بند کرتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ خول کے اندر جانے سے کوئی محفوظ نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس فرعونی ماحول میں رہ کر جہاں ہزاروں شکاری اپنے اپنے جالوں کو لگائے بیٹھے ہیں مذہب کے شکاری، غیرت کے شکاری، روح وایمان کے شکاری، امامت وعزاداری کے شکاری کمین گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں ایسے میں خول میں گھس کر یہ گمان نہ کرنا کہ ہر جگہ پرامن وامان ہے اور ہم محفوظ ہیں اب کوئی بھی ہماری طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا جس دن پوری دنیا کے بے رحم شکاری تمہیں خول سے باہر نکال کر، کشتیوں کے عرشے پر پہنچا دیتے ہیں تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اس خول نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔

اگر خول میں گھسنے سے انسان بچ سکتا ہوتا تو خدا کو موسیٰ علیہ السلام بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی، سبطیوں سے کہہ دیتا کہ اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، باہر نہ نکلنا تم محفوظ ہو ساری دنیا میں امن وامان ہے لیکن خداوند تعالیٰ کو ان خولوں کے باوجود ضرورت پڑی کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نبرد آزمائی اور اُمت کی نجات کے لئے روانہ کیا جائے اس لئے کہ یہ خول کافی نہیں ہیں گزشتہ ساری بحث کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کو نہ بھیجتا تو اب تک بشریت ان فرعونوں، ابوجہلوں، ابولہبوں اور یزیدوں کے ہاتھوں مٹ جاتی، جب بھی فرعونیت اور یزیدیت نے نسل کشی کا بازار گرم کیا تو ادھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور وارث موسیٰ علیہ السلام میدان میں آئے فرعونیت اور یزیدیت سے بشریت کو نجات دلائی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا اس لئے کہ فرعونیت اور

یزیدیت کسی بھی وقت سر اٹھا سکتی ہے لیکن ان سے مقابلہ کے لئے وارث حسین علیہ السلام آگے بڑھیں گے دور حاضر کی فرعونیت اور یزیدیت سے بشریت کو نجات دینا علماء کرام کا کام ہے اس لئے کہ علماء وارث حسینؑ اور وارث انبیاءؑ ہیں علماء وہ ہیں جن کے پاس میراث انبیاء علیہم السلام موجود ہو جو میراث انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ کے لئے دفاع کرتے رہیں ہر وہ شخص جو علماء کے روپ میں ہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ارث میں سے اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، نہ تو وہ عالم کہلانے کا مستحق ہے اور نہ ہی وارث کہلانے کا۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بشریت کے نجات دہندہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشریت کو نجات دی فرعونیت سے ٹکر لی، لیکن یہ سب کچھ آسانی سے انجام نہیں پایا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی مراحل سے گزرنا پڑا، موسیٰ علیہ السلام پیدائش کے مرحلہ میں، بچپنے اور جوانی کے مرحلہ میں، نبوت کے عہدہ پر فائز ہونے کے مرحلے میں، آخر کار فرعون سے نبرد آزما ہونے میں نہایت ہی سخت اور کٹھن حالات سے دوچار ہوئے وارث موسیٰ علیہ السلام بننے کے لئے بھی اس قسم کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور وارث حسین علیہ السلام بننے کے لئے بھی کچھ مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔

۷۔ بشریت کو نجات دینے میں خواتین کا کردار

سبطیوں کے گھر میں فرعونی نظام کے اندر ایک نہایت پاکیزہ ماں کے ہاں بچہ پیدا ہوا فرعونی نظام سے مقابلہ کے لئے مادر موسیٰ علیہ السلام جیسی پاکیزہ مائیں چاہیں، جو اپنی گود میں موسیٰ علیہ السلام کو جنم دیں جن

سے وارث موسیٰ علیہ السلام اور وارث حسین علیہ السلام پیدا ہو سکیں جو کہ فرعونی نظام کی کایا پلٹ دیں، ہر مائی کا لال تو موسیٰ علیہ السلام یا وارث موسیٰ علیہ السلام نہیں بن سکتا ایسی ماں کہ جس سے اگر کہا جائے کہ یہ بڑا بے رحم اور ظالمانہ نظام ہے اس نے ہلاکت کے سارے خنجر تمہارے گھر تک پہنچا دیئے ہیں یہ نظام تمہارے بچے کو ذبح کر ڈالے گا لہٰذا صندوق بناؤ، اپنے ہاتھ سے بچے کو اٹھاؤ اور اس صندوق میں ڈال کر دریا میں پھینک دو، ماں ماں ہے اس کو بچے کی نجات سے محبت ہے جو مائیں اپنے بچوں کی نجات چاہتی ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ نجات کا راستہ کونسا ہے۔

اگر مائیں یہ ایثار نہ دکھائیں تو فرعونی نظام کے اندر رہتے ہوئے اپنے شیر خوار کو سینے سے الگ کر کے دریا میں پھینکنے کے لئے تیار نہیں ہوں گی تو فرعونی نظام کے گماشتے آ کر اس کو قتل کر دیں گے یہ یاد رکھیں کہ بسا اوقات نجات کا راستہ دریا میں پھینکنا ہے مائیں تو یہی کہتی ہیں کہ بچہ میری گود میں رہنا چاہیے میں بچے کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتی ہوں میرا بچہ وہاں پر چلا جائے گا میں یہاں بیٹھ کے روؤں گی میں تو بچے کے بغیر ایک منٹ نہیں رہ سکتی ہوں حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ اپنے بچوں کو فرعونی نظام کے ہاتھوں سپرد کر رہی ہیں فرعونی نظام کا تو کام یہی ہے کہ وہ ان بچوں کو ذبح کریں گے۔

مسلمان مائیں اگر مادر موسیٰ علیہ السلام کو اسوہ قرار دیں تو فرعونیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے فرعونی سلطنت کی کایا پلٹنے کے لئے ہزاروں موسیٰ سامنے آئیں گے غور فرمائیں کہ مادر موسیٰ کیا کرتی ہیں جب ان کو وحی ہوئی:

" وَاَوحَینَا اِلیٰ اُمِ مُوسَیٰٓ أَن اَرضِعِیهِ فَاِذَا خِفتِ عَلَیهِ، فَاَلقِیهِ فِی الیَمّ وَلاَ تَخَافِی وَلاَتحزَنِی اِنَّا رَآدُّوهُ اِلَیكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ المُرسَلِینَ " (۱)

''ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ بچے کو دودھ پلاؤ اگر خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دو لیکن نہ ڈرنے کی ضرورت ہے، نہ غمگین ہونے کی، ہم اسے آپ کے پاس واپس پلٹائیں گے اور اسے مرسلین میں قرار دیں گے''

اس پاکیزہ خاتون نے اپنے ہاتھ سے صندوق بنایا، پھر اپنے شیر خوار کو اس میں ڈال کر اللہ پر توکل کر کے دریا میں ڈال دیا حالانکہ مادر موسیٰ بھی تو نافرمانی کرسکتی تھی، کہہ سکتی تھی کہ میں اپنے بچے کو دریا میں کیسے پھینک دوں یہ تو پھینکتے ہی مرجائے گا لیکن جب خدا نے وحی کی اس نے "امـــنّـــا" کہہ کر تصدیق کی اور بچے کو دریا میں پھینک کر واپس ہوئی جو مائیں اللہ پر توکل کریں، فرعونی نظام میں اپنے بچے کو گلے نہ لگائیں تو خدا بھی انھیں وعدہ دیتا ہے کہ یہ بچہ زندہ تیری طرف دوبارہ پلٹے گا خدا نے مادر موسیٰ سے وعدہ کیا کہ اتنی ہمت اور بہادری تو نے دکھائی ہے تو یہ بچہ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ صحیح وسالم تیری گود میں واپس آئے گا۔

یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کردار ادا کیا اب یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا کردار شروع ہوجاتا ہے موسیٰ علیہ السلام تو ایسے گھر میں پیدا ہوتے ہیں کہ جہاں پر ماں اتنی پاک و پاکیزہ بہن اتنی شجاع اور سمجھدار جو کہ جوان ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے مقصد تک پہنچانے میں مدد کررہی ہے ہمارے یہاں بھی تو لڑکیاں ہیں ان کا لباس، ان کی چال ڈھال، ان کا انداز گفتگو باعث ندامت

---

(۱)۔ القصص، آیت ۷۔

ہے آج کے دور کے سبطیوں کے گھروں میں بھی جوان بیٹیاں موجود ہیں جو ٹی وی، ڈش، کیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنی قیمتی عمر ضائع کر رہی ہوتی ہیں۔

فرعونی نظام سے مقابلے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی طرح لڑکیاں چاہیں جو خواہر موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر چلیں جو موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کریں موسیٰ دریا میں ہیں تو وہ ساحل پہ رہیں، انھیں یہ نہیں کہا کہ دریا میں کود جاؤ، بے شک لڑکیاں ساحل سمندر پہ چلیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کو مدنظر رکھیں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں موسیٰ علیہ السلام دریا میں تیرتے ہوئے دشمن کے گھر جا پہنچے خداوند نے ان کے لئے فرعون کے ہاں اہتمام کیا ہوا تھا۔

خدا کو اگر فرعونی نظام کا خاتمہ کرنا ہو تو بشریت کے نجات دھندہ اور فرعونی نظام کا خاتمہ کرنے والے کو فرعون کے گھر میں پالتا ہے فرعونیت سے مقابلے کے لئے خواتین کا کردار دیکھیے موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے گھر پہنچے تو اب یہاں سے ایک تیسری پاکیزہ خاتون کا کردار شروع ہو جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کے لئے آسیہ جیسی مقدس ترین خاتون بھی چاہیے ایسی پاکیزہ خاتون، جس کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئیں، وہ خاتون ہے جس کی قرآن بھی تحسین کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام بھی تحسین کرتے ہیں آسیہ نے فرعون کا دل نرم کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔

مسلمان خواتین کے لئے آسیہ بنت مزاحم کا کردار ہمیشہ کے لئے نمونہ ہے ہماری بعض خواتین کہتی ہیں کہ ہمارے شوہر ہمیں نماز پڑھنے نہیں دیتے، ہمیں برقعہ پہننے نہیں دیتے، ہمارے شوہر ہمیں نامحرموں کے مجمع میں لے جاتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ اجنبیوں سے ہاتھ ملاؤ، ہم کیا

کریں، ہم تو بے بس ہیں یہ بہانہ نہیں چلے گا اس لئے کہ فرعون سے بُرا شوہر دنیا میں کسی کا نہیں ہوسکتا، فرعون کے گھر میں رہ کر اگر آسیہ جیسی مقدس ترین خاتون عورتوں کے لئے نمونہ اور اسوہ بن سکتی ہیں تو پھر معمولی سے شوہر کے سامنے بھی آسیہ کا کردار اپنایا جاسکتا ہے۔

ان خواتین کے بلند کردار نے موسیٰؑ کو بچالیا اب موسیٰؑ فرعون کے گھر میں ہیں خداوند تعالیٰ کو اپنا وعدہ وفا کرنا تھا بہت جتن کیئے گئے موسیٰؑ نے دودھ نہیں پیا اس لئے کہ خدا نے وعدہ دیا ہے کہ موسیٰ کو اپنی ماں کی گود میں واپس لے آئے گا آخر کار موسیٰؑ کی بہن نے جا کر کہہ دیا کہ ایک خاندان ایسا ہے کہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور بچہ تو دنیا سے چلا گیا ہے اگر اس کی ماں دودھ پلائے شاید یہ بچہ پی لے انھوں نے کہا چلیئے لے آئیں حضرت موسیٰؑ کی بہن دوڑتی ہوئی گئی اور موسیٰؑ کی ماں کو لے آئی ماں نے آ کر اپنے شیر خوار کو اپنے سینے سے لگایا نہایت پیار و محبت کے ساتھ اس کو دودھ دیا حضرت موسیٰؑ نے بھی بڑے آرام سے دودھ پی لیا اب حضرت موسیٰؑ اپنی ماں کی گود میں ہے۔

خدا کا وعدہ سچا ہوا مادر موسیٰؑ کو بھی وعدہ خدا پر پوار ایمان و اعتقاد تھا اب اس نے تصدیق کی اور کہا اگر کوئی خدا پر توکل کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے شیر خوار کو دریا میں ڈال دے تو خدا اس طرح سے اسے واپس پلٹا دیتا ہے اس فرعونی نظام میں موسیٰؑ کی ماں پیار و محبت اور شفقت مادری کی وجہ سے اگر موسیٰؑ کو گلے لگاتی تو آج اس کا سر قلم ہو جاتا لہٰذا اگر اولاد سے محبت کرنی ہے تو فرعونی نظام سے نجات کے راستے ڈھونڈنا چاہیے۔

حضرت موسیٰؑ جوان ہوئے دیکھا کہ سبطیوں کی غیرت سے کھیلا جارہا ہے، ان کی ناموس

برباد کی جارہی ہے، ان کے بیٹوں کو ذبح کیا جارہا ہے آپؑ نے آکر اپنی قوم سے کہا اے ستم دیدہ قوم! اب تمہاری نجات کا وقت آگیا ہے میں تمہیں نجات دوں گا لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نجات دی بشریت کو بچالیا اور فرعونی سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا سرمایہ اور میراث ہے حضرت امام حسین علیہ السلام وارث موسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی بشریت کی نجات کے وارث ہیں۔

۸۔ حسین علیہ السلام بشریت کی نجات کے وارث

بشریت کو وقتاً فوقتاً خطرے لاحق ہوتے رہے فرعونیت سے نجات پانے کے بعد دورِ جاہلیت میں پھر نسل بشری مٹ جانے کے قریب ہوئی ظلمت کے سائے ہر طرف سے چھا گئے تو اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا آپؐ نے لوگوں کو جہالت کی ظلمتوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف بلایا اور انھیں دعوت حیات دی:

"یٰاَیُّھَاالَّذِینَ آمَنُوااستَجِیبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذٰا دَعَاکُم لِمٰا یُحیِیکُم......" (۱)

''اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں ان چیزوں کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے سبب حیات ہیں تو ان کی آواز پر لبیک کہو''۔

اسلام جیسے نجات بخش آئین کے آنے کے بعد لوگوں نے نجات پائی زندہ در گور ہونے والی لڑکیوں نے حیات پائی لیکن نصف صدی گزرنے کے بعد فرعونی نظام پھر دوبارہ شروع ہوگیا ہے

---

(۱)۔ الانفال، آیت ۲٤۔

غیرتی پھر عام ہوگئی پھر لڑکوں اور لڑکیوں کے اندر سے حیا ختم ہونا شروع ہوگئی ان کی روحوں کو مار ڈالنا پھر سے شروع ہوگیا لڑکیوں کی ناموس سے کھیلنا پھر عام ہوگیا۔

یزیدیت اسی فرعونی تفکر کا نیا روپ تھا اور جو کچھ اس وقت سبطیوں کے ساتھ ہو رہا تھا وہی آج بھی ہو رہا ہے لہٰذا اب وارث موسیٰ علیہ السلام میدان میں آئے وارث موسیٰ علیہ السلام کو بہت ہی زیادہ پاکیزہ خاتون نے جنم دیا موسیٰ علیہ السلام کی ماں بڑی معظّمہ خاتون تھی لیکن وارث موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے برابر کی خاتون نہیں تھیں سیدہ نساء العالمین جیسی خاتون نے وارث موسیٰؑ کو جنم دیا لہٰذا اب وارث موسیٰ علیہ السلام آئے فرعونیت اور یزیدیت کو للکارا اور لوگوں سے کہا کہ اب نجات دینا میری باری ہے لیکن فرعون کے زمانے میں فرعونی تفکر اور فرعونی کلچر محدود تھا جبکہ یزید کے زمانے میں فرعونی تفکر اپنے عروج پر ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس راہ میں بڑے بڑے مصائب برداشت کئے، نہ یہ کہ مدارس اور امام بارگاہیں بنا کر فرعونیت کا خاتمہ کر دیا ہو بالکل وہی کام جو آج کل ایک پیش نماز یا مولانا صاحب کر رہے ہوتے ہیں نماز پڑھانا، لوگوں کو مسائل بتانا، نکاح و جنازہ پڑھانا...

ایک عامیانہ تصوّر کے مطابق جب بھی کسی کے ذہن میں کسی نبی کا تصوّر پیدا کرنا ہو تو فوراً اس کے ذہن میں کسی مولانا کی تصویر آجاتی ہے انبیاء علیہم السلام اس طرح نہیں تھے اجرتوں پر نمازیں نہیں پڑھاتے تھے انبیاء علیہم السلام کا کام فقط نکاح و جنازہ پڑھانا نہیں تھا بلکہ انبیاء علیہم السلام کو مصائب بھی اٹھانا پڑتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے در بدری اور جلا وطنی کاٹی، ایک بوڑھے نبی کی بھیڑیں بھی چرانی پڑیں ظالموں سے کچھ مدت کے لئے مخفی بھی رہے، فرعونوں سے نبرد آزمائی بھی کی، دریاؤں میں بھی کودنا پڑا یہ سارے کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشریت کی نجات کے لئے انجام دیئے لیکن پھر بھی جو

حسین علیہ السلام بشریت کی نجات کے وارث

کچھ انجام دیا وہ وارث موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ انجام نہیں دیا اس لئے کہ فرعون نے جو تباہی مچائی تھی وہ یزید اور بنی امیہ کی تباہی سے زیادہ نہیں تھی یزید اور بنی امیہ نے ایسی تباہی مچائی، ماحول کو ایسا شرک آلود کیا تھا کہ جس سے تمام انبیاء علیہم السلام کی زحمتیں برباد ہو رہی تھیں تمام انبیاء علیہم السلام کا قیمتی سرمایہ ضائع ہو رہا تھا۔

لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کے وارث نے اس سے بڑے سمندر میں چھلانگ لگائی اس سے بڑی دربدری برداشت کی بلکہ وہ سارے مصائب جو ہر نبی نے الگ الگ برداشت کئے وارث موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا یکجا برداشت کئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون سے نبرد آزما ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو خداوند نے آپ کو حکم دیا:

"اِذهَب اِلیٰ فَرعَونَ اِنَّهُ طَغیٰ" (۱)

"اے موسیٰ فرعون کی طرف جاؤ اس نے سرکشی اختیار کی ہے"

آپ فقط ایک زوجہ اپنے ساتھ لے کر نکلے راستے میں جاتے ہوئے دونوں کو بھوک اور پیاس لگی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دور سے آگ نظر آرہی ہے اپنی زوجہ سے فرمایا: آپ یہاں رکیں میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں جا کر شاید کچھ حصہ آگ میں سے لے آؤں تا کہ ہم اپنے لئے کچھ سامان حیات فراہم کرلیں اپنے لئے کوئی کھانے پینے کا انتظام کرلیں حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی روشنی کی رہنمائی میں وہاں گئے جب قریب ہوگئے تو آواز آئی اے موسیٰ یہ آگ نہیں

(۱)۔ النازعات، آیت ۱۷۔

''......اِنِّی أَنَا اللّٰهُ رَبُّ العَالَمِینَ '' (۱)

''بیشک میں عالمین کا رب ہوں''

سید الشہداءؑ نے جب امت کی بربادی کو دیکھا جب قوم کے لڑکوں کو اس طرح سے تباہ ہوتے ہوئے دیکھا، قوم کی لڑکیوں اور ان کی ناموس وغیرت سے یزیدیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو اپنی خواتین اور جناب ربابؑ سے یہ نہیں کہا کہ تم یہاں بیٹھو، میں نے کربلا میں آگ دیکھی ہے شاید آگ کا حصہ لے کر آؤں تا کہ ہم کھانے پینے کا کچھ انتظام کر سکیں بلکہ جناب ربابؑ سے فرمایا اس آگ میں آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔

اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعونیت سے نمٹنے کے لئے جو کاروان نجات تشکیل دیا اس میں سارے مرد رکھے تھے لیکن وارث موسیٰؑ نے جب دیکھا کہ فرعون زمان نے سب کچھ تباہ کر دیا، اتنی بے حیائی اور بے غیرتی پھیلا دی کہ نواسہ رسول ﷺ صحراؤں میں ہے دین خطرے میں ہے ان بے حیاؤں اور بے غیرتوں کو حیا اور غیرت نہیں آئی۔

لہٰذا ایسا کاروانِ نجات تشکیل دیا جس میں خواتین نے بھی بڑا کردار ادا کیا جناب ربابؑ اگر چہ بڑی باعظمت خاتون ہیں لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گود کی پلی ہوئی نہیں ہیں اس بربادی اور تباہی سے امت کو وہی خاتون نجات دے سکتی ہیں جو مادر موسیٰؑ سے بہتر ماں کی گود کی پلی ہوں لہٰذا حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا کو بھی ساتھ لیا، نبی زادیوں پر مشتمل کاروانِ

---

(۱)۔ القصص، آیت ۳۰۔

نجات بنا کر کربلا تشریف لے آئے اور فرعونیت کو للکارا کہ جب وارث ہیں تو کسی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ دین اسلام کو مٹا سکے حالانکہ لوگوں نے آپ سے سوال بھی کیا کہ آپ جب جا رہے ہیں تو خواتین کو کیوں لیکر جا رہے ہیں؟ امام حسینؑ سب کے جواب میں یہی فرما رہے تھے:

" الاترون الی الحق لایعمل به والی الباطل لا یتناهی عنه لیرغب المؤمن فی لقاء ربّه حقّاً حقّاً......" (۱)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے رُکا نہیں جا رہا تا کہ مؤمن اپنے رب کی ملاقات کی رغبت پیدا کر سکے"۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ نسل انسانی تباہ ہو رہی ہے نسل انسانی کو نجات دینا ہے جوان بیبیوں کے بغیر ممکن ہی نہیں میں یہ حیا کے پیکر، حیا کے مجسّمے ساتھ لے کر جا رہا ہوں اور بے حیاؤں کو بتا رہا ہوں کہ دیکھو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گود کے پلے ہوئے حیا کے مجسّمے اس لئے بازاروں اور درباروں میں آگئے ہیں تا کہ تمہیں حیا اور پردہ کا پاس ہو جائے، تمہیں غیرت اور زندگی آجائے، نسل انسانی کو بچانے کی تمہیں فکر آجائے افسوس کہ ان بے وفاؤں نے امام حسینؑ کے ساتھ وہی رویّہ اختیار کیا جو امّت موسیٰؑ نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اختیار کیا تھا جب خدا نے فرمایا:

" یَا قَومِ اُدخُلُوا الاَرَضَ المُقَدّسَةَ الَّتِی کَتَبَ اللّٰهُ لَکُم......" (۲)

---

(۱) ۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ، ص۳۵٦۔

(۲)۔ المائده، آیت ۲۱۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت میں آ کر اعلان کیا کہ خدا کی طرف سے یہ فرمان آیا ہے کہ جاؤ اپنے مقدسات کو بچاؤ اپنے مقدس مقامات کو ظالموں سے آزاد کراؤ تو امت نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام !

"......فَاذهَب أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ " (۱)

اے موسیٰ! تو اور تیرا خدا دونوں مل کر جاؤ، دشمنوں سے لڑو، ہم یہاں دریائے نیل کے کنارے ان درختوں کے سایوں میں بیٹھے ہیں جب تم فتح ونصرت کے ساتھ مال غنیمت لے کر واپس آؤ گے تو ہم یہاں تمہارا انتظار کررہے ہوں گے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے فرعونیت کے خلاف تن تنہا لڑنا ارث میں پایا، امّت نے ساتھ دینا چھوڑ دیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا امّت حسین علیہ السلام بجائے اس کے کہ خود امام حسین علیہ السلام سے میراث لیتی، امت موسیٰ علیہ السلام سے میراث پائی وہ امت بھی منتظر تھی اور یہ امّت بھی، جس نے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے منتظر بیٹھی تھی خطوط کا مضمون یہی تھا کہ اے حجت خدا جتنا جلد ہو سکے تشریف لائیے ہم تیری نصرت کے لئے تیار ہیں لیکن جب آئے تو ان بے وفاؤں نے وارث موسیٰ علیہ السلام کو تنہا چھوڑا لہٰذا جب زیارت وارثہ پڑھتے ہو "**السّلام علیك یا وارث موسیٰ کلیم اللّٰه**" تو ساتھ زیر لب یہ بھی کہو اے حسین علیہ السلام تو وارث موسیٰ علیہ السلام ہے تو ہمیں وارث حسین علیہ السلام بننا ہے نہ کہ وارث بنی اسرائیل بننا ہے کوفی وارث بنی اسرائیل تھے منتظر قومیں بنی اسرائیل کی وارث بن جاتی ہیں بنی اسرائیل بھی ایک منتظر قوم تھی اپنے زمانے کی حجت نے جب فرعونیت کے خلاف آواز اٹھائی تو کوفی اور بنی اسرائیل کی

---

(۱) ۔ المائدہ، آیت ۲٤ ۔

میراث والے خاموش بیٹھے رہے لہٰذا ہمیں کوفی اور شامی نہیں بننا بلکہ صرف اور صرف وارث حسین علیہ السلام بننا ہے۔

۹۔ امام سجاد علیہ السلام میراث امام حسین علیہ السلام کے محافظ

امام حسین علیہ السلام وارث موسیٰ علیہ السلام ہیں، امام سجاد علیہ السلام وارث امام حسین علیہ السلام ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیت سے نبرد آزما ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے جہاد کا سامان طلب کرتے ہوئے عرض کیا:

" قَالَ رَبِّ اشْرَح لِی صَدرِی وَیَسّرلِی اَمرِی
وَاحلُل عُقدَۃً مِّن لِّسَانِی یَفقَھُوا قَولِی " (۱)

اے پروردگار! میری زبان کا عقدہ کھول دے میرے سینے کو کشادہ کردے میری زبان اس طرح ہو جائے کہ میری بات سمجھ میں آجائے میرے لئے ایک وزیر اور معاون مقرر فرما، ہارون کو میرا پشتیبان بنادے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ساتھ لڑتے ہوئے بس یہی مانگا کہ ظالموں سے بات کرتے ہوئے میری زبان نہ لڑکھڑائے میرے قدم لڑکھڑا کر پیچھے نہ ہٹیں ایک ایسا وارث بھی دے جو میری میراث اور میری محنت کو ضائع نہ ہونے دے، حسین علیہ السلام وارث موسیٰ علیہ السلام ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہی مانگتے ہیں اے پروردگار! شرح صدر عطا فرما اس زبان میں لڑکھڑاہٹ نہ آئے میری پشت کو مضبوط فرما تا کہ میری بات لوگوں کو سمجھ میں آ جائے، امام سجاد علیہ السلام وارث

(۱) ۔سورہ طہ، آیت ۲۵ تا ۲۸ ۔

امام حسینؑ ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتے ہیں جو موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے کی تھی خدا نے حضرت موسیٰؑ کی ساری دعائیں قبول کر لی اور یہ ساری دعائیں امام حسینؑ اور امام سجادؑ کے حق میں بھی قبول ہوئیں لہٰذا کربلا میں شہداء کی لاشوں کو چھوڑ کر ان کا پیغام لے کر روانہ ہو گئے ان کی میراث کو اگلی نسلوں تک پہنچا دیا امام حسینؑ کی میراث اگر امام سجادؑ اور حضرت زینبؑ کے ذریعہ نہ پہنچتی تو آج ہم وارث حسینؑ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکتے اگر ہم نے اس میراث کو اگلی نسل تک نہیں پہنچایا تو یہ کوفی اور بنی اسرائیلی کردار ہو جائے گا اس میراث کو ضرور اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے لیکن جس طرح آج ہم یہ میراث لے رہے ہیں اور اگلی نسلوں تک پہنچا رہے ہیں کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں اس طرح سے منتقل نہیں ہوئی اس میراث کو منتقل کرنے میں امام سجادؑ کو بہت سختیاں جھیلنا پڑیں گلے میں طوق، ہاتھوں میں رسن، اور پشت پر کوڑوں کے نشان ہیں۔

امام سجادؑ وارث موسیٰؑ ہیں فرعون زمان سے نمٹنے جا رہے ہیں اگرچہ حضرت موسیٰؑ کو بھی فرعونیت سے نبرد آزما ہونے میں بڑی سختیاں اٹھانا پڑیں لیکن حضرت سجادؑ جیسی سختیاں نہیں اٹھائیں، موسیٰؑ کے گلے میں طوق اور ہاتھوں میں رسن نہیں تھے موسیٰؑ زمان گویا عرض کرتے ہیں:

" رَبِّ اشْرَحِ لِي صَدرِي وَيَسِّرلِي اَمرِي وَاحلُل عُقدَةً مِّن لِّسانِي يَفقَهُوا قَولِي"

یعنی حضرت سجادؑ گویا عرض کرتے ہیں اے پروردگار! کربلا سے ہو کر میراث حسینؑ منتقل کرنا سخت ہو گیا ہے میری زبان میں لڑکھڑاہٹ نہ آئے، میرے قدم پیچھے نہ ہٹیں، میری زبان

رکنے نہ پائے یہ طوقِ گردن کہیں مانع نہ بن جائے ، یہ رسن جو میرے ہاتھوں میں ہیں کہیں رکاوٹ نہ بن جائیں اور یہ کوڑے جو برس رہے ہیں کہیں میری زبان کو بند نہ کردیں اللہ تعالیٰ نے امام سجادؑ کے حق میں بھی یہ دعا قبول کرلی لہٰذا ظالموں نے امام مظلوم کے ساتھ جو کچھ بھی کیا لیکن وارث موسیٰؑ کی زبان بند نہ کرسکے زنجیروں میں جکڑے ہوئے امام سجادؑ نے جب کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں فرعونوں کے مدِّ مقابل خطبے دیئے تو یزیدیت اور فرعونیت نے اپنی شکست کا اعتراف کرلیا۔

حضرت امام سجادؑ کی مظلومیت کے لئے بس صرف یہی ایک روایت کافی ہے جب گیارہویں محرم کو کاروان تشکیل دیا گیا تو لعینوں نے حضرت امام سجادؑ سے کہا سجاد اپنی پھوپھیوں سے کہو کہ وہ محملوں پر بیٹھ جائیں کیونکہ ہمیں کوفہ کی جانب چلنا ہے حضرت امام سجادؑ نے نبی زادیوں سے فرمایا: بیبیو! تیار ہوجاؤ ابھی کاروانِ اسارت کو سفر کرنا ہے۔

بیبیوں نے چاہا کہ شہداء کی آخری زیارت کرلی جائے لہٰذا اجازت مل گئی ہر بی بی گئی ایک ایک لاشے کے ساتھ لپٹ گئی کسی بی بی کی گود میں چھوٹا سا لاشہ تھا کسی بی بی نے بغیر سر کے لاشہ اٹھایا ہوا تھا لیکن نہر علقمہ پر ایک لاشہ کو ایک بی بی ڈھونڈ رہی تھی کہ اتنے میں لعینوں نے کاروان کو حرکت کا حکم دیا حضرت سجادؑ نے جب دیکھا کہ بیبیاں لاشوں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں اور ابھی مناسب نہیں کہ انہیں اتنی جلدی لاشوں سے دور کیا جائے ملعون نے کہا کہ سجاد اگر یہ لاشوں کو نہیں چھوڑیں گی تو پھر تیار ہوجاؤ، ملعون نے کوڑا لیا اور وارث حسینؑ پر برسانا شروع کیا سجادؑ کی کمر جھکتی گئی ملعون کوڑے برساتا گیا اتنے میں حضرت زینبؑ نے دیکھا دوڑتی ہوئی آئیں اپنے بیٹے کو گلے

لگالیا اور فرمانے لگیں اے سجادؑ یہ کیا ظلم ہو رہا ہے یہ کیوں کوڑے برسا رہے ہیں؟ حضرت سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: پھوپی اماں، بھیا کی آخری زیارت کر لیجیے، جی بھر کر زیارت کر لو سجاد کوڑے کھاتا رہے گا۔

اے موسیٰ ؑ کلیم اللہ کے وارث تجھ پر سلام ہو

السلام علیک یا وارث عیسیٰ روح اللہ

چھٹی فصل

۶

حسینؑ وارث عیسیٰؑ روح اللہ

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص صفات

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

۳۔ کفر کے خلاف آواز بلند کرنے والے

۴۔ مادرِ عیسیٰ

۵۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا میں تقابل

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدافعِ مادر

۷۔ امام حسین علیہ السلام مدافعِ عصمت

۸۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا امتحان

۹۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا امتحان

۱۰۔ ابن مریم اور ابن زہرا کے معجزاتٍ

۱۱۔ امام حسین علیہ السلام مردہ قوموں کے مسیحا

۱۲۔ کفر امر قلبی یا حسی

۱۳۔ قرآنی مسیح

۱۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا مشترکہ نعرہ

۱۵۔ دمِ مسیح اور احساسِ مسیح میں فرق

۱۶۔ مسیحائے امّت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص صفات

خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ایک مشترک سرمایہ عطا فرمایا ہے جو ہر نبیؑ کے پاس موجود ہے اور وہ سرمایہ دین الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو کچھ مشترک خصوصیات بھی عطا فرمائی ہیں علم، عصمت، عبادت، خوف خدا، بندگی خدا وغیرہ، لیکن ہر نبیؑ کو ایک خاص خصوصیت بھی عطا فرمائی ہے جو اسی نبیؑ کے ساتھ مخصوص ہے اگر دیگر انبیاء علیہم السلام میں موجود بھی ہو تو ایک نبیؑ کے اندر دوسروں سے زیادہ نمایاں ہوئی ہے اور وہ نبی اسی خصوصیت سے معروف بھی ہوتے ہیں اور پہچانے بھی جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو ایسی چند مخصوص خصوصیات کیساتھ یاد کیا گیا ہے از جملہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے یعنی ہر جگہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ فقط یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں تھے چنانچہ والدہ ہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے دیگر انبیاء علیہم السلام کے والدین تھے یعنی ماں باپ دونوں تھے لیکن کسی نبیؑ کو نہ ماں کے عنوان سے اور نہ ہی باپ کے نام سے یاد کیا گیا ہے حضرت نوحؑ کو نوحؑ کہا ہے، ابراہیمؑ

کوابراہیمؑ ،اسماعیلؑ کواسماعیلؑ،موسیٰؑ کوموسیٰؑ اوراسی طرح دیگرتمام انبیاء کرامؑ کوبھی لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کاذکرآتاہےتواس میں ماں کانام ضرورلیاجاتاہے جب کہ دیگرانبیاءؑ کی طرح فقط عیسیٰؑ ہی کہاجاسکتاتھااس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت میں آپ کی ماں کااہم کردارہےیعنی عیسیٰؑ دراصل گواہ عصمت والدہ بھی ہیں عظمت حضرت مریمؑ باعث ہے کہ نبی خدا کے ساتھ آپ کی والدہ کانام بھی لیاجائے چونکہ اس بی بی نے اللہ تعالیٰ سے بہت عظیم مقام پایاہے، عظیم کردار پایاہےاورعظیم فرزند بھی جنم دیاہے۔

دوسری مخصوص صفت حضرت عیسیٰؑ کے لئے قرآن مجید میں یہ ہے کہ عیسیٰؑ آیت خداہیں دیگرانبیاءؑ معجزات لیکرآئے ہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کوبھی آیت کہاگیاہے۔

حضرت عیسیٰؑ کوقرآن نےکلمہ خداکہاہےکہ عیسیٰؑ خداکاکلمہ ہےجومریمؑ کوعطاہواہے کلمہ سےمراد وہ چیز ہے جوکسی دوسری چیزکوظاہرکرےعیسیٰؑ کلمہ خداہیں چونکہ عیسیٰؑ وجودخدا کوظاہرکرتے ہے۔

عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایاکہ مقام شہادت پرفائزہیں:

”...... وَكُنتُ عَلَيهِم شَهِيداً مّادُمتُ فِيهِم فَلَمَّا تَوَفَّيتَنِي

كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِم وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيءٍ شَهِيدٌ“ (۱)

خدایا! جب تک میں اس امت کےاندرتھاتوان کےاوپرگواہ تھااب جب تونےمجھےاٹھالیا

(۱)۔ المائدہ ، آیت۱۱۷۔

حضرت عیسیٰؑ کی مخصوص صفات

ہے تو اب تو ان کے اوپر گواہ اور ناظر ہے ویسے تو ہر نبیؑ امّت کے اعمال کے گواہ ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام گواہوں کے اوپر گواہ ہیں شہادت کے لئے میدان عمل میں حاضر ہونا ضروری ہے تا کہ شاہد ہو سکے اور جس طرح حمل شہادت میں حضور ضروری ہے اسی طرح ادا شہادت کے وقت بھی حضور ضروری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: میں امّت کے اوپر شاہد ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی آغوش مادر میں بات کی، اپنی والدہ کی عصمت کی گواہی دی اپنی نبوت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ خدا نے مجھے کتاب دے کر بھیجا ہے جب تک زندہ ہوں اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرتا رہوں گا۔

جب لوگوں کو حضرت مریم سلام اللہ علیہا جیسی پاکیزہ شخصیت کی گود میں بغیر باپ کے بچہ دیکھ کر تعجب ہوا اور معنی خیز انداز میں پوچھنے لگے! تو جناب مریم سلام اللہ علیہا نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا مقام عصمت پر سوء ظن رکھنے والے کہنے لگے ہم اس سے کیسے بات کریں؟ جو گہوارے میں پڑا ایک بچہ ہے تب حضرت مسیح علیہ السلام نے بولنا شروع کیا اور کہا میں اللہ کا بندہ ہوں، خدا نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اسی نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اللہ نے مجھے مبارک بنایا ہے میں جہاں بھی رہوں بابرکت ہوں، خدا نے مجھے عمر بھر صلاۃ و زکات کا حکم دیا ہے، میں اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا ہوں، مجھے ہرگز سرکش اور شقی نہیں بنایا گیا، سلام ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا جس دن مجھے موت آئے گی اور جس روز میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا امتحان کیا قرآن کا فرمانا ہے کہ مریم سلام اللہ علیہا اس امتحان کے لئے منتخب ہوئی تھیں انہیں اللہ نے اس آزمائش کے لئے چن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخصوص صفات

لیا تھا چنانچہ جب امتحان کا سب سے زیادہ کٹھن مرحلہ آیا یعنی شیر خوار کو لے کر بے دین لوگوں کے سامنے لانا جو مریم سلام اللہ علیہا پر بہتان باندھنے کے لئے تیار بیٹھے تھے حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اے کاش! میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری ہوئی داستان بن گئی ہوتی۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند تعالیٰ نے بہت سارے معجزات عطا فرمائے حضرت مسیح علیہ السلام مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے اور اس میں روح پھونکتے تو وہ اذن الٰہی سے جیتا جاگتا واقعی پرندہ بن جاتا، اللہ تعالیٰ کے اذن سے مادر زاد اندھوں کو بینائی اور بصارت عطا کرتے ،کوڑھی کا علاج کر کے صحت یاب کردیتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مردے میں خدا کے اذن سے جان ڈال دیتے ،اسے حکم دیتے'' قُم بِاذنِ اللّٰہ ''اور وہ کھڑا ہو جاتا۔

۳۔ کفر کے خلاف آواز بلند کرنے والے

قرآن مجید میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں خداوند سبحان نے فرمایا کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے معاشرے میں لوگوں کی جانب سے کفر محسوس کیا تو اس کے خلاف آواز اٹھائی اور قیام کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اکٹھا کر کے اعلان کیا کہ لوگو! معاشرے میں کفر و شرک عام ہو چکا ہے اور محسوس حد تک بڑھ گیا ہے اب خاموش بیٹھنا جائز نہیں ہے میں کفر و شرک کے خلاف مبارزہ کرنا چاہتا ہوں تم میں سے کون ہے جو اس راہ میں میرا حامی و ناصر ہو، تب حواریوں نے پکار کر کہا ہم اس راہ میں

آپ کے ناصر ہیں ہم انصار اللہ ہیں ہم کفر وشرک کے خلاف مبارزہ میں آپ کے ساتھی ہیں ایک گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا وہ اللہ کے انصار بنے لیکن دوسرے گروہ نے مکر وحیلہ سے کام لیا اور مسیح علیہ السلام کو دشمن کے نرغے میں دینے کے لئے منصوبے بنانے لگے لیکن خود مکرِ خدا کا شکار ہوئے جو عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ دے کر دشمن کے سپرد کرنے گئے تھے حکمت الٰہی سے وہی اس کا شکار ہوئے اور خیانت کاروں کو سولی پر لٹکا دیا گیا اس گمان کے ساتھ کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

٤۔ مادرِ عیسیٰؑ

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام وارث انبیاء علیہم السلام ہیں، وارث عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی ہیں حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے اس وقت نام نہاد دین کے ٹھیکداروں کی جانب سے بہت دکھ اٹھائے جنھوں نے معابد پر قبضہ کیا ہوا تھا اور لوگوں کو یہودیت کی تحریف شدہ تعلیمات سے گمراہ کررہے تھے اپنے ہاتھ سے من گھڑت باتیں لکھ کر خدا کی طرف منسوب کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے روگردانی کرکے خود ساختہ افکار ورسومات کی ترویج کرتے تھے حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے اپنے پاکیزہ کردار کے ذریعے ان کے اعمال کو سوالیہ نشان بنا دیا لوگوں کی توجّہ ان بڑے بڑے کاہنوں اور نام نہاد مذہبی وڈیروں سے ہٹ کر ایک بچی کی طہارت وپاکیزگی پر مرکوز ہونے لگی، لوگ اپنے درددکھ اور ضرورتیں وحاجتیں لے کر مریم سلام اللہ علیہا کے پاس آتے، حضرت مریم سلام اللہ علیہا دعا کرتیں انہیں شفاء مل جاتی جس کی وجہ سے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے متعلق ان کے دل میں کینہ ونفرت پید ہونے لگی اور آخر ایک دن انہیں یہ موقع مل گیا اور مریم سلام اللہ علیہا کو خوب رُلایا۔

۵۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا میں تقابل

مادرِ حسین علیہ السلام حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ہیں سید الشہداء علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وراثت میں سب سے پہلے ایک پاکیزہ کردار کی حامل والدہ کو پایا جو عصمت وطہارت ،شرف ،کمال ،پاکیزگی اور وقار میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے بڑھ کر ہیں اگر مادرِ عیسیٰ علیہ السلام کی تکریم حضرت ذکریا علیہ السلام جیسے نبی کرتے تھے تو مادرِ حسین علیہ السلام کی تکریم اشرف الانبیاء علیہم السلام کرتے تھے مادرِ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی اور اللہ کی طرف سے فرشتے اترتے تھے تو مادرِ حسین علیہ السلام پر بھی فرشتے نازل ہوتے بلکہ ملائکہ اذن لے کر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔

مقام مریم سلام اللہ علیہا دیکھ کر یہود کے بڑے بڑے دعویٰ رکھنے والے حسد کی آگ میں جل جاتے تھے مادرِ حسین علیہ السلام کا مقام واحترام بھی بہت سوں کو حسد کی بھٹی میں جلا رہا تھا جس طرح مادرِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کینہ ونفرت کو نام نہاد مذہبی کاہنوں نے آشکار کر دیا اور پاک ومعصومہ مریم سلام اللہ علیہا پر تہمت لگائی مادرِ حسین علیہ السلام کے متعلق بھی بعض نام نہاد مسلمانوں نے اپنی دشمنی کو آشکار کر دیا مادرِ عیسیٰ علیہ السلام نے فقط زخمِ زبان کھائے تھے جبکہ مادرِ حسین علیہ السلام نے زخمِ زبان کے ساتھ ساتھ بدن پر بھی زخم کھائے ہیں حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا اور ہمیشہ کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مذکور ہو گئیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حسین علیہ السلام کو جنم دیا اور ہمیشہ کے لئے نامِ حسین علیہ السلام کا حصہ بن گئیں اگر عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی عصمت ،طہارت اور پاکیزگی کی گواہی ہیں تو حسین علیہ السلام اپنی ماں کی عصمت، طہارت، پاکیزگی مظلومیت ،عظمت ،تربیت اور مبارزات کی لازوال نشانی ہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مریم ازیك نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سه نسبت حضرت زهرا (س) عزیز
نورچشم رحمةللعالمین
آن امام اولین و آخرین
بانوی آن تاجدارهل اتی
مرتضیٰؑ مشکل کشا شیرخدا
مادرِآن مرکز پرکار عشق
مادر آن کاروان سالارعشق
آن یکی شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیرالامم
وآن دگر مولائے ابرار جهان
قوت بازوئے احرارجهان
درنوائے زندگی سوزازحسینؑ
اہل حق حریت آموزازحسینؑ
سیرت فرزندها از امهات
جوہر صدق وصفا ازامهات
مزرع تسلیم راحاصل بتول
مادران را اسوه کامل بتول

رشتہ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفی است
ورنہ گرد تربتش گردیدمی
سجدہا برخاك اوپا شیدمی (۱)

ترجمہ : مریمؑ فقط عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے عزیز ہیں
جبکہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا تین نسبتوں سے عزیز ہیں
وہ رحمۃ للعالمین کی نور چشم ہیں
جو اوّلین و آخرین کے امام ہیں
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا تاجدار ھل اتی کی زوجہ ہیں
وہ تاجدار جسکا نام مرتضیٰ ہے اور جو مشکل کشا اور شیر خدا ہے
زہرا سلام اللہ علیہا پرکار عشق کے مرکز کی ماں ہیں
زہرا سلام اللہ علیہا قافلہ عشق کے سالار کی ماں ہیں
اور زہرا سلام اللہ علیہا شبستان حرم کی اس شمع کی بھی ماں ہیں
جو امت مسلمہ خیر الامم کی وحدت کا محافظ ہے
آپ کا دوسرا لخت جگر تمام دنیا کے ابرار کا مولیٰ ہے
جو تمام دنیا کے آزادی پسندوں کی قوت بازو ہے

(۱)۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۱۵۲۔

زندگی کی فریاد میں سوز حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہے

اے حق پرستو آزادی کا سبق حسین علیہ السلام سے سیکھو

اولاد کی سیرت امہات (ماؤں) کے رہین منت ہے

صدق وصفا کا گوہر امہات (ماؤں) کی طرف سے ملتا ہے

تسلیم ورضا کی کھیتی کا ماحصل بتول ہے

اور ماؤں کا کامل ترین اسوہ بتول ہے

آئین اور مذہب حق سے تعلق میرے پاؤں کی زنجیر ہے

اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا پاس ہے

ورنہ میں زہرا سلام اللہ علیہا کی تربت کے گرد طواف کرتا

اور اس تربت کی خاک پر سجدے کرتا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آیت حق اور کلمہ خدا ہیں جو روح القدس کے ذریعے مریم سلام اللہ علیہا کو عطا ہوئے جب حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو عیسیٰ علیہ السلام عطا ہوئے تو ساتھ یہ نہیں بتایا کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا اور امت کیا کرے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ اپنی جانب سے تجھے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوگا دنیا وآخرت میں مقبول ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا گہوارے میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا لیکن جب خداوند تعالیٰ نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو حسین علیہ السلام جیسا کلمہ عطا فرمایا تو ساتھ اور بھی بہت کچھ بیان فرمایا امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حسینؑ شکم مادر میں تھے تو جبرائیلؑ رسول اللہؐ پر نازل ہوئے اور

کہا:عنقریب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں بچے کی ولادت ہوگی جسے آپ کی امت آپ کے بعد قتل کردے گی جس کی وجہ سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کیلئے مدّتِ حمل اور وضعِ حمل بہت ناگوار تھا۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: دنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں ہے جسے بچے کی ولادت ناگوار گزرے، لیکن حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی پریشانی اس وجہ سے تھی چونکہ جانتی تھیں کہ اس فرزند کو قتل کردیا جائے گا، امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ''ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں احسان کی وصیت کی ہے کیونکہ اس کی ماں نے اسے ناگواری اور دشواری کے ساتھ حمل کیا اور دشواری کے ساتھ اسے جنم دیا ہے حمل سے لے کر دودھ چھڑانے تک تیس مہینے بنتے ہیں'' (۱)

" فَكَيفَ اِذَا جئنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئنَا بِكَ عَلىٰ هٰؤُلآءِ شَهِيداً " (۲)

حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کو قرآن نے شہید کے طور پر پیش کیا ہے قرآن نے عیسی علیہ السلام کی زبان سے نقل کیا ہے اے پروردگار! جب تک میں اس امت کے درمیان تھا ان کے اعمال پر گواہ تھا اب تو ان پر گواہ ونگہبان ہے شہید گواہ کو کہتے ہیں قتیل درراہ خدا کو بھی اسی وجہ سے شہید کہا جاتا ہے کہ وہ امت کے اعمال کا گواہ ہوتا ہے جنہوں نے اسے قتل کیا ہے جنہوں نے قاتلوں کی مدد کی ہے

---

(۱)۔ الكافی ،ج۱،ص٤٦٤،باب مولدالحسین علیہ السلام حدیث ۳

''قال و فیه نزلت هذه الایة ووصینا الانسان بوالدیه حسنا

حملتهُ امّهُ کرهاً ووضعتهُ کُرهاً و حملُه فصالهُ ثلاثون شهرا''

(۲)۔ النساء، آیت ٤۱ ۔

جنہوں نے ظلم کیا ہے اور جن افراد نے راہ خدا میں استقامت دکھائی ہے اور اسکی نصرت کی ہے ان سب کے اعمال کو دیکھ کر خدا کی بارگاہ میں گواہی دیتا ہے قرآن مجید نے ہر نبیؑ کو امت کے اعمال کا گواہ قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تمام گواہوں پر گواہ قرار دیا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے القابات میں سے ایک نمایاں لقب سید الشہداء علیہ السلام ہے یعنی آپ تمام شہیدوں کے سید و سردار ہیں خدا کی بارگاہ میں شاہدوں کے اوپر آپکی شہادت ہوگی شہادت کا مقام فقط خدا کی راہ میں قتل یا گواہی کے اندر منحصر نہیں ہے بلکہ مقام شہادت کے اندر مشاہدہ حق بھی شامل ہے یعنی شہید شاہد بھی ہے شہید معرکہ حق و باطل میں حاضر بھی ہے اور مشاہدہ حق بھی کرتا ہے سید الشہداء علیہ السلام شاہدوں کے بھی سید و سردار ہیں اور اہل مشاہدہ کے بھی سید و سالار ہیں بلکہ شہید جب تک مشاہدہ نہ کرے وہ راہ خدا میں جان نہیں دیتا مشاہدہ حق ہی اسے لقاء اللہ کا مشتاق بنا دیتا ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام بارگاہ خدا میں امت کے اعمال کی گواہی دیں گے، ظالموں کے ظلم کی گواہی دیں گے، قاتلوں کے ستم کی گواہی دیں گے، تماشائیوں کے سکوت کی گواہی دیں گے، مصلحت پسندوں کی مصلحت کوشی کی شہادت دیں گے اور اپنے انصار کی جانفشانی کی بھی شہادت دیں گے، اپنے خون کے گرانے والوں کی گواہی دیں گے، اپنے خون کے تاجروں کی بھی گواہی دیں گے، یزیدیت کی گواہی دیں گے، یزیدیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں کی گواہی دیں گے، یزیدیت کے سنگین اعمال کی گواہی دیں گے اور یزید کا دفاع کرنے والوں کی بھی گواہی دیں گے، کربلا میں کٹتی لاشوں کی گواہی دیں گے، لاشوں پر دوڑتے گھوڑوں کی گواہی دیں گے، دریائے فرات کی روانی کی گواہی دیں گے، فرات کے کنارے تشنہ لبوں کی گواہی دیں گے، جلتے خیموں کی

گواہی دیں گے، جلتے ہوئے خیموں میں چیخ وپکار کی گواہی دیں گے، لٹے ہوئے پردوں کی گواہی دیں گے، برہنہ سروں کی گواہی دیں گے، بازار کوفہ وشام کی گواہی دیں گے اور بازاروں ودرباروں میں فخر مریم سلام اللہ علیہا کے خطبوں کی گواہی دیں گے۔

٦۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدافع مادر

حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام نے ولادت کے فوراً بعد گہوارے میں بولنا شروع کیا اور اپنی معظّمہ ماں کی عصمت وپاکیزگی کا دفاع کیا جناب مریم سلام اللہ علیہا پر تہمتیں لگانے والوں، بہتان باندھنے والوں اور زخم زبان لگانے والوں کے نرغے میں دیکھ کر آغوش مادر میں بولنا شروع کیا اور اپنی ماں کی آبرو کے محافظ بن گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں بولتا دیکھ کر سب تعجب کرنے لگے۔

۷۔ امام حسین علیہ السلام مدافع عصمت

وارث عیسی علیہ السلام نے اس سے زیادہ دشوار میدان میں عصمت صغری حضرت زینب کبری سلام اللہ علیہا اور علی علیہ السلام وفاطمہ سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کو، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو، جب بازار میں تماشائیوں، نامحرموں کے مجمع میں دیکھا، جب سارے بازار آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے کے لئے سجائے جا چکے تھے، عصمت کبریٰ سیدة نساء العالمین زہراء اطہر سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کو رسیوں میں باندھ کر برہنہ سر جب بازاروں میں لایا گیا، جن کے سائے کو نامحرموں نے نہیں دیکھا تھا آج ان مخدرات عصمت کو سارا بازار دیکھنے آ گیا ہے قیامت کی گھڑی آن پہنچی ہے جناب مریم سلام اللہ علیہا عالم ملکوت سے یہ منظر دیکھ رہی ہیں مریم بنت عمران

کی عصمت پر فقط بہتان تھا، زخم زبان تھا لیکن بتول کی بیٹیوں پر فقرے بھی کسے جا رہے ہیں، پتھر بھی برسائے جا رہے ہیں، زخم سنگ اور زخم زبان سے زیادہ بڑا زخم، زخم چشم نامحرم ہے اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ امر نوک نیزہ پر کٹے ہوئے سر ہیں۔

ناگہاں عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے وارث نے نوک نیزہ سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جھولے میں دعوی نبوت کرنا بڑا معجزہ ہے یا نیزے پر کٹے ہوئے سر کا قرآن پڑھنا بڑا معجزہ ہے، سید الشہداء علیہ السلام نے نوک نیزہ پر جب اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"اَم حَسِبتَ أَنَّ اَصحَابَ الكَهفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَباً" (۱)

"کیا تم یہ سوچتے ہو کہ اصحاب کہف اور صاحبان رقیم ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے؟"

یہ سن کر مجمع میں سے ایک شخص نے کہا اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود اللہ کی سب سے بڑی اور عجیب نشانیوں میں سے ہے سید الشہداء علیہ السلام کا نوک نیزہ پر قرآن پڑھنا اس لئے تھا کہ لوگوں کی نظریں آپ کی طرف ہو جائیں اور نبی زادیاں نامحرموں کی نظروں سے بچ جائیں۔

۸۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا امتحان

خداوند متعال نے حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ کو امتحان کے لئے چن لیا تھا لیکن جب امتحان کی سب سے زیادہ سخت گھڑی آئی تو مریم سلام اللہ علیہا گھبرا کر بول اٹھیں اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی بھولی بسری ہوئی داستان ہوتی۔

---

(۱)۔ الکہف، آیت ۹۔

۹ ۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا امتحان

خداوندمتعال نے وارث عیسیٰؑ کی والدہ کو بھی سخت اور کٹھن امتحانوں کے لئے انتخاب کیا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے بہت سخت مراحل گزارے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بہت مختصر عرصہ زندہ رہیں لیکن اسی مختصر مدت میں آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے چنانچہ خود فرماتی ہیں:

" صبّت عليّ مصائب لو انّها صبّت على الايّام صِرنَ لياليا"

''مجھ پر اتنے مصائب ٹوٹے کہ اگر روشن دنوں پر نازل ہوتے تو سیاہ راتوں میں بدل جاتے''

لیکن یہ داستان یہیں پہ ختم نہیں ہوئی بلکہ سیدہ نساء العالمین عصمت کبریٰ کی دختر اُمّ المصائب عصمت صغریٰ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ایسے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہیں کہ نہ جناب مریم سلام اللہ علیہا نے دیکھے اور نہ ہی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی میں دیکھے ظاہراً جب وارث عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنتی ہیں تو اس وقت یہ جملہ فرماتی ہیں اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔

۱۰ ۔ ابن مریمؑ اور ابن زہراؑ کے معجزات

خداوندمتعال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فراوان معجزے عطا فرمائے، مٹی سے پرندے کا پتلا بنا کر پھونک سے اسے پرندہ بنا دینا، وارث عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو بھی خدا نے عجیب قوت اعجاز عطا فرمائی تھی، آپ نے مٹی کے پتلوں سے بھی زیادہ نیچے گرے ہوئے افراد کے اندر روح ڈال کر انھیں حقیقی انسان بنا دیا، حرّ بن یزید ریاحی جو قافلہ حسین بن علی علیہ السلام کو کربلا میں لانے کا ذمہ دار تھا؛ ایسا مجرم جو

یزیدی لشکر کا سالار تھا سید الشہداءؑ نے اس کے اندر ایسی روح ڈال دی کہ اسے باوفا انسان بنا دیا اور آج تک یہ عمل جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا کتنے لوگ جانوروں اور پتھروں سے بھی زیادہ پست تر تھے لیکن ذکر حسینؑ اور نام حسینؑ سے ان کے اندر زندگی اور انسانیت آ گئی۔

عیسیٰ مسیحؑ کا ایک معجزہ مادرزاد اندھوں کو بینائی دینا ہے، وارث عیسیٰؑ کا اعجاز بھی بصیرت و شعور کا نور لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا ہے جو مادر و پدر سمیت اندھے و کور تھے جن کے آباو اجداد بھی جہالت و جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے حسینیت کے طفیل انہیں بصیرت مل گئی۔

ایران کے اندر ایسے بے بصیرت اور نابیناؤں کی بہت بڑی تعداد زندگی گزار رہی تھی جنہیں ہزاروں سال سے قائم شہنشاہیت نے اندھا کر دیا تھا، آمریت کے سائے میں بصیرت کھو بیٹھے تھے حسین بن علیؑ کے ایک وارث یعنی امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے وارث عیسیٰؑ کے نام سے وہ بصیرت و بینائی عطا کی اور وہ نور عطا کیا جس نے پوری دنیا کو حیران کر دیا، اسی نور اور بصیرت کی ایک شعاع آج لبنان کے اندر دنیا کی آنکھوں کو چندھیا رہی ہے امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ "ماهر چه داریم ازسیدالشهداء داریم" یعنی ہماری ملت کی بیداری، ہمارے نوجوانوں کی بیداری، ہمارے علماء کی بیداری، ہمارے مدارس کی بیداری، ہماری یونیورسٹیوں کی بیداری، ہمارے مراجع تقلید کی بیداری، سب وارث عیسیٰ حسین بن علیؑ کی رہین منت ہے کیونکہ انہوں نے قیام سید الشہداءؑ کو بیچا نہیں بلکہ اسکے ذریعے اپنی آنکھیں کھولیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج پوری دنیا اور خصوصاً مسلمانوں کی آنکھیں بند ہیں، یہ مادرزاد اندھوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں سید الشہداءؑ کے زمانے میں بھی مادرزاد اندھے رہتے تھے جنہیں

یزیدیت دکھائی نہیں دیتی تھی، جنہیں آمریت وملوکیت نظر نہیں آرہی تھی، جنہیں خدا کے دین کی تضحیک نظر نہیں آتی تھی، حدود خدا کی پائمالی اور حق کی پائمالی دکھائی نہیں دے رہی تھی سید الشہداؑ نے انہی نابیناؤں کو فرمایا تھا:

"الاترون الی الحق لایعمل به والی الباطل......"

"کیا تم اندھے ہو گئے ہو تمھیں حق کی پائمالی اور باطل کی ترویج دکھائی نہیں دے رہی"

ایسی نابینا قوموں کا علاج حسینیت ہے جنہیں فلسطین میں ظلم وستم، لبنان میں ظلم، عراق میں قتل وغارت، افغانستان میں وحشت وبربریت، پاکستان میں بے گناہوں کے خون کی ہولی، اسلامی ممالک پر مسلّط خیانت کار حکمران، وطن فروش سیاستدان اور دین فروش مذہبی بھی نظر نہ آرہے ہوں انھیں فقط کربلا کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ خدا کے اذن سے حسین بن علیؑ ان کے اندھے پن کو دور کرسکیں۔

۱۱۔ امام حسینؑ مردہ قوموں کے مسیحا

عیسیٰ بن مریمؑ کا ایک معجزہ مردے کو زندہ کرنا ہے وہ مردے کو فرماتے تھے: "قم باذن اللّٰہ" تو وہ زندہ ہوکر کھڑا ہوجاتا اسی لئے ابن مریمؑ کو مسیحا کہا جاتا ہے یعنی مردوں میں جان ڈالنے والا، مردہ جسموں میں جان ڈالنے والے کا نام ابن مریمؑ ہے لیکن مردہ قوموں کے اندر روح ڈالنے والے کا نام ابن زہراءؑ ہے مسیح مردہ افراد کے مسیحا ہیں تو وارث عیسیٰؑ مردہ قوموں کا مسیحا ہے، حدیث میں ہے کہ قوموں کو بھی جسموں کی طرح موت آتی ہے قوموں کی موت یہ ہے کہ جب

ان کے درمیان سے اقدار اٹھ جائیں، جب ان سے شرم وحیا اٹھ جائے، جب عزت وغیرت ختم ہو جائے، جب دشمن ناموس پر قبضہ کرلے اور وہ اس پر فخر کرنا شروع کردیں، جب عزت کے بجائے ذلت کا طوق گلے میں ڈال لیں، جب غیرت کو بھول کر اپنا ملک وقوم غیروں کو دے دیں، جب فساد وفحشا ان کے گھروں تک جا پہنچے، جب باپ بیٹی مل کر فحش فلمیں دیکھیں، جب بہن بھائی مل کر رقص وناچ کریں، جب عورتیں ننگی ہو کر بازاروں میں گھومیں، جب علماء سرکاری اور درباری ہو جائیں، جب جوان لہو ولعب کے رسیا بن جائیں، جب حکمران دشمنوں کے آلہ کار بن جائیں، جب مسلمان سرزمینوں پر حملے میں مسلمان مدد کریں، جب فرقہ واریت کے نام پر مسلمان، مسلمان کا خون بہانا شروع کردے، جب دنیا کی خاطر خوف خدا دل سے نکل جائے، جب اپنے آپ کو قاتلوں کے رحم وکرم پہ چھوڑ دیں، جب امر بالمعروف ختم ہوجائے، جب معروف منکر اور منکر معروف بن جائے تو یہ قوم کی موت کی علامتیں ہوتی ہیں مردہ قوموں کو کیسے زندہ کیا جائے؟ انھیں کون "قم باذن اللّٰہ" کہے؟ وہ کس کی قوت اعجاز سے دوبارہ زندوں میں شمار ہوں؟ ان کے اندر غیرت وعزت کا احساس کون بیدار کرے؟ ان کے مردہ دلوں اور مردہ ضمیروں کو کون جھنجوڑے؟ جس نے مردہ قوموں کو حیات عطا کرنی ہے اسی مسیحا کا نام حسین علیہ السلام ہے۔

ایران کی مردہ قوم حسین بن علی علیہ السلام کے نام سے زندہ ہوئی، لبنان میں حزب اللہ ابن زہراء سلام اللہ علیہا کے نام سے زندہ ہوئی اور یہ اقوام کی زندگی وحیات کا آغاز ہے انشاء اللہ نام حسین علیہ السلام اور مسیحائے اقوام کی روح، تمام جہان اسلام بلکہ تمام جہان مستضعفین کو زندہ و بیدار کرے گی۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام مردہ قوموں کے مسیحا

زندہ حق از قوت شبیریؑ است

باطل آخر داغ حسرت میری است (۱)

''دنیا میں حق قوت شبیری علیہ السلام کی وجہ سے زندہ ہے اور باطل آخر کار امراء کی حسرت کا داغ ودھبہ ہے''

خون او تفسیر این اسرار کرد

ملت خوابیده رابیدار کرد (۲)

''اسی کے خون نے ان اسرار کی تفسیر کی ہے اور اس کے لہو نے سوئی ہوئی ملت کو بیدار کیا ہے''

حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں ہے:

" فَلَمّا أَحَسَّ عِیسیٰ مِنهُمُ الکُفرَ قالَ مَن اَنصارِی اِلَی اللّٰهِ

قالَ الحَوارِیُّونَ نَحنُ اَنصارُ اللّٰهِ ......" (۳)

''جب عیسیٰؑ نے لوگوں کی جانب سے کفر کو محسوس کیا تو پکار اٹھے، اللہ کی خاطر میری مدد کرنے والا کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم انصارِ خدا ہیں...''

۱۲۔ کفر امر قلبی یا حسی

کفر، ایمان، محبت، نفرت، خوف..... یہ سب قلبی امور ہیں، یہ چیزیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، حواس خمسہ کے ذریعے سے قابل حس نہیں ہیں اس لئے کہ یہ چیزیں سرے سے محسوسات میں سے نہیں ہیں لیکن ان کے آثار محسوسات میں سے ہیں حواس خمسہ میں سے کسی ایک کے ذریعے قابل حس

(۱،۲)۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۱۱۰،۱۱۱۔

(۳)۔ آل عمران، آیت ۵۲، ۵۳۔

کفر امر قلبی یا حسی

ہیں مثلاً خوف و ہراس جب انسان کے دل پر عارض اور طاری ہو تو فوراً چہرہ زرد ہو جاتا ہے چہرے کا زرد ہونا خوف کی علامت ہے البتہ معمولی خوف سے چہرے کا رنگ زرد نہیں ہوتا بلکہ جب خوف شدید ہو تو اس کے آثار چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح شرماہٹ بھی ہے اگر معمولی سی ہو تو انسان چھپا سکتا ہے لیکن زیادہ شدید شرماہٹ کے آثار ضرور چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں مثلاً چہرے کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اسی طرح کفر و ایمان بھی ہیں کفر امر قلبی اور غیر محسوس چیز ہے لیکن اس کے آثار انسان کے چہرے اور اعمال میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن کفر بھی اگر خوف یا شرماہٹ وغیرہ کی طرح معمولی اور کم ہو تو اس کے آثار فوراً ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اسے چھپایا جا سکتا ہے یہی تو شرک خفی ہے جو انسان دل میں چھپا کر رکھتا ہے۔

منافق بھی ایک حد تک کفر اپنے دل میں چھپا لیتا ہے لیکن جب کفر کا پورے دل پر غلبہ ہو جائے، شدت کے ساتھ دل میں راسخ ہو جائے، اب کوئی چاہے یا نہ چاہے اس کے آثار، انسان کے کردار و رفتار بلکہ پورے معاشرے میں ظاہر ہوتے ہیں اب یہ چھپانے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا جب کفر کے آثار ظاہر ہوں اور ہر طرف کفر کے آثار دیکھنے اور سننے میں آئیں، آثار حس کی حد تک آ گئے ہوں تو اب کفر کبھی چھپایا نہیں جا سکتا اب یہ کفر محسوس ہے بیشک کفر امر قلبی ہے لیکن شدت رسوخ اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ ہر طرف اس کے آثار نظر آتے ہیں جب آثار نظر آ جائیں تو کفر بھی محسوس ہو گا ایمان بھی اسی طرح ہے جب معمولی ایمان دل میں ہو تو اس کے آثار بولنے میں چلنے میں، اُٹھنے بیٹھنے میں ظاہر نہیں ہوتے ہیں لیکن جب ایمان راسخ اور شدید ہو تو اب یہ ایمان چھپایا نہیں جا سکتا ہر طرف اس کے آثار نظر آئیں گے اب ایمان محسوس ہوتا ہوا نظر آئے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام قلبی امور، آثار کے ذریعے سے مرحلہ حس تک آجاتے ہیں ان قلبی امور کے آثار خواہ نخواہ ظاہر ہوں گے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

" مااضمر احد شیأً الّاظهر فی فلتات لسانه و صفحات و جهه......" (۱)

''جس کسی نے بھی کوئی بات دل میں چھپا کر رکھنا چاہی وہ اس کی زبان سے بے ساختہ الفاظ اور چہرے کے آثار سے ضرور نمایاں ہو جاتی ہے''

۱۳۔ قرآنی مسیح

" فَلَمّا أَحسَّ عِیسیٰ مِنهُمُ الکُفرَ قالَ مَن اَنصارِی اِلَی اللّٰهِ قالَ الحَوارِیُّونَ نَحنُ اَنصارُ اللّٰه......"

جب حضرت مسیح علیہ السلام نے کفر کا احساس کیا یعنی کفر کے آثار معاشرے میں محسوس کئے اور یہ حس کی حد تک آگئے تو اپنی ذمہ داری اور عہد نبھانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:
'' من انصاری الی اللّٰه'' حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے کفرِ محسوس کے خلاف نعرہ بلند کیا اور لوگوں کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دی تو فرمایا: ''من انصاری الی اللّٰه'' یعنی میں قیام کر چکا ہوں اب کون ہے جو میرا ساتھ دے؟ کفرِ محسوس کو مٹانے اور دین خدا کو بچانے کے لئے کون تیار ہے جو میرے ساتھ ہو جائے اور میری مدد کرے؟

اب دیکھئے! مسیحیت محرّفہ نے جو عیسیٰ پیش کیا ہے اور قرآن مجید نے جو عیسیٰ علیہ السلام پیش کیا ہے

---

(۱)۔ نهج البلاغه، حکمت ۲۶۔

ان دو میں بہت فرق ہے۔ مسیحیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا پیش کیا ہے جو ہر ایک کا مطلوب اور ہر ایک کا دل عزیز ہے، جو لاتعلق، گوشہ نشین، رہبانیت پسند اور غیر جانبدار ہے، اگر کوئی تھپڑ اس کے گال پر رسید کرے تو وہ دوسرا گال خود آگے کر دیتا ہے! افسوس کہ یہ مسیحیت عملاً آج مسلمانوں کے درمیان موجود ہے اور خود مسیحیت عملاً اس سے دست بردار ہو گئی ہے(۱) لیکن قرآن کریم نے جو مسیح پیش کیا ہے وہ بڑا مجاہد، دردمند، احساس ذمہ داری کرنے والے، معاشرے سے لاتعلق نہ رہنے والے اور کفر کے خلاف اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔ قرآن کے مسیح کا کفر اور طاغوت کے خلاف مبارزہ اور نبرد اصل مسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کہتا ہے تم حضرت عیسیٰ مسیح کے اصول اپناؤ اور ان کو اپنا اسوہ بناؤ۔

" یا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا کُونُوا اَنصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ
عِیسَیٰ ابنُ مَریَمَ لِلحَوارِیّنَ مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ ......" (۲)

۱۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا مشترکہ نعرہ

قرآنی مسیح تو بڑے با احساس مسیح ہیں۔ فوراً کفر کے خلاف شعار بلند کرنے والے ہیں یہ صفت

---

(۱)۔ دیکھئے ۱۱ ستمبر کو چند کھڑکیوں کے شیشوں کے توڑنے پر انہوں نے کیا کیا؟! کیا صلیبی جنگ کے شروع ہونے کا اعلان نہیں کیا؟ پھر افغانستان اور عراق میں اب تک کتنے مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو بے دردی سے قتل کیا اور کتنوں کی آبرو ریزیاں کیں۔ زندان ابوغریب کا حال دیکھئے۔۔۔

(۲) الصف، آیت ۱۴۔

(احساس ذمہ داری) امام حسین علیہ السلام میں بھی موجود تھی لہٰذا جب امام حسین علیہ السلام نے کفر محسوس کیا "فلمّا احسّ منهم الكفر" یعنی پوری امت اسلامی میں کفر کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس لئے کہ یزیدیت وہی کفر محسوس کا نام ہے، جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ کفر محسوس اس حد تک آگے بڑھ چکا ہے اور امت بھی خاموش بیٹھی ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی خاموش بیٹھی تھی تو فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نعرہ بلند کیا "مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ"۔

حضرت عیسیٰ کے قول "من انصاری الی اللّٰه"

اور امام حسین علیہ السلام کے اس قول "......هَل مِن مُغِيثٍ يُغِيثُنَا......"

دونوں کا ایک ہی معنی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے ورنہ ایک ہی نعرہ ہے دونوں انصار طلب کر رہے ہیں۔

جب کفر محسوس حد تک آگے بڑھا تو وارث عیسیٰ علیہ السلام نے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شعار بلند کیا۔ آپ نے جگہ جگہ لوگوں سے فرمایا:

میں تو قیام کر چکا ہوں اب کون ہے جو میری مدد کرے؟

آپ نے مکہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" من كان باذلافينا مهجته موطأعلىٰ لقاء اللّٰهِ نفسه

فليرحل معنا، فانّنى راحل مصبحا ان شا اللّٰه تعالىٰ......" (۱)

جو قربانی دینے کے لئے تیار ہے وہ ہمارے ساتھ چل پڑے، میں کل ہی حرکت کرنے والا ہوں

---

(۱)۔ موسوعة كلمات الامام الحسين علیہ السلام، ص ۳۲۸۔

"......مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہ ......" کا نعرہ بلند کرنا انبیاءؑ کی سیرت ہے لہٰذا امام حسینؑ نے بھی یہی آواز بلند کی "......ھَل مِن مُغِیثٍ یُغِیثُنا...... " دیکھئے دونوں اسوؤں کا اشتراک کتنا زیادہ ہے۔

یہ صدائے نصرت طلبی کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ مختص نہیں ہے امام حسینؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی صدائے نصرت طلبی زمان و مکان کو چیرتے ہوئے قیامت تک جاری ہے، جب تک کفر، حق کے مقابلے میں نبرد آزما ہے جب تک ظلم اور باطل ہے تو ان کے مقابلے میں یہ دونوں استغاثہ باقی ہیں۔

امام حسینؑ نے جو کاروان حق تشکیل دیا وہ ابھی تک جاری ہے جو بھی اُٹھے، پرچم حق بلند کرے، پرچم مبارزہ بلند کرے، حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور امام حسینؑ کو لبیک کہتے ہوئے " ......نَحن اَنصَارُ اللّٰہ......" کا ورد کرتے ہوئے دینِ خدا سے دفاع کرے، ظلم اور بربریت کو ٹھکرائے، وہ کاروان حسینی میں شامل ہوسکتا ہے۔ لیکن لوگ اس وقت " نحن انصار اللّٰہ" کہیں گے جب پہلے کوئی آ کر "...... مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ وَھَل مِن مُغِیثٍ یُغِیثُنا......" کا نعرہ بلند کرے، کوئی دردمند آ کر لوگوں کو حق کی دعوت دے۔

۱۵۔ دم مسیح اور احساس مسیح میں فرق

اس وقت عالم اسلام پر جو کچھ گزر رہا ہے عراق، افغانستان، فلسطین اور کشمیر میں جو مظالم ڈھائے

جارہے ہیں،کفر محسوس کی جڑیں لگائی جارہی ہیں،پوری امت اسلام بے حس اور تماشائی بنی بیٹھی ہے۔اب ندائے "من انصاری الی اللّٰہ" کو بلند کرنے والا کوئی نہیں،شاید "...نحن انصار اللّٰہ..." کہنے والے پیدا ہو جائیں لیکن اب امت کا مسیحا نہیں ہے۔امت کے مسیحا کا کام یہ ہی ہے کہ مردہ ضمیروں کو جلا دے کر ان میں دوبارہ روح پھونک دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ مردوں میں روح پھونک کر ان کو دوبارہ زندہ کردیتے تھے،ان کو"...... قم باذن اللّٰہ......" کہہ کر کھڑا کردیتے تھے،مبروص اور مجزوم کو شفا دیتے تھے اس معجزے کو ادبیات میں (دمِ مسیح) سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن دمِ مسیح اور احساس مسیح میں بڑا فرق ہے دمِ مسیح نے چند مردہ لاشوں میں جان ڈالی تھی لیکن احساس مسیح نے پوری امت میں جان ڈال دی؛ "فَلَمَّا أَحَسَّ عِیسیٰ مِنهُمُ الکُفرَ......" جب عیسیٰ علیہ السلام نے کفر کا احساس کیا،کفر وہی موت ہے یعنی امت کی موت کا احساس کیا تو فوراً کہنے لگے "......مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ" اور دمِ مسیح کے ذریعے سے مردہ امت کو دوبارہ زندہ کردیا۔

۱۶۔ مسیحائے امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امام حسین علیہ السلام مسیحائے امت اسلام ہیں حضرت مسیح علیہ السلام اور احساس مسیح کے وارث ہیں۔لہٰذا جب امام حسین علیہ السلام نے امت کو دوبارہ کفر و شرک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا یعنی امت نے

یزیدیت کو تسلیم کرلیا تھا، یزیدیت وہی کفر محسوس ہے،اب مسیحائے امت محمدی ﷺ نے ایسا دم پھونکا جس سے پوری بے حس امت میں جان آ گئی،اس لئے حدیث میں بھی ہے:

" ان لقتل الحسین حرارة فی قلوب المومنین لاتبرد ابدا...... "(۱)

خون حسینؑ اور شہادت حسینؑ میں ایک ایسی گرمی اور جوش ہے جو اُمتوں کو قیامت تک اُبھارتا رہے گا۔دمِ حضرت مسیحؑ اور امت مسلمہ کے مسیحا میں کتنا فرق ہے: حضرت عیسیٰ مسیحؑ مردہ اور بے جان لاشوں میں روح پھونک کر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیتے تھے ان کو"......قم باذن اللّٰه......" کہہ کر زندہ کر دیتے تھے لیکن وارث مسیح نے چند زندہ لاشوں کو گرایا، چند چلتی پھرتی جانوں کی گردنیں کٹوائیں، پھر قم باذن اللہ کہا، لیکن یہاں مخاطب یہی لاشیں نہیں بلکہ دین کو مخاطب کر کے اسے کہا"......قم باذن اللّٰه......" چونکہ کفر محسوس ہونے لگا، یزیدیت اور استکباریت نے دین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا امت کو بے حس اور مردہ بنا دیا تھا، لہٰذا یہاں جو مسیحا چاہیے وہ عیسیٰ مسیحؑ سے بالاتر درجے کا ہونا چاہیے۔لہٰذا امام حسینؑ نے اپنے اصحاب وانصار کی لاشوں کو گرا کر دین کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا، دین سے کہا"......قم باذن اللّٰه......" اور اس دمِ مسیحائے

---

(۱)۔ جامع احادیث الشیعه، ج۱۲،ص۵۵۶۔ موسوعة عاشورا، ص۴۰۴۔

مجموعه آثار شهید مطهریؒ، ج۱۷، ص۴۷۷۔

امت سے دین دوبارہ زندہ ہوگیا مردہ امت میں دوبارہ جان آ گئی۔ لہٰذا اب مسیحائے امت کا دم جاری ہے ابھی کربلا جا کر کان لگا کر سنو تو یہی آواز آئے گی ''...... مَن انصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ وَھَل مِن مُغِیثٍ یُغِیثُنا......'' کربلا ابھی بھی پکار رہی ہے، انصار طلب کر رہی ہے لیکن افسوس پھر امت کربلا کے راستے سے ہٹ گئی ہے، اگر امت مسلمہ کربلا کا راستہ اختیار کر لیتی تو کبھی فلسطین پر اسرائیل کا قبضہ نہ ہوتا، اب عراق اور افغانستان کا یہ حشر نہ ہوتا۔

امت میں سے ایک شخص نے جب ''......من انصاری الی اللّٰہ ......'' کا نعرہ بلند کیا تو بہت سے لوگوں نے بھی نحن انصار اللّٰہ کہہ کر اسلحہ وبارود کے بجائے دمِ مسیح لے کر استکبار جہانی پر ایسا وار کیا کہ بھاگتے ہوئے ان پر زمین تنگ ہوگئی، ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کو جڑ سے اکھاڑ کر اسے دور پھینک دیا یہ وہی شخص ہے، جو فرماتے ہیں: '' ما ہرچہ داریم از سید الشہداء داریم''

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''......مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ......'' کا نعرہ بلند کیا تو امت میں صرف آپ کے حواریین نے کہا ''......نحن انصار اللّٰہ......'' ہم انصار اللہ ہیں، ہم مدد کے لئے حاضر ہیں، اسی طرح جب امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کا شعار ''......مَن اَنصَارِی اِلیٰ اللّٰہِ......''

بلند کیا تو امت میں سے ایک گروہ نے بڑھ کر جواب دیا ''......نحن انصار اللّٰہ......''

لہٰذا امام حسین علیہ السلام کے اصحاب وانصار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے نقشِ قدم پر چلنے کا عزم کیا یہ بہتر ۷۲ اصحاب جو کربلا میں تھے یہ وہی ہیں، جنہوں نے کہا تھا ''......نحن انصار اللّٰہ ......'' پھر

اپنے سروں کو طبق اخلاص میں رکھ کر ثابت کر دیا کہ حقیقت میں ہم ہی انصار اللہ ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام وارث جمیع انبیاء علیہم السلام ہیں اور آپ کے اصحاب انصارِ جمیع انبیاء علیہم السلام ہیں، لہٰذا اصحاب امام حسین علیہ السلام کی زیارت نامہ میں آیا ہے:

"السّلام علیکم یا اولیاء اللّٰہ و احبائہ، السّلام علیکم یا اصفیاء اللّٰہ و اودآئہ ، السّلام علیکم یا انصار دین اللّٰہ و انصار نبیہ و انصار امیر المومنین و انصار فاطمۃ سیدۃ نساء العالمین، السّلام علیکم یا انصارابی محمد الحسن الولی الناصح، السّلام علیکم یا انصارابی عبداللّٰہ ......" (۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو مخاطب کر کے فرمایا:

تم انصار اللہ بن جاؤ

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان، زیارت امام حسین علیہ السلام

انصار اور حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص شاگرد تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تربیت کے زیر سایہ اس مقام تک پہنچے کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے: " وِاذْ اَوحَیتُ اِلیٰ الحَوارِیِّنَ أَن آمِنُوا بِی وَبِرَسُولِی قالُوا امَنَّا وَاشهَد بِأَنَّنا مُسلِمُون" المائدہ، آیت ۱۱۱۔

حضرت استاد آیۃ اللہ جوادی آملی دام ظلہ جناب ابن عربی کی تفسیر سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عربی نے حواری کے متعلق لکھا ہے: " حواری از علم حجت،از شمشیر و مقاومت و اقدام و تحاملی برائے صحت دین و شرح بر خرداراست" تفسیر موضوعی ،ج ۷، سیرہ پیامبران،ص ۳۸۲.

" یا ایھا الذین آمنوا کو نوا انصار اللّٰه کما قال عیسی بن مریم

للحواریین من انصاری الی اللّٰه قال الحواریون نحن انصار اللّٰه ......" (۱)

حقیقی مسیحیت کا یہ اصول (کفر کے خلاف جہاد) اتنا مسلم ہے کہ دوسری امتوں کو اس اصول کی پیروی کرنے کو کہا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام وارث عیسی علیہ السلام ہیں، یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے تمام اصولوں، منجملہ مذکورہ بالا اصول کے بھی وارث ہیں۔

اے عیسیٰؑ کے وارث تجھ پر سلام ہو

(۱)۔ الصف ، آیت ۱٤۔

السلام علیک یا وراث محمد حبیب اللہ

ساتویں فصل

۷

حسینؑ وارث محمدؐ حبیب اللہ

۱۔ حسینؑ کا تعارف رسول اللہ ﷺ کی زبانی

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی میراث

۳۔ امام حسین علیہ السلام وارث رسول اور میراث رسول ﷺ

۴۔ اہلبیت علیہم السلام میراث رسول ﷺ

۵۔ کربلا قرآن کی عملی تفسیر

۶۔ وارث محمد ﷺ میدان کربلا میں

۷۔ بشیر ونذیر نبی

۸۔ امام حسین علیہ السلام چراغ ہدایت

۹۔ رسول خدا ﷺ رحمۃ للعالمین

۱۰۔ امام حسین علیہ السلام مظہر رحمت خدا

۱۱۔ مصائب کے نزول کا فلسفہ

۱۲۔ اہل بیت علیہم السلام محل نزول مصائب

۱۳۔ مصائب کا فضائل سے گہرا رابطہ

۱۴۔ مصائب اور آفات میں فرق

۱۵۔ فضیلت کی تعریف

۱۶۔ فضائل کا معیار

۱۷۔ انسان کی ترقی کا معیار

۱۸۔ فضائل کی خاصیتیں

۱۹۔ عاشورا کا پیغام

۱۔ حسین علیہ السلام کا تعارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی

حضرت امام حسین علیہ السلام کا تعارف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بہت ہی انوکھے طریقے سے بیان ہوا ہے، عام لوگوں کے طریقہ سے ہٹ کر یہ تعارف کرایا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا مقام اور آپ کی منزلت بیان فرمائی آپؐ فرماتے ہیں:

"حسین منی و انا من حسین......" (۱) حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں۔

اس تعارف کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں، حسینؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں یہ بات سب کی سمجھ میں آسکتی ہے لیکن یہ فرمانا کہ میں حسین سے ہوں یہ مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا، اس کو سمجھنے کے لئے بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک یہ راز اور معما حل طلب اور تشنگی پر باقی ہے۔ اس کا راز حضرت امام صادق علیہ السلام نے زیارت وارث میں بیان فرمایا کہ کس طرح حسین علیہ السلام اپنے جد سے ہیں اور جد، حسین علیہ السلام سے ہیں۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام سے ہیں۔ "فَمَن تَبِعَنی فَاِنَّهُ مِنّی......" (۲)

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۶۱۔

(۲)۔ ابراھیم، آیت ۳۶۔

لیکن وہ لوگ کہ جن سے انبیاءؑ ہیں،ان کے لئے صرف انبیاءؑ کی پیروی کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو میراث انبیاءؑ کو اٹھانے والے ہیں۔

میراث نبی کو وہ شخص اٹھا سکتا ہے جس کا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہو۔

"وَجَعَلنا مِنهُم اَئِمَّةً یَهدُونَ بِأَمرِنا......" (۱)

جن کا کام لوگوں کو ضلال مبین سے نکال کر آشکار ہدایت اور نجات تک لانا ہو،اگر ان کو پہچاننا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم میراث انبیاءؑ کو پہچانیں پھر وارث انبیاءؑ کی پہچان میراث انبیاءؑ کے ذریعے ممکن ہو سکے گی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی میراث

میراث انبیاءؑ کو پہچاننے کے لئے ہمیں ہر نبی کے اوصاف وکمالات اوران کی زندگی کا غور سے مطالعہ کرنا پڑے گا تاکہ وارث اور مورث کے درمیان رابطہ روشن ہوجائے، میراث نبی میں، ذمہ داریاں،مصائب،مشکلات کے علاوہ وہ فضائل،کمالات اورانسانی اقدار ہیں جواللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہیں اورانھوں نے لوگوں کو تعلیم دینا شروع کیا،لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلایا اور یہ سلسلہ ایک زمانے تک جاری رہا،آخر میں خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے،ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت سے سلسلہ نبوت ختم ہوا،اب کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا لیکن میراث انبیاءؑ باقی ہے۔

---

(۱)۔ السجدہ ، آیت ۲۴۔

ہر میراث کو وارثوں کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ وہ ضائع ہو جاتی ہے، ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام اور امام حسین علیہ السلام اس میراث کے وارث ہیں۔ یہ وہ سنگین اور گران بہا میراث ہے جو ہر ایک سے نہیں اٹھائی جاسکتی ہے، سارے انسانی کمالات اور فضائل، قرآنِ عظیم، دین اسلام، سب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالات اور فضائل کے اس مرتبے پر فائز ہیں کہ جہاں تک مخلوقات میں سے کوئی بھی نہیں جاسکتا، لہٰذا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشرف المخلوقات اور سرور کائنات ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے آپ سے بہتر کوئی مخلوق نہیں، اس لئے کہ آپ کے اندر وہ سارے کمالات اور فضائل موجود تھے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام میں الگ الگ موجود تھے۔ یعنی خداوند نے پوری انسانیت میں فضائل اور کمالات بکھیر دیئے، ہر فرد کو کچھ نا کچھ کمال دے دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں سارے کمالات یکجا رکھ دیئے؛ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچه خوباں همهٔ دارند، تو تنها داری

۳۔ امام حسین علیہ السلام وارث رسول اور میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "انّی تَارِكٌ فیکم الثّقلین کتاب اللّٰه و عِترَتی"

"میں تمہارے اندر دو گراں بہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک خدا کی کتاب اور دوّم اپنی ذریت وعترت"۔

اس حدیث کی رو سے قرآن وعترت ترکہ ومیراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اسی بناء پر سید الشہداء علیہ السلام خود میراث رسول اللہ ہیں پس امام حسین علیہ السلام نبیؐ کی میراث بھی ہیں اور نبی کے وراث بھی ہیں۔ آپ

نے ارث میں ایک اللہ کی کتاب پائی ہے اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی ذریت پائی ہے۔

آپ نے جب میراث کو لٹتے ہوئے دیکھا اور کتاب خدا کو پائمال ہوتے ہوئے دیکھا تو قرآن کا دفاع کیا، قرآن کے تقدّس اور حرمت کے خاطر قیام کیا۔ جب یزید ملعون برسر اقتدار آیا اور کھل کر وحی اور قرآن کی نفی کرنے لگا، حدود خدا کا تمسخر اڑانے لگا، تو قاریان قرآن اور حافظان قرآن سب موجود تھے کسی نے بھی قرآن کا دفاع نہیں کیا چونکہ وہ سب قرآن کے قاری اور حافظ تھے لیکن وارث قرآن نہیں تھے۔ حافظ اور قاری، قرآن کے ذریعے احترام تو حاصل کر لیتے ہیں، عزت و مقام بنا لیتے ہیں، محترم و مقدّس بن جاتے ہیں، مال و منال بھی کما لیتے ہیں، جاہ و منصب بھی حاصل کر لیتے ہیں، قرآن کو اپنے دفاع کے لئے وسیلہ کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں، لیکن جب قرآن کے دفاع کا وقت آجائے، قرآن کی بے حرمتی کو روکنے کا وقت آجائے، قرآن کی حدود کو پائمالی سے بچانے کا وقت آجائے، وہاں قاری و حافظ نہیں آتے فقط وارث قرآن اس میدان میں نظر آتے ہیں، وارث قرآن اپنی جانوں کو قرآن پر قربان کر دیتے ہیں۔

خداوند عالم نے دیگر آسمانی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کتب سماوی کے قاریوں، حافظوں اور مفسّروں نے ان کے اندر تحریف کی ہے، آیات خدا اور کلمات الٰہی میں ہیر پھیر کیا ہے، اللہ کی آیات کے بدلے دنیا خریدی ہے "یشترون بآیاتی ثمناً قیلاً" بہت ہی تھوڑی قیمت کے بدلے دین بیچ دیا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تورات اور انجیل کو قاری و حافظ و کاتب تو ملے لیکن وارث نہیں ملے، قرآن مجید کی دیگر آسمانی کتابوں پر کئی پہلوؤں سے برتری ثابت ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کے وارث موجود ہیں اگرچہ دین فروش، قرآن فروش اور آیات

فروش آج بھی کم نہیں ہیں، لیکن قرآن کی حرمت پھر بھی باقی ہے، جب تک نبی اکرم ﷺ کے اس عظیم ترکہ ومیراث کے وارث موجود ہیں۔

٤ ۔ اھلبیتؑ میراث رسول ﷺ

اہل بیتؑ دوسرا ترکہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ارث میں چھوڑا ہے یہ نبی اکرم ﷺ کی وہ عظیم میراث ہے کہ امت اگر اس کا دامن نہ چھوڑتی تو آج عالم اسلام کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کی اس الٰہی میراث کو آپ کی رحلت کے بعد اپنے حق سے محروم کردیا گیا، امت کے اندر ان کا مقام و مرتبہ گھٹانے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی گئی۔ تدریجاً رسول اللہ ﷺ کی میراث کو فراموش کیا جانے لگا۔ خصوصاً جب نبی اکرم ﷺ کی مسند پر بنوامیہ براجمان ہوگئے تو انہوں نے اہل بیت نبیؑ کو ہر طرح سے پریشان کرنا شروع کردیا۔

امیر المومنینؑ کی سر عام توہین کی جارہی تھی، ممبروں سے آلِ رسول کی کردار کشی کی جارہی تھی، انہیں اپنے حقوق سے محروم کردیا گیا، ان کے پیروکاروں کو سزائیں دینا عام ہوگیا، آل رسول کی حمایت کو جرم قرار دیا گیا، اہل بیتؑ کی شان میں گستاخی اور بے حرمتی کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نواز دیا جاتا تھا، ان کی شان وفضائل بیان کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی، حتی کہ انہیں شہید کردیا جاتا تھا۔

سید الشھداءؑ نے معاویہ کے نام ایک خط میں اسی نکتے کو بیان فرمایا کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق خزاعی جیسے شہداء کا گناہ کیا تھا، یہی کہ وہ آل رسول سے محبت رکھتے تھے اور ان کی شان و

فضیلت بیان کرتے تھے اسی جرم کی پاداش میں انہیں شہید کر دیا گیا۔

امام حسین علیہ السلام نے بھانپ لیا کہ میراثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لٹ رہی ہے اور آل نبی کو مٹایا جارہا ہے، وارث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کو بڑی خوبصورتی سے بچالیا، اس میراث کو بچانے کے لئے اس میں سے خرچ بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ کربلا میں سید الشہداء علیہ السلام نے آل رسول کا ایسا دفاع کیا کہ اب قیامت تک ان کی عظمت کو کوئی فراموش نہیں کر سکے گا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی قربانی دے کر انہیں ہمیشہ کے لئے امت کے سامنے چراغ بنا دیا، کربلا میں اہل بیت علیہم السلام لٹے ضرور لیکن مٹے نہیں، کٹے ضرور لیکن جھکے نہیں، کربلا میں آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سورج ایسا طلوع ہوا کہ کبھی غروب نہیں کرے گا، آج کوئی اہل بیت علیہم السلام اور قرآن سے آشنا ہے تو یہ سید الشہداء علیہ السلام کے طفیل ہے۔

۵۔ کربلا قرآن کی عملی تفسیر

خداوند متعال نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت و رسالت پر مبعوث فرمایا اور آپ کے اوپر قرآن نازل فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو قرآن کی تعلیم دی، آیات الٰہی کی ان کے سامنے تلاوت فرمائی، قرآنی احکام و معارف کی تفسیر فرمائی، لیکن کربلا قرآن کی عملی تفسیر ہے خداوند سبحان نے جو کچھ قرآن میں لفظی صورت میں بیان فرمایا ہے وہ کربلا میں عملی شکل میں موجود ہے، چنانچہ اگر قرآن کو عملی شکل دی جائے تو کربلا بنتی ہے اور کربلا کو لفظی لباس پہنایا جائے تو قرآن بنتا ہے۔ قرآن میں توحید ہے تو کربلا میں بھی توحید ہے، قرآن میں شرک و کفر کی نفی ہے تو کربلا میں شرک و

کفر کے خلاف عملی مبارزہ موجود ہے، قرآن میں عبادت کا ذکر ہے، کربلا میں عبادت کو معراج نصیب ہوئی ہے، قرآن میں انبیاءؑ وسیرت کا تذکرہ ہے، وارث انبیاءؑ سارے انبیاءؑ کا تجسّم بنا ہوا ہے، قرآن میں جہاد ہے کربلا میں جہاد کا عروج وانتہا ہے، قرآن میں اسماء اللہ کا ذکر ہے کربلا میں اسماء حسنیٰ کی تجلیاں ہیں، قرآن میں فرعون ونمرود کا تذکرہ ہے، کربلا میں فرعون ونمرود کا پلید لشکر وارث کی صورت میں موجود ہے، قرآن میں ابراہیم علیہ السلام ہے، بت شکنی ہے، آگ ہے، کربلا میں ابراہیم علیہ السلام ہے، وارث ابراہیمؑ ہے، آگ ہے، اولاد ابراہیمؑ ہیں، نمرود ہے، کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟ اگر غور سے قرآن وکربلا کو دیکھا جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن میں کربلا ہی کربلا ہے اور قرآن ہی قرآن ہے۔ اگر انسان حقیقی معنوں میں قرآنی ہوجائے تو یقیناً عاشورائی ہوجاتا ہے اور اگر عاشورائی بن جائے تو یقیناً قرآنی ہوجاتا ہے۔

رمز قرآن از حسین آموختیم

زِ آتش او شعله ها اندوختیم (۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے کہ ''لَقَد جَاءَکُم رَسُولٌ مِن أَنفُسِکُم عَزِیزٌ عَلَیهِ مَا عَنِتُّم حَرِیصٌ عَلَیکُم بِالمُؤمِنِینَ رَؤُفٌ رَحِیمٌ''(۲) ''بے شک تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہیں پیش آنے والی مشکلات وتکالیف انہیں بہت گران

(۱)۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۱۱۱۔

(۲)۔ التوبہ، آیت ۱۲۸۔

گزرتی ہیں وہ تمہاری ہدایت کے شدید خواہاں ہیں اور مؤمنین کے لئے رؤف ومہربان ہیں ایک اور جگہ قرآن میں ہے:

" لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفسَكَ اَلَّا یَكُونُوا مُؤمِنِینَ " (۱)

''آپ اس غم کی وجہ سے کہ یہ لوگ مؤمن کیوں نہیں ہوجاتے شاید اپنی جان ہی ختم کردیں''

امت کی ہدایت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اتنی کوشش کی اور اتنے آگے بڑھے کہ خداوند سبحان کو فرمانا پڑا کہ اس طرح سے تو آپ کی جان بھی چلی جائے گی بلاشک رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی ہدایت کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالا، یقینی موت وشہادت تک آگے بڑھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو گویا یہ منظور نہیں تھا کہ رسولؐ شہید ہوجائیں، آپ کو کلمات حق کہنے کے نتیجے میں بارہا شہید کرنے کی کوشش کی گئی، شب ہجرت آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا، مکہ وطائف میں سختیاں برداشت کیں، دور دراز کے سفر کئے، بھوک وپیاس برداشت کی، جنگوں میں زخمی ہوئے، اپنا چین و سکون سب امت کی ہدایت کی خاطر قربان کردیا، لیکن آخری مرحلہ وارث نبیؐ نے طے کرنا تھا ''حسین منّی و انا من الحسین'' کا راز بھی یہیں سے سمجھ میں آجاتا ہے، جس طرح قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی محبوب ترین چیز کو خدا کی راہ میں پیش کرو، حضرت خلیل علیہ السلام نے سوچا کہ سب سے زیادہ محبوب تو اسماعیلؑ ہیں چنانچہ بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے انتخاب کیا، بیٹا بھی راضی ہوگیا۔

---

(۱)۔ الشعراء، آیت ۳۔

فَلَمَّا أَسلَمَا وَتَلَّهُ لِلجَبِينِ ۞ وَنَادَينَاهُ اَن يَا اِبرَاهِيم ۞
قَد صَدَّقتَ الرُّؤيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجزِي المُحسِنِينَ ۞ اِنَّ هَٰذَا لَهُوَ البَلَٰٓؤُ المُبِين ۞
وَفَدَينَٰهُ بِذِبحٍ عَظِيمٍ ۞ وَتَرَكنَا عَلَيهِ فِي الأٰخِرِينَ ۞ (۱)

"جب دونوں تسلیم ہو گئے تو اسے پیشانی کے بل لٹایا تو ہم نے اسے پکارا! اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا ہے ہر احسان کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں یہ وہی واضح اور کھلا امتحان ہے ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس کا فدیہ دیا ہے اور ہم نے اسے آنے والوں کے لئے باقی رکھا ہے"

٦ ۔ وارث محمد ﷺ میدان کربلا میں

دس محرم ۶۱ ہجری قمری ہے، وارثِ اسماعیل ذبیح اللہ و وارث ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور وارث محمد حبیب اللہ ﷺ اپنے اجداد و اسلاف کا نامکمل کام مکمل کر رہے ہیں، امت کی ہدایت کی خاطر اپنی جان قربان کر رہے ہیں اور لوگوں کے ایمان کو بچانے کے لئے اپنی آل و اولاد بھی پیش کر رہے ہیں، خدا کی رضا کے لئے اپنی محبوب ترین متاع اللہ کی راہ میں پیش کر رہے ہیں، نمرودیوں کی جلائی ہوئی آگ میں جلنے کے لئے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ساتھ لائے ہیں، اپنی میراث لٹا کر میراث انبیاء علیہم السلام کو بچا رہے ہیں۔

سید الشہداء علیہ السلام کو روانگی سے قبل مدینہ اور بعد میں مکہ کے اندر کئی افراد نے مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں بلکہ کسی گوشہ امن و عافیت میں پناہ لے لیں، آپ نے ان کے جواب میں یہی فرمایا:

(۱)۔ الصافات، آیت ۱۰۳ تا ۱۰۸۔

کہ میرے قیام اور میری شہادت کے بغیر امت ہدایت نہیں پا سکتی، چونکہ اہریمنی اور شیطانی قوتیں ایمان کونابود کرنے کے درپے ہیں، گوشہ نشینی سے اپنے آپ کوتو بچایا جاسکتا ہے،لیکن ایمان کونہیں بچایا جاسکتا،ایمان کے تحفظ کے لئے اپنی جان کو سپر قرار دیں ،ایمان پر ہونے والے حملے اپنی جان پر لیں،ایمان کی طرف چلائے گئے تیر اپنے سینے پر لیں ،ایمان کی طرف بڑھتے ہوئے نیزے اپنے جسم پر لیں اور ایمان کی طرف لپکی ہوئی تلوار سے اپنا بدن پارہ پارہ کروائیں تو ایمان بچ سکتا ہے:

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیا سیوف خذینی

اگر محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین میری شہادت کے بغیر نہیں بچ سکتا تو اے تلوارو! آؤ حسینؑ کا سینہ حاضر ہے، اے نیزو! آؤ حسینؑ کا جسم حاضر ہے ،اے خنجر! آؤ حسینؑ کا گلا حاضر ہے ،اے دوڑتے ہوئے گھوڑو! حسین کا لاشہ حاضر ہے،اے طوق وزنجیرو! حسینؑ کی اولاد حاضر ہے، اے تازیانو! حسینؑ کا بیٹا حاضر ہے ،اے کوفہ اور شام کے بازارو! آل رسولؐ حاضر ہے اور اے یزیدی دربارو! حسینؑ کی ہمشیرہ خطبوں کے لئے تیار ہے۔

۷۔ بشیر و نذیر نبی

خداوند سبحان نے قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یاأَیُّھَا النَّبِیُّ اِنّا اَرسَلناکَ شاھِداً وَ مُبَشِّراً وَ نَذِیراً وَ داعِیاً اِلَی اللّٰهِ بِأِذنِهِ وَ سِراجاً مُّنِیراً (۱)

(۱)۔ الاحزاب آیت ۴۵،۴۶۔

" اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور انذار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اسی کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے"

نبی اکرم ﷺ بشیر ونذیر ہیں یعنی امت کو مایوسیوں اور ناامیدیوں سے نکال کر کامیابی اور نجات کی بشارت وامید دینے والے اور دشمنوں کی جانب سے اندرونی اور بیرونی خطروں سے آگاہ کرنے والے ہیں، امت کے اعمال پر گواہ ہیں، اللہ کی طرف سے دعوت دینے والے اور خدا کی راہ پر چلنے والوں کے لئے روشن چراغ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی بابرکت عمر میں یہی فرائض انجام دیئے اور امت کو نجات عطا فرمائی لیکن ناامیدیاں، دشمنوں کی سازشیں، داخلی اور خارجی خطرات، راہ خدا سے مؤمنین کو بہکانے والے رہزن اور امت کے راستے میں ظلمتیں اور تاریکیاں ہمیشہ موجود ہیں اسی وجہ سے امت ہمیشہ کے لئے شاہد ومبشر ومنذر کی محتاج ہے، ہر زمانے میں داعی الی اللہ اور ہدایت کے روشن چراغوں کی ضرورت ہے تاکہ امت گمراہ نہ ہو، ظلمتوں میں بھٹک نہ جائے اور مایوس ہو کر خودکشی نہ کرلے یعنی ذلت قبول نہ کرلے، سادہ لوحی کی وجہ سے دشمنوں کے نرغے میں پھنس نہ جائے۔

۸۔ امام حسین علیہ السلام چراغ ھدایت

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" انّ الحسین مصباح الھدی و سفینة النجاة"

"حسین ہدایت کے چراغ اور نجات کی کشتی ہیں"

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے امت کو جاہلیت کی ظلمت سے نکال کر ہدایت کی نورانیت

عطا کی، اسی طرح سید الشہداء علیہ السلام، وارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کو نجات عطا کی، جب ملوکیت اور یزیدیت کی ظلمت ہر طرف چھا گئی، امت کے خیر خواہ مایوس ہو کر چپ سادھ کر بیٹھ گئے، عصر جاہلیت دوبارہ لوٹ کر آ گیا تو پھر امت کو روشن چراغ کی ضرورت پڑی، ہدایت کے اس روشن چراغ نے مٹتے ہوئے اسلام کے آثار کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

نبی کے اس وارث نے مایوس افراد میں امید کی روح پھونک دی، خدا کی طرف سے لوگوں کو دعوت دی کہ اب کوئی یزید اس آواز کو دبا نہیں سکے گا، کربلا اور عاشورا قیامت تک کے لئے امت کی ہدایت کے روشن منارے بن گئے ہیں۔ آج دنیا شاہد ہے کہ جہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کی عزت وحرمت ہے تو وہ حسین بن علی علیہ السلام کی وجہ سے اور سید الشہداء علیہ السلام کے پیروکاروں کی وجہ سے ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا پیغام ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید ہے، پوری بشریت کو نجات کا راستہ بتا رہا ہے، مسلمان ہوں یا غیر مسلم، پوری دنیا کے ستم دیدہ افراد اور قومیں فقط کربلا سے الہام لے رہی ہیں اور یہ ستیز ازلی ہمیشہ جاری رہے گی، ہمیشہ شرار بولہبی کے مقابلے میں چراغ مصطفوی جگمگاتا رہے گا یہ چراغ کبھی بجھے گا نہیں، کیونکہ اس کی روشنی حسین بن علیؑ کے پاک لہو سے نکل رہی ہے البتہ روشن چراغوں اور چمکتے سورج سے روشنی اور ہدایت وہی لے سکتے ہیں، جن کی آنکھیں ہوں اور آنکھوں میں بینائی ہو، ورنہ نابینا چمکتے سورج کے باوجود ہمیشہ تاریکی و ظلمت میں رہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سراج منیر ہو یا وارث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی مصباح الہدیٰ ہو، ان سے نورانیت وہی لے سکتا ہے کہ جن کے اندر بصیرت موجود ہو، جو دل بھی رکھتے ہوں اور بصیرت بھی رکھتے ہوں ان میں سے نہ ہوں جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے:

"وَلَقَد ذَرَأنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الجِنِّ وَالإِنسِ لَهُم قُلُوبٌ لَّا يَفقَهُونَ
بِهَا وَلَهُم أَعيُنٌ لَّا يُبصِرُونَ بِهَا وَ لَهُم آذَانٌ لَّا يَسمَعُونَ بِهَا
أُولَئِكَ كَالأَنعَامِ بَل هُم أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الغَافِلُونَ" (۱)

"ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد کو جہنم کے لئے رکھ دیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں ہیں، آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں ہیں یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں اور یہی تو غافل لوگ ہیں"۔

انہی لوگوں کے بارے خداوند نے فرمایا ہے:

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِم وَ عَلَىٰ سَمعِهِم وَ عَلَىٰ
أَبصَارِهِم غِشَاوَةٌ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ" (۲)

"اللہ نے ان کے دلوں اور سماعتوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ پڑا ہوا ہے"۔

دل کے اندھوں، بصیرت کے نابیناؤں کو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراج منیر سے روشنی ملتی ہے اور نہ ہی سید الشہداء علیہ السلام کے مصباح ہدایت سے، ابولہب وابوجہل، نبوت ورسالت کے چراغ کے قریب رہتے ہوئے بھی گمراہ ہی رہے اور حسینیت کے چراغ بلکہ سورج کے چمکنے کے باوجود بھی دل کے اندھے ظلمتوں میں بھٹک رہے ہیں۔

(۱)۔ الاعراف، آیت ۱۷۹۔

(۲)۔ البقرہ، آیت ۷۔

۹۔ رسول خدا ﷺ رحمة للعالمین

خداوندسبحان نے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

" وَمَا اَرسَلنٰاكَ اِلّاَ رَحمَةً لِّلعٰالَمِينَ " (۱)

''ہم نے آپؐ کو عالمین کے لئے فقط رحمت بنا کر بھیجا ہے''

حضرت رسول اللہ ﷺ بحکم قرآن کریم تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں، عالمین میں انسان بھی ہیں اور دیگر تمام موجودات بھی ہیں، جانور اور غیر جانور، جسمانی و غیر جسمانی، زمینی و سماوی سب ہی موجودات میں شامل ہیں اور آپ کی ذات گرامی سب کے لئے رحمت ہیں۔

رحمت لغت میں اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو کہتے ہیں جس سے کسی کی ضرورت اور احتیاج پوری ہوتی ہو، رحمت، اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ میں سے ہے یعنی اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب رحمت ہے کیونکہ اس سے کسی نہ کسی دوسرے موجود کی ضرورت اور احتیاج پوری ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی مخلوق خلق فرمائی ہے جس سے عالمین کی ضرورت پوری ہوتی ہے، رسول خدا ﷺ، اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہیں کیونکہ آپ ہی کے ذریعے سب موجودات کی احتیاج برطرف ہوتی ہے، انسانوں کی ہر ضرورت پوری ہوتی ہے، سید الشہداء علیہ السلام آپ کے وارث ہیں یعنی" رحمة للعالمین " کے وارث ہیں آپ کے وجود کی برکت سے بھی عالمین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں مادی و معنوی، دنیوی و اخروی، علمی و عملی۔

---

(۱)۔ الانبیاء، آیت ۱۰۷۔

۱۰ ۔ امام حسین علیہ السلام مظہر رحمت خدا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوئے، جن کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتانا چاہا کہ حسینؑ مظہر رحمت خدا ہیں، آپؑ زندگی میں بھی خلق خدا کے لئے رحمت بنے رہے اور شہادت کے بعد بھی حسینؑ مظہر رحمت خدا ہیں، البتہ لوگوں کی احتیاجات اور امتوں کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں کوئی فقط ظاہری، دنیوی اور مادی حاجات رکھتے ہیں سید الشہداء علیہ السلام کے نام سے وہ بھی برطرف ہوجاتی ہیں اور کچھ افراد یا امتوں کی ضروریات اس سے زیادہ عظیم تر ہوتی ہیں سید الشہداء علیہ السلام کے ذریعے وہ بھی حاصل ہوجاتی ہیں جس کا ایک نمونہ انقلاب اسلامی اور ایران کے اندر اسلامی حکومت ہے۔امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ما هر چه داريم از سيد الشهداء داريم یعنی ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے سید الشہداء علیہ السلام کی وجہ سے، یہ انقلاب، حکومت، نظام ولایت فقیہ، دین، حوزہ، روحانیت، عزت، سربلندی سب حسین بن علیؑ کی وجہ سے ہے۔

کربلا کے بارے میں جس کی جتنی شناخت ہوگی اسے اتنا ہی نتیجہ بھی ملے گا کسی کو کربلا سے فقط مال ملتا ہے، کسی کو فیس ملتی ہے، کسی کو ثواب ملتا ہے اور کسی کو انقلاب ملتا ہے، جتنی ظرفیت ہو اتنا ہی صلہ ملتا ہے ہرگز مال پرستوں اور دنیا پرستوں کو کربلا سے آخرت نہیں ملتی اور ہرگز خود خواہوں کو انقلاب نہیں ملتا کیونکہ ”رحمتی وسعت كل شیء“میری رحمت ہر شئی کو شامل ہے مگر ہر ایک کو اس کی ظرفیت اور استعداد کے مطابق شامل ہے، کربلا، رحمت خدا کا ایک جاویدانی سرچشمہ ہے جو ہرگز ختم ہونے والا نہیں ہے، انسانیت کی کئی نسلیں اس سے سیراب ہورہی ہیں اور ہوتی رہیں گی اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مدینہ کی گلیوں میں سید الشہداء علیہ السلام کو کندھوں پر بٹھا کر گھماتے تھے، حسینؑ

جب حالت سجدہ میں پشت رسولؐ پرسوار ہو جاتے تو رسول اللہ ﷺ سجدہ طولانی کر دیتے، حسین علیہ السلام کو اپنی آغوش میں لیکر سب کے سامنے پیار کرتے گویا امت کو اپنا وارث متعارف کروار ہے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے لوگو! جان لو حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں، یہی میری رسالت و نبوت کا وارث، میرے دین کا وارث، میری خاتمیت کا وارث، وحی و قرآن کا وارث، میری عترت و ذریت کا وارث اور میری امت کا وارث ہے، لیکن امت نے وارث رسولؐ کو اتنا ستایا کہ حسینؑ نبی اکرم ﷺ کے مصائب کے بھی وارث ہیں۔

جہاں بھی فضائل ہوتے ہیں مصائب بھی ادھر ہی رخ کرتے ہیں، آپ ﷺ کو جتنے مصائب اٹھانے پڑے کسی نبیؐ نے اتنے مصائب نہیں اٹھائے آپ ﷺ کو جو اذیتیں دی گئیں، تاریخی اوراق ان پر شاہد ہیں، آپؐ خود فرماتے ہیں:

" مَااُوذِیَ نبیّ مِثلُ مَااُوذِیت...... " (۱)

''کسی بھی نبی کو اتنی اذیتیں نہیں پہنچائی گئی ہیں جتنی اذیتیں مجھے پہنچائی گئی ہیں''

آپ ﷺ مجموعہ فضائل اور مصائب ہیں، آپ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ مصائب امام حسین علیہ السلام کو اٹھانے پڑے، لہٰذا حسین علیہ السلام آپ ﷺ سے ہیں اور آپ ﷺ حسین علیہ السلام سے ہیں بلکہ وہ سارے مصائب جو ہر نبی نے الگ الگ برادشت کیئے، امام حسین علیہ السلام نے تن تنہا یکجا برداشت کیئے، لہٰذا امام حسین علیہ السلام مجموعہ مصائب اور فضائل ہیں۔

(۱)۔ بحار الانوار، ج۳۹، ص۵٦۔

۱۱۔مصائب کے نزول کا فلسفہ

اہل بیت النبی ﷺ پر اتنے عظیم مصائب کیوں نازل ہوئے؟ یہ مصائب کے پہاڑ کیوں ان پر ہی ٹوٹے؟ ایسے عظیم مصائب اور غم کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے فرمان کے مطابق اگر دنوں پر نازل ہوتے تو سیاہ راتوں میں بدل جاتے، آپ فرماتی ہیں:

''صبّت عليّ مصائب لو انّها صبّت على الايّام صِرن ليا لياً'' (۱)

مصائب سن کر یا دیکھ کر انسان کے دل پر رقت طاری ہوتی ہے اور احساسات وجذبات بھڑک اٹھتے ہیں، لیکن مصائب کے اندر صرف احساساتی پہلو ہی نہیں ہوتا، بلکہ مصائب کے اندر ایک عظیم معرفت بھی موجود ہے، مصائب کے نزول کا فلسفہ اگر معلوم ہو جائے، ان کا راز و رمز اور حقیقت سمجھ میں آجائے تو پھر انسان مصائب سے دور نہیں بھاگے گا، بلکہ ان مصائب کو گلے لگائے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ مصائب کے نزول کا فلسفہ کیا ہے؟

اس سوال کا ایک سادہ سا جواب دیا جاتا ہے کہ مصائب تقدیر میں لکھے ہوئے تھے لہٰذا یہ ضرور ملنے تھے، اگر نہ چاہتے تب بھی یہ مصائب نازل ہونے تھے، یہ نوشتہ تقدیر ہے، یعنی تقدیر، سرنوشت، قسمت، نصیب اور قضا و قدر کا نام لے کر کوشش کرتے ہیں کہ مصائب کا راز و رمز سمجھ میں آجائے اپنے دل کو تشفی اور تسلی دینے کے لئے، اپنے نفس کو مطمئن اور قانع کرنے کے لئے یہی جواب دیتے ہیں تاکہ یہ سوال بار بار ان کے لئے نہ اٹھے۔

مصائب کے نزول کا فلسفہ

---

(۱)۔ فاطمة الزّهرا بهجة قلب المصطفىٰ، ج ۱، ص ۱۳۲۔

قضاوقدر، تقدیر وقسمت اپنی جگہ حق ہے، قضاوقدر میں کوئی شک نہیں ہے، البتہ اس کا ایک صحیح معنی ہے اور ایک نادرست معنی ہے۔ قضاوقدر کے یہ معنی کہ پیدا ہونے سے پہلے سب کچھ خدا نے تقدیر میں لکھ دیا ہے اور سب کچھ پیشانی میں لکھ دیا ہے کوئی چاہے یا نا چاہے، وہ نوشتہ تقدیر نصیب ہوگا، اگر کسی کے لئے قتل ہونا لکھا ہے، تو وہ ضرور قتل ہو جائے گا، قضاوقدر، قسمت وتقدیر کے یہ صحیح معنی نہیں ہیں، اس لئے کہ قسمت وتقدیر انسان کو مجبور نہیں بناتی، انسان کی تقدیر میں تو خدا نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ انسان اختیار رکھتا ہے، انسان آزاد ہے، انسان کو انتخاب کرنے کا حق دیا ہے:

" اِنّا هَدَیناهُ السَّبیل اِمَّا شاکِراً وَ اِمّا کَفُوراً......" (۱)

انسان کے سامنے دو راستے ہیں، ضلالت وگمراہی کا راستہ اور ہدایت ونور کا راستہ، جس راستہ کو بھی انتخاب کرے اسی پر چلے گا اور یہ اختیار بھی خدا نے ان کو دیا ہے۔ قضاوقدر کے صحیح معنی جو ائمہ معصومین علیہم السلام نے بیان کئے ہیں ذرا تفصیل طلب ہیں جس کا محل یہاں نہیں ہے یہاں پر صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ اہل بیت علیہم السلام پر جو مصائب نازل ہوئے ان میں قضاوقدر کا وہ معنی دخیل نہیں، جو ہمارے ذہنوں میں ہے، اس لئے کہ یہ راستہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اختیار سے انتخاب کیا کیونکہ آپ کو صاف نظر آرہا تھا کہ یہ مصائب کا راستہ ہے، ابن عباس جیسے باہوش لوگوں نے بھی مشورے دیئے کہ آپ عراق نہ جائیں، اس وقت عراق جانا خطرناک ہے، لیکن آپ نے ان سب مشوروں کے باوجود یہ راستہ انتخاب فرمایا، اگر آپ اپنے آپ کو بچانا چاہتے تو بچنا بھی ممکن

---

(۱)۔ الانسان، آیت ۳۔

تھا، جیسا کہ بہت سارے بچ بھی گئے، آپ کی طرح بہت سوں کے سامنے بھی مصائب کا یہ راستہ کھلا ہوا تھا، لیکن انھوں نے اپنی جان بچالی، اگر امام حسین علیہ السلام بھی چاہتے تو اپنی جان بچا سکتے تھے، دوسروں کی طرح آپ کے سامنے بھی دو راستے کھلے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

" انّ الدّعی ابن الدّعی قد ر کزبین اثنتین، بین السّلّة و الذّلة

وهيهات منّا الذّلة

أبى الله ذالك لناو رسوله و المؤمنون ، و جدود، طابت و حجور طهرت،
و انوف حمية ، و نفوس أبية ، لا تؤ ثر طاعة اللّئام على مصارع الكرام..."(۱)

''اس نابکار اور نابکار کے بیٹے نے مجھے دوراہے پر لا کھڑا کر دیا......''

یہ تو عام جملہ ہے کہ جو دوراہے پر کھڑا ہو وہ یا مجبور ہوتا ہے یا مختار ہوتا ہے، آپ کے سامنے دو راستے ہوں، دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کر سکتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں یا مختار سمجھتے ہیں؟ با اختیار انسان اسی کو تو کہتے ہیں، جس کے سامنے دو راستے ہوں، جس پر چلنا چاہے چل سکتا ہے، مجبور وہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے ایک ہی راستہ ہو اور اسے ترک بھی نہ کر سکتا ہو اور اسی راستے پر چلنا اس کے لئے ضروری ہو، لہٰذا سید الشہداء علیہ السلام مجبور نہیں تھے، چونکہ دو راستے آپ کے سامنے موجود تھے، جب کہ دوسرے لوگ بھی مجبور نہیں تھے ان کے سامنے بھی دو راستے تھے۔

(۱)۔ موسوعة كلمات الامام الحسين علیہ السلام، ص ٤٢٣۔

قیامت تک کوئی بھی مجبور نہیں، آج بھی کوئی مجبور نہیں، امام حسین علیہ السلام سے پہلے بھی کوئی مجبور نہیں تھا، امام حسین علیہ السلام کے بعد بھی کوئی مجبور نہیں ہوگا، انبیاء علیہم السلام میں بھی کوئی مجبور نہیں تھا، انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں کوئی مجبور نہیں اور قیامت تک امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی کوئی مجبور نہیں ہے، سب کے سب مختار ہیں، سب کے سامنے دو راستے ہیں اور ان دو راستوں میں ایک وہ ہے جو ذلت کی طرف جاتا ہے اور ایک راستہ وہ ہے جو سلت کی طرف جاتا ہے۔

سلت، شمشیر کھینچنے کو کہا جاتا ہے یعنی ہر امت اور قوم کے سامنے دو راستے ہیں، ذلت کا راستہ اور شمشیر و شہادت کا راستہ، یہ دو راستے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں، جو ملت شمشیر اور شہادت کے راستے پر ہے وہ عزت و آبرو کے راستے پر ہے، جس نے شمشیر و سلت کا راستہ چھوڑ دیا وہ ذلت کے راستے پر ہے، امام حسین علیہ السلام نے جو راستہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ فرمایا:

"......هیهات منّا الذّلة ......"

"حسین علیہ السلام ذلت کا راستہ اختیار نہیں کرسکتا"

اگر چہ مختار ہیں، جیسا کہ دوسروں نے اختیار کرلیا، اگر جان بچانا مقصود ہوتا تو ذلت کی بڑی کھلی سڑک موجود تھی، ذلت کے بڑے وسیع اور آرام دہ راستے ہیں، ذلت کی شاہراہوں پر آسائش کا سامان بنا ہوا ہے، جگہ جگہ ہوٹل، جگہ جگہ سایہ ہے، درخت لگے ہوئے ہیں، ٹھنڈا پانی اور صاف ستھری نہریں ہیں، ذلت کا راستہ اتنا وسیع ہے کہ اگر پوری کی پوری انسانیت ذلت کے راستے پر چلنا شروع کردے تو یہ راستہ ان پر تنگ نہیں ہوگا، جیسا کہ لوگ چل رہے ہیں، لیکن آبرو اور عزت کے راستے میں مصائب اور مشکلات ہیں، آس پاس ٹھنڈے چشمے نہیں، آسائش کا سامان نہیں، بلکہ وہ کربلا

جیسے بیابانوں اور نینوا جیسے ریگستانوں سے گزرتا ہے، اگر اس کے قریب نہر فرات بہہ بھی رہی ہو، تو اس کا پانی عزت کے راستے پر چلنے والوں پر بند کیا جاتا ہے، نہر علقمہ کا صاف وشفاف اور گوارا پانی جسے پرندے اور چرندے پی رہے ہیں، لیکن عزت والوں کو پینے نہیں دیا جاتا ہے، عزت والوں پر دریاؤں کا پانی بھی ممنوع ہو جاتا ہے۔

لہٰذا امام حسین علیہ السلام پر جو مصائب آپڑے، اگر ان سے بچنا چاہتے تو بچ سکتے تھے یہ نہیں کہ آپ کو ان سارے مصائب کا علم نہیں تھا، جناب ام سلمہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمدردی کے طور پر آپ سے عرض کیا، بیٹا آپ عراق نہ جائیے، اگر جانا بھی چاہتے ہو تو ان بچوں اور خواتین کو اپنے ساتھ نہ لے جائیے؛ تو آپ نے فرمایا:

اماں جان! خدا کا ارادہ اور مشیت یہی ہے کہ میں یہ کام انجام دوں کیونکہ خداوند مجھے اس راہ میں قتیل اور انہیں اسیر دیکھنا چاہتا ہے:

"یا امّاہ! قد شاء اللّٰہ عزّوجلّ ان یرانی مقتولاً مذبوحاً......" (۱)

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس یہ سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا تھا اور تقدیر کا لکھا ہوا تو ہر صورت میں واقع ہوتا ہے، اگر سید الشہداء علیہ السلام نہ بھی چاہتے تو یہی ہوتا، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ امام حسین علیہ السلام نے عزت کا راستہ اپنی مرضی سے اختیار کیا، اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام جس دامن میں پلے ہیں، وہ دامن نہایت ہی عزت منداور پاکیزہ ہے۔

---

(۱)۔ موسوعة کلمات الامام الحسین علیہ السلام، ص۲۹۲۔

مصائب کے نزول کا فلسفہ

امام حسین علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ کمالات اور فضائل عطا کئے تھے وہ فضائل ایسے ہیں کہ جس کے پاس بھی ہوں وہ عزت کا ہی راستہ اختیار کرے گا پس یہاں سے ہمیں مصائب کے نزول کا فلسفہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جہاں بھی فضائل ہوں گے وہاں مصائب بھی ضرور ہوتے ہیں۔

۱۲ ۔ اہل بیتؑ محل نزول مصائب

زیارت جامعہ کبیرہ، جو حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منسوب ہے، اس میں آیا ہے:

" السّلام علیکم یا اهل بیت النّبوة، وموضع الرّسالة ومختلف الملائکة، ومهبط الوحی، ومعدن الرّحمة، وخزان العلم، ومنتهی الحلم واصول الکرم وقادة الا مم و اولیاء النعم وعناصر الابرار، و دعائم الا خیار وساسة العباد، وارکان البلاد وابواب الایمان وامناء الرحمٰن وسلالة النبیّین وصفوة المرسلین وعترة خیرة ربّ العالمین ورحمة اللّٰه برکاته......" (۱)

یہ سارے کمالات اور فضائل اہل بیت علیہم السلام کے لئے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام محل رسالت ہیں......

اگر مصائب کو نازل ہونا ہو تو وہاں پر نازل ہوں گے جہاں پر یہ ساری چیزیں اترتی ہیں۔

---

(۱)۔ مفاتیح الجنان، زیارت جامعه کبیره۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ سارے فضائل کسی اور گھرانے میں نازل ہوں اور مصائب کسی اور گھرانے پر نازل ہوں، یہ نہیں ہوسکتا کہ ملائکہ کسی اور گھر میں اترتے ہوں اور مصائب کسی اور گھر میں اتر جائیں۔

۱۳ ۔ مصائب کا فضائل سے گہرا رابطہ

مصائب کا فضائل کے ساتھ گہرا ربط ہے، جہاں فضائل ہوں گے وہاں مصائب بھی ہوں گے، اگر کسی جگہ مصائب نظر نہ آئیں تو سمجھ لیں کہ وہاں کوئی فضیلت ہی نہیں تھی یعنی حقیقت میں، جس سرمایہ سے مصائب خریدے جاتے ہیں وہ سرمایہ فضائل ہے، کسی چیز کے خریدنے کے بدلے کچھ نہ کچھ تو ادا کیا جاتا ہے، لہٰذا مصائب کے خریدنے والوں کے پاس بھی کچھ نہ کچھ سرمایہ ہونا چاہیے تاکہ وہ مصائب خرید سکیں، جس کے پاس مصائب نہ ہوں تو معلوم ہے کہ اس کے پاس مصائب کے خریدنے کا سرمایہ نہیں تھا یعنی فضائل سے بالکل خالی تھا، ورنہ کچھ نہ کچھ تو خرید لیتا۔

فضائل اور مصائب فقط احساساتی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ان کے درمیان ایک طبیعی تناسب اور گہرا ربط موجود ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس جملہ "......الدّعی ابن الدّعی......" میں اس ربط کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس نابکار اور نابکار کے بیٹے نے مجھے عزت اور ذلت کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے، تو عزت فضیلت ہے اور ذلت رذیلت ہے، امام حسین علیہ السلام جو امام عزت ہیں عزت کے راستے پر جائیں گے، جس میں مصائب ہی مصائب ہیں، مصائب، فضائل کے مقابلے میں نہیں بلکہ مصائب کی ضد آسائش، آرام وسکون ہے، فضائل کی ضد رذائل ہیں، فضائل اور مصائب

ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں بلکہ فضائل اور مصائب کا ربط ماں بیٹے جیسا ہے، فضائل ماں کی حیثیت رکھتے ہیں، مصائب فرزند کی حیثیت رکھتے ہیں، فضائل، مصائب کو جنم دیتے ہیں، آگے چل کر یہ ربط بخوبی واضح ہو جائے گا۔

۱۴ ۔ مصائب اور آفات میں فرق

مصائب اور عذاب و آفات میں فرق ہے، بہت سے لوگوں پر خدا کی طرف سے آفتیں نازل ہوتی ہیں، عذاب اور سزائیں ملتی ہیں، عذاب وہ ہے، جس سے انسان جان چھڑانا بھی چاہے تو اس کا دامن نہیں چھوڑتا، انسان چاہے یا نہ چاہے، عذاب نازل ہوگا، جیسے خشک سالی، قحط، زلزلے، سیلاب، کالی آندھی، امراض اور وبائیں، مہنگائی اور ظالم حکمرانوں کا ظلم و ستم وغیرہ یہ سب بلائیں اور آفتیں ہیں، ان میں سے بعض صرف آفتیں ہیں عذاب نہیں، ان کے نزول میں ہماری پسند کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے، اگر ہم نہ بھی چاہیں تو یہ آفتیں نازل ہوتی ہیں۔

پہلا فرق یہ ہے کہ مصائب اس دکھ اور تکلیف کو کہا جاتا ہے جسے انتخاب کیا جائے اور پسند کرنے کے بعد نازل ہو، انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت میں سے یہ ہے کہ انھوں نے خود مصائب کا رخ کیا، اگر یہ مصائب نازل ہوتے ہیں تو ان پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ انھوں نے خود اپنے لئے مصائب کا راستہ چن لیا، ایک ایک معصوم کی سیرت پر نگاہ کریں، تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک نے خود جا کر یہ مصائب جھیلنا انتخاب کیا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مصائب شرف کی دلیل ہیں، عذاب اور آفتیں پستی اور بدعملی کا نتیجہ ہیں،

اگر کسی امت پر عذاب نازل ہوتا ہے، تو ان کے اعمال کی وجہ سے ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ مصائب جھیلنے سے انسان کامل سے کامل تر ہو جاتا ہے جبکہ عذاب اور آفتوں سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ عذاب اور آفتیں قہرِ الٰہی کا نتیجہ ہیں، جبکہ مصائب رحمت الٰہی کا نتیجہ ہیں اس لئے کہ مصائب ان فضائل کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے ان کو عطا کئے ہیں مثلاً خدا کی راہ میں قتل ہونا، یہ سعادت ہے اور رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور سعادت نہیں ہے۔

۱۵۔ فضیلت کی تعریف

خداوند عالم نے مخلوقات کو خلق کیا، لیکن یوں نہیں کہ خلق کرتے ہوئے سب کو کامل بنا دیا، بلکہ ان کو ناقص اور ادھورا بنایا تا کہ وہ خود تکامل کی راہ پر چل کر اپنے ادھورے پن کی تکمیل کریں، خدا نے ادھورے پن کو دور کرنے کی صلاحیت انسان میں رکھی ہے تا کہ اس صلاحیت کو بروئے کار لا کر کامل سے کامل تر بنتا جائے، مثلاً جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت سی چیزوں کے اعتبار سے وہ ناقص ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ سمجھتا ہے، نہ اس کی عقل کام کرتی ہے، یہ ادھوری اور ناقص مخلوق ہے، آہستہ آہستہ اپنے نقص کو برطرف کرتی ہے اور جس چیز کے حاصل ہونے سے اس کا نقص برطرف ہو جائے یہ اس کے لئے فضیلت ہے، فضائل وہ کمالات ہیں جو کسی چیز کے ادھورا پن کو برطرف کر کے اسے کارآمد بناتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ ہم کسی چیز کوفضیلت اور کمال سمجھیں اور اپنے نقص کواس کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کریں، لیکن وہ حقیقت میں فضیلت نہ ہو، لہٰذا اس سے کوئی بھی نقص برطرف نہیں ہوگا، مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق فلاں خاندان سے ہے، ہم راجاؤں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو کیا راجاؤں کے خاندان سے ہونا، کسی سردار کے خاندان سے ہونا، کسی قوم اور قبیلے سے ہونا، کسی نسب سے ہونا، یہ فضائل اور کمالات ہیں؟ کیا ان سے کسی کا نقص اور ادھورا پن دور ہوتا ہے؟

اس سے ناقص انسان اور بھی ناقص تر ہوتا ہے؛ لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"من أبطأ به عمله لم یسرع به نسبه و فی روایة اخریٰ من فاته حسب نفسه لم ینفعه حسب آبا ئه" (۱)

''جسے عمل پیچھے ہٹائے اسے نسب آگے نہیں بڑھا سکتا، ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جسے ذاتی شرف ومنزلت حاصل نہ ہو، اسے آبا واجداد کی منزلت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی''

جس کو اس کے اعمال نے کوئی فائدہ نہیں دیا یقین جان لیں کہ اس کے اسلاف (اجداد) کی بوسیدہ ہڈیوں سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا یعنی اگر کوئی اپنے نقص کو خود اعمال صالحہ کے ذریعے برطرف نہ کرسکے تو اسلاف واجداد کی بوسیدہ ہڈیاں اس کی مدد نہیں کرسکتیں، حالانکہ عربوں میں یہ چیزیں فضیلت سمجھی جاتی تھیں، عرب کثرت افراد اور بڑے خاندان کو بڑی فضیلت سمجھتے تھے، لہٰذا قرآن کریم نے ان کو متنبّہ کرنے کی خاطر ارشاد فرمایا:

---

(۱)۔ نہج البلاغہ، حکمت ۳۸۹ ۔

" اَلهٰكُمُ التَّكاثُرُ حَتّٰى زُرتُمُ المَقابِرَ ـ" (۱)

تم کثرت طلبی اور خاندان پر فخر کرنے میں اتنا مشغول ہو گئے ہو کہ جب تم ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر اتراتے ہو، فخر و مباہات اور ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلانا شروع کرتے ہو تو اس قدر آگے نکل جاتے ہو کہ زندوں کو گن گن کر تھک جاتے ہو، تو نوبت قبروں تک آ جاتی ہے اور تم مردوں کو بھی گننا شروع کر دیتے ہو، بہت ساری چیزیں ہیں کہ ہم ان کو فضائل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ فضائل نہیں ہوتے ہیں اگر کسی کو ایک پوسٹ مل گئی، کسی کو مینجر (Manager)، کسی کو ڈائریکٹر (Director)، کسی کو پرنسپل (Principal) کہا گیا تو یہ فضائل نہیں بلکہ یہ تو ذمہ داریاں ہیں ہم نے الفاظ کو فضائل سمجھا ہے، آج کل تو جیبوں میں فضائل سے بھرے ہوئے کارڈ پڑے ہوئے ہوتے ہیں ہر آدمی اپنی فضیلت کا کارڈ نکال کر دوسرے کو دے دیتا ہے، مختلف سائز کے خوبصورت کارڈ، مختلف عناوین سے مزیّن ہوتے ہیں شاہ صاحب، خان صاحب، ڈاکٹر صاحب، پرنسپل صاحب، علامہ صاحب، حضرت آیت اللہ......وغیرہ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" اِن هِیَ اِلَّآ أَسمٰاءٌ سَمَّیتُمُوهَا...... " (۲)

یہ تو فقط نام ہیں جو تم نے اپنے لئے رکھ لئے ہیں، یہ تو فضائل نہیں، فضائل کا معیار کلمے یا الفاظ نہیں بلکہ فضائل کا معیار یہ ہے کہ جس سے انسان کا ادھورا پن دور ہوتا ہو، جس سے انسان کے اندر

(۱)۔ التکاثر، آیت ۱،۲۔

(۲)۔ النجم، آیت ۲۳۔

کوئی نقص اور کمی برطرف ہوتی ہو، مثلاً علم ایک فضیلت ہے اس علم کے نتیجہ میں انسان کا نقص یعنی جہالت برطرف ہو جاتی ہے، عفت، حیا، شجاعت، حکمت و دانائی، غیرت و حمیّت اور ایثار و قربانی یہ سب فضائل ہیں ان سے انسان کا نقص برطرف ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ فضائل کا معیار

اگر فضائل کا معیار دیکھنا ہے، اگر صاحب فضیلت شخصیت ڈھونڈنی ہے، تو یہ نہ دیکھو کہ جس کی حویلی بڑی ہے وہ سب سے بافضیلت ہے، بلکہ اس حویلی کے اندر رہنے والی مخلوق کو دیکھو کہ آیا یہ ادھوری مخلوق ہے یا کامل مخلوق ہے، مدینے میں لوگوں نے بڑی بڑی حویلیاں بنائی ہوئی تھیں اتنی اتنی بڑی حویلیاں کہ کئی کئی کنال کے صرف اصطبل تھے کہ جہاں پر ہزاروں کی تعداد میں ان کے جانور باندھے جاتے تھے، اتنے بڑے جب ان کے اصطبل تھے تو ان کی رہائشگاہیں کیا ہوں گی؟ لیکن اسی مدینہ کے اندر کھجور کے پتوں کا ایک جھونپڑا بھی تھا، جس کے اندر کائنات کے بافضیلت ترین افراد رہتے تھے اگر بڑی حویلی میں اصطبل کے اندر گھوڑے، گدھے اور بھیڑ بکریاں، باندھی ہوئی ہوں، تو بڑی زمین اور بڑی حویلی ان جانوروں کو انسان نہیں بنا دیتی، وہ وہی رہتا ہے جو کہ پہلے سے تھا، جانور، جانور ہی رہتا ہے۔ اگر مدینہ کے اندر سب سے زیادہ بافضیلت انسان کو ڈھونڈنا ہے تو یہ نہ دیکھو کہ حویلی کا رقبہ کتنا تھا، مال کتنا تھا؟ بلکہ اندر رہنے والی مخلوق کو دیکھنا ہوگا، ممکن ہے بڑی حویلی کے اندر ایک ادھورا انسان رہتا ہو، بلکہ انسان نما رہتا ہو اور ادھر کھجوروں کے پتوں سے بنی ہوئی جھونپڑی میں نہ صرف ایک انسان رہتا ہو بلکہ انسانوں کا امام رہتا ہو۔

۱۷ ۔ انسان کی ترقی کا معیار

کہا جاتا ہے کہ انسان نے بڑی ترقی کر لی وہ انسان جو کسی دور میں گدھوں پر بیٹھتا تھا، آج فضاؤں میں سفر کر رہا ہے، آج دریاؤں، خلاؤں اور فضاؤں کو تسخیر کر رہا ہے، یہ گدھوں پر سفر کرنے والا آج دیگر کرّات آسمانی کو مسخر کر رہا ہے، اگر ایک سوار گدھے پر بیٹھا ہوا ہو، یہی سوار تھوڑے دن کے بعد گدھے کے بجائے گھوڑے پر بیٹھ گیا ہو اور پھر یہی سوار گھوڑے سے اتر کر ہاتھی پر چڑھ بیٹھے، تو سوار وہی ہے سواری بدل گئی ہے، اگر یہی سوار ہاتھی سے اتر کر ٹانگے پر بیٹھ جائے، پھر ٹانگے سے اتر کر گاڑی پر چڑھ بیٹھے تو سوار وہی ہے سواریاں بدل گئیں، اگر گاڑی سے اتر کر جہاز پر چڑھ بیٹھے، تو سوار وہی ہے فقط سواری بدل گئی، مشاہدہ کریں کہ انسان ترقی کر گیا یا زمانے کے مطابق سواریاں بدل گئی ہیں انسان کسے کہا جاتا ہے؟ یہ دو ٹانگوں والا انسان ہے یا چار پہیوں والا انسان ہے؟ اگر چار پہیوں والے کو انسان کہتے ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ انسان ترقی کر گیا ہے، لیکن اگر دو ٹانگوں والے کو انسان کہتے ہو، تو یہ تو وہیں کھڑا ہوا ہے جہاں گدھے اور گھوڑے پر بیٹھتا تھا۔

انسان کی ترقی اس وقت ہوگی، جب اس کے اندر فضائل آجائیں گے، اس کی ترقی اس وقت ہوگی، جب اس کا نقص برطرف ہو جائے گا، جب اس کی جہالت برطرف ہو جائے گی، انسان تو جس دن گھوڑے اور خچر پر بیٹھتا تھا آیا عالم تھا یا جاہل؟ حالانکہ جس زمانے میں انسان گدھوں اور گھوڑوں پر بیٹھتا تھا اس زمانے کا نام زمانہ جاہلیت رکھا گیا ہے، تو کونسا کام ہے جو جاہلیت میں ہوتا تھا آج نہیں ہوتا ہے؟ جاہلیت میں خواہ مخواہ کی باتوں پر خونریزیاں اور جھگڑے ہوتے تھے، تو بتاؤ اس زمانے میں جھگڑے زیادہ ہوتے تھے یا آج زیادہ ہوتے ہیں؟ قوم پرستی دورِ جاہلیت میں زیادہ

تھی یا آج زیادہ ہے؟ جاہلیت میں اگر بچوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، اس وقت تو بدن زندہ درگور کئے جاتے ہیں، آج تو بچوں کی روح زندہ درگور کی جاتی ہے، تو جہالت اس زمانے میں زیادہ تھی یا آج زیادہ ہے؟!

یہ درست ہے کہ صنعت ترقی کر گئی ہے لیکن آج کا انسان زمانہ جاہلیت کے دور سے کہیں زیادہ پست تر ہو گیا ہے، ٹیکنالوجی (Technology) میں اتنا آگے نکل گیا ہے کہ ایٹمی طاقت بن گیا ہے، لیکن فکری لحاظ سے اتنا پیچھے ہے کہ گائے کے پیشاب کو مقدس سمجھتا ہے، آج کی خونریزیاں دیکھیں، امریکا اور اسرائیل کے ہاتھوں بے گناہ مسلمانوں کی آبروریزیاں، قتل و غارت اور دہشت گردی، اس قدر زیادہ ہوگئی ہیں کہ تاریخ میں کسی دور میں ایسا نہیں ہوا ہے، عراق اور فلسطین میں ہر روز قتل و غارت، رعب و وحشت اور دہشت گردی ہے، اگر یہ جاہلیت نہیں تو پھر جاہلیت ہے کیا؟! بے پناہ مسلمانوں کے سروں پر ٹنوں کے حساب سے بم گرانا، ان کے گھروں کو مسمار کرنا، ابوغریب کے زندان میں قیدیوں کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھنا، کیا یہ ترقیاں ہیں؟ تیل کی خاطر خون بہایا جاتا ہے، عراق کے مظلوم عوام کے ساتھ آج کل جو ہو رہا ہے کیا یہ انسان کی ترقی کی علامت ہے؟!

اگر جہالت ادھورے پن کا نام ہے تو اس وقت کا سوار بھی ادھورا تھا اور آج راکٹ پر بیٹھا ہوا بھی ادھورا ہے، اس کا ادھورا پن ان گاڑیوں، حویلیوں، بلڈنگوں، مصنوعات، ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سے دور نہیں ہوگا، اگر انسان کو اپنا ادھورا پن دور کرنا ہے، تو وہ صرف فضائل سے ہوگا اور فضائل بھی اس کو دروازہ فضیلت سے ملیں گے، تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضائل کے شہر ہیں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہیں۔

" انا مدینة العلم و علی بابها ......" (۱)

اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ علم تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، جہاں علم ہوگا وہاں سارے فضائل بھی ہوں گے، انسان جب تک درِ فضائل پر نہ آئے اس کا ادھورا پن ختم نہیں ہوگا، اس کا نقص برطرف نہیں ہوسکتا، اگر انسانیت کو بچانا ہے، اگر جاہلیت کو دور پھینکنا ہے، اگر اپنے آپ کو فضائل سے آراستہ کرنا ہے، اگر ترقی کا معیار سمجھنا ہے، تو درِ اہل بیتؑ پر آکے کھڑے ہوجائیں اور اس شہرِ فضائل کے اندر داخل ہوجائیں، تو اس وقت ترقی کا معیار بھی معلوم ہوجائے گا اور فضائل کا معیار بھی، اس وقت انسانیت بھی بچ جائے گی اور جاہلیت کا بھی خاتمہ ہوگا، ترقی کا صحیح مفہوم اس وقت سامنے آئے گا، جب پوری دنیا پر عدل کی حکومت قائم ہو، عدل کی حکومت اس وقت قائم ہوگی جب امام زمانہ عج تشریف لائیں گے، اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ درِ اہل بیتؑ پر آنا شروع کردیں گے۔

۱۸۔ فضائل کی خاصیتیں

بعض چیزوں کی اپنی خاصیت ہوتی ہے، فضائل کے اندر بھی اپنی خاصیتیں ہوتی ہیں مثلاً علم ایک فضیلت ہے تو اس کی بھی اپنی خاصیت ہے، اگر دیکھنا ہے کہ یہاں پر علم ہے یا نہیں، تو خاصیتوں کو دیکھا جائے، اگر علم کی خاصیت موجود ہے تو علم ہوگا، ورنہ نہیں، مثلاً اب ہمارے ملک میں کھانے

(۱)۔ وسایل الشیعه، ج۲۷، ص۳٤، کتاب القضاء، باب ٥ حدیث ۳۳۱٤٦۔

پینے کی چیزیں ناقص بنائی جارہی ہیں ناقص چائے، ناقص گھی یہاں تک کہ دوائیاں بھی ناقص بنائی جاتی ہیں، انسان جب دکان پر جاتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اسے خریدوں یا نہ خریدوں، کہیں یہ ناقص نہ نکل آئے، شکل وشمائل میں تو گھی لگتا ہے، لیکن کیا معلوم کہ اس میں سارا تیل ہو، انسان ڈرتا ہے اس کے کھانے سے کہیں مجھے کوئی بیماری نہ لگ جائے، ضروری نہیں کہ جو شکل وشمائل میں گھی لگتا ہو وہ حقیقت میں بھی گھی ہوگا، بلکہ حقیقت میں یہ اس وقت گھی ہوگا جب اس میں گھی کی خاصیت پائی جاتی ہو۔

پس خاصیتیں دیکھ کر چیزوں کو پہچانا جاتا ہے، شکلیں دیکھ کر کبھی بھی ان پر اعتماد نہ کرنا، یہ نہ کہنا پیکنگ (Packing) اس کی بہت اچھی ہے، پرنٹ (Print) اس کا بہت اچھا ہے، پیکنگ (Packing) دیکھ کر کبھی بھی دھوکے میں نہ آنا، آج کل ایسی کمپنیاں بنی ہوئی ہیں، جن کا کام صرف پیکنگ (Packing) ہوتا ہے، وہ پیکنگ میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، پیکنگ (Packing) سے لوگ دھوکہ میں آتے ہیں، اسی طرح بعض انسان بھی اپنی ایسی پیکنگ (Packing) کروالیتے ہیں کہ دیکھنے والے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر بہت زیادہ فضائل موجود ہیں، لیکن حقیقت میں اس کے اندر فضیلت کی کوئی خاصیت موجود نہیں ہوتی، وہ فضائل سے خالی ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کھانے پینے کی چیزوں کے لئے خاصیت معیار ہے تو فضائل اور کمالات کے لئے بھی خاصیت ہی معیار ہے، فضائل اپنی خاصیتوں سے پرکھے جاتے ہیں۔

۱. علم کی خاصیت

علم کی خاصیت جو قرآن نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

"اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمَاءُ ......" (۱)

جہاں علم ہوگا، جہاں عالم ہوگا، وہاں خوف خدا ہوگا، اگر یہ خاصیت پائی جاتی ہے تو سمجھ لو کہ یہاں حقیقت میں علم ہے، اگر یہ خاصیت نہ ہو تو اس سے پناہ مانگو اور اس سے پناہ مانگنے میں سیرت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرو، اس لئے کہ سب سے پہلے جس شخص نے ایسے بے خاصیت علم سے پناہ مانگی وہ ذات گرامی رسول اللہ ﷺ ہیں، آپؐ فرماتے ہیں:

"اللّٰهمّ انّی اعوذبك من علمٍ لا ینفع......" (۲)

"اے پروردگار! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو فائدہ نہیں دیتا"

یہی رسول اللہ ﷺ جب دعا مانگتے ہیں تو فرماتے ہیں:

"......رَبِّ زِدنِی عِلماً......" (۳)

"اے اللہ میرے علم میں اضافہ کر"

لیکن ایسے علم سے پناہ مانگتے ہیں جس میں علم کی خاصیت نہ ہو۔

فضائل کی خاصیتیں

---

(۱)۔ فاطر، آیت ۲۸۔

(۲)۔ مفاتیح الجنان

(۳)۔ طه، آیت ۱٤٤۔

۲. شجاعت کی خاصیت

شجاعت ایک فضیلت ہے جس کی خاصیت اوراثر احادیث میں بیان کیا گیا ہے:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

" اشجع النّاس مَن غلب هواه" (۱)

''سب سے زیادہ شجاع اور بہادر انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات نفسانی پر غالب آئے''

جو اپنے نفس سے شکست کھائے اور جو خواہشاتِ نفسانی کا غلام بن جائے، اس میں شجاعت نامی کوئی چیز موجود نہیں ہے، لہٰذا شجاع انسان وہ نہیں جو دیکھے بھالے بغیر ہر مومن کے گلے پڑ جاتا ہے، جس سے کسی کی عزت، ناموس اور جانیں محفوظ نہیں، جس نے دنیا کا امن برباد کر دیا ہو، یہ شجاعت نہیں بلکہ درندگی ہے، بعض اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتے ہیں، کہتے ہیں ہماری تو یہ بہادری ہے کہ ہم بس منہ پہ بات کرتے ہیں، ہم سب کے عیب کھل کے سامنے بتا دیتے ہیں۔ عجب! اتنے شجاع ہو تم، حالانکہ خداوند خود فرما رہا ہے کہ: میں ''علیم بذات الصّدور'' ہوں، لوگوں کے باطن سے بھی آگاہ ہوں، مجھے سب چیزوں کا علم ہے، لیکن اس کے باوجود بھی میں نے لوگوں کے عیبوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اپنا نام ''ستار العیوب'' بنا دیا یعنی عیب چھپانے والی ذات، جب خدا عیب چھپاتا ہے تو تجھے کس نے حق دیا کہ کسی کے عیب کو اس کے منہ پر آ کر بیان کرے، یہ تو شجاعت نہیں یہ رذیلت ہے۔

شجاعت کی خاصیت یہ ہے کہ انسان ایسے موقع پر میدان میں اترے جہاں پر اس کو اترنا ہے

(۱)۔ من لا يحضره الفقيه، ج٤، باب(١٧٦)، باب النوادر۔

اور ایسے موقع پر چپ رہے، جہاں پر اس کو چپ رہنا ہو، شجاعت کبھی سینے پر چڑھنے کو کہتے ہیں اور کبھی سینے سے اترنے کو کہتے ہیں، لہٰذا امیر المؤمنین علیہ السلام نے جب عمرو ابن عبدود کو زیر کیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے تو یہ بھی شجاعت ہے، لیکن جونہی اس نے گستاخی کی تو امیر المؤمنین علیہ السلام اس کے سینے سے اتر کر دور ہو گئے، وہ حیران ہو کر کہنے لگا یہ کیوں؟ تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: میں تجھے خدا کی رضا کی خاطر قتل کر رہا تھا لیکن جب تو نے میری توہین کی تو میں نے تجھے چھوڑ دیا، کیونکہ اب تجھے قتل کرنے میں میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہو جاتا، میں کچھ مدت کے لئے تجھ سے دور کھڑا ہوں تا کہ میرا غصہ ختم ہو جائے، پھر میں تجھے خدا کی خوشنودی کیلئے قتل کروں، لہٰذا امیر المؤمنینؑ نے دوبارہ اسے زیر کر کے قتل کیا، یہ بھی شجاعت ہے، سچ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام دروازہ فضائل ہیں، شجاعت آپ کے گرد گھومتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے شجاعت لینی ہے تو شجاعت باورچی خانوں اور بڑی بڑی حویلیوں سے ہاتھ نہیں آتی، کسی ادیب نے کیا خوب کہا ہے:

''قوت حیدر ز مطبخ نبود''

قوت حیدر باورچی خانے سے حاصل نہیں ہوئی

یا بقول علامہ اقبالؒ

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری (۱)

---

(۱)۔ کلیات اقبال، ص ۲۵۲۔

اس کے لئے بہترین شاہد آپؑ کا یہ فرمان ہے:

"الا و انّ لکلّ ماموم اماماً یقتدی به و یستضئ بنور علمه الا و ان اما مکم قد اکتفی من دنیاه بطمریه و من طعمه بقرصیه...... و کانی بقائلکم یقول اذا کان هذا قوت ابن ابی طالب فقد قعدبه الضعف عن قتال الاقران و منازلة الشجعان الا و ان الشّجرة البرية اصلب عودا......" (۱) "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نورِ علم سے کسب ضیا کرتا ہے۔ دیکھو تمہارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دنیا کے ساز و سامان میں سے دو پھٹی پرانی چادروں اور کھانے میں دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کہے گا کہ جب ابن ابی طالبؑ کی خوراک یہ ہے تو ضعف و ناتوانی نے اسے حریفوں سے بھڑنے اور دلیروں سے ٹکرانے سے بٹھا دیا ہوگا، مگر یاد رکھو کہ جنگل کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے......"

حیدر کا زور بازو باورچی خانہ کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ جب آپ نے بابِ خیبر کو اکھاڑ کے پھینکا، تو فرمایا:

" واللّٰه ما قلعت باب خیبر... بقوّة جسديّة ولا حركة غذائية لكنّي أُيّدت بقوّة ملكوتيّة و نفس بنور ربّها......" (۲)

(۱)۔ نہج البلاغہ، مکتوب ٤٥۔

(۲)۔ بحارلانوار، ج ۲۱، ص۲٦۔

فضائل کی کائنات

''خدا کی قسم میں نے خیبر کے دروازے کو جسمانی قوت سے نہیں بلکہ رحمانی قوت کے ساتھ اکھاڑا ہے''۔

لہٰذا شجاعت، درِ شجاعت سے ہی ہاتھ آتی ہے، امیر المؤمنین علیہ السلام دروازہ شجاعت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجاعت کے شہر ہیں۔ پوری کائنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ شجاع کوئی نہیں۔امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

" کنّا اذا احمر البأس اتقینا برسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم یکن احد منّا اقرب الی العدوّ منه......" (۱)

''جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پناہ لیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ دشمن سے قریب تر نہ ہوتا تھا''۔

ایک اور روایت میں ہے:

" اذا احمر البأ س وا حجم النّاس قدّم اهل بیته فوقی بهم اصحابه حرالسّیو ف و الأسِنّةِ ......" (۲)

''رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت علیہم السلام کو آگے بڑھا دیتے تھے اور یوں انہیں سینہ سپر بنا کر اصحاب کو نیزہ و شمشیر کی مار سے بچاتے تھے''۔

(۱)۔ نهج البلاغه، حکمت ۹۔

(۲)۔ نهج البلاغه ، مکتوب ۹ ۔

۳۔ غیرت کی خاصیت

غیرت ایک فضیلت ہے اس کی اپنی ایک خاصیت ہے، اپنے حریم کے اندر کسی غیر کو برداشت نہ کرنا اور دوسرے کی حریم میں قدم نہ رکھنا، اپنی ناموس کا دفاع کرنا اور دوسروں کی ناموس پر تجاوز نہ کرنا، یہ غیرت کی خاصیت ہے۔

ہم نے جس چیز کا نام غیرت رکھ دیا اس کو غیرت نہیں کہتے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ مرد کی غیرت یہ ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دے، لیکن خود بے لگام ہے جہاں مرضی ہے چلا جائے، ہر گلی میں بیٹھا ہوا ہو، ہر ایک کی ناموس کے پیچھے جا رہا ہو اور اپنی عورت کو گھر میں بٹھا کے رکھا ہو تو لوگ اس کو بڑا غیرتمند سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غیرت نہیں ہے، یہ جارحیت ہے، یہ بے غیرتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مازنی غیور قطّ......" (۱) "غیرت مند کبھی زنا نہیں کرتا"

غیرتمند دوسروں کی ناموس کے پیچھے نہیں جاتا بلکہ جس طرح سے اپنی ناموس کا دفاع کرتا ہے دوسروں کی ناموس کا بھی دفاع کرتا ہے۔ اس لئے تو غیرتمند آدمی زنا کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ جس طرح غیر کو اپنی حدود میں برداشت نہیں کرتا، غیر بن کر کسی کی حدود میں داخل بھی نہیں ہوتا، اب حدود کونسی ہیں؟ صرف عورت کا مسئلہ تو نہیں، صرف خاندان، ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا مسئلہ تو نہیں، بے شک یہ بھی ناموس ہیں بلکہ یہ بہت معمولی غیرتیں ہیں۔ یہ تو ہر انسان کی حدود ہیں لیکن

---

(۱)۔ نہج البلاغہ، حکمت، ۳۰۵۔

ان سے بڑھ کراور بھی مقدّس حدود پائی جاتی ہیں۔اور جتنی حدود مقدس ہوتی ہیں اتنا ہی غیر کا وجود برداشت سے باہر ہو جاتا ہے غور فرمائیں، سب سے زیادہ مقدس حد کونسی ہوتی ہے؟ آیا اینٹوں کی بنی ہوئی ؟تمہاری حویلی کی دیوار سب سے بڑی مقدّس حریم ہے؟اگر کوئی چھلانگ لگا کر، غیر بن کے تمہارے گھر میں قدم رکھے تو تمہاری غیرت پہ آنچ آتی ہے۔سب سے زیادہ مقدّس حریم، دین کی ہے اس سے زیادہ مقدّس حریم قرآن کی ہے،اس سے زیادہ مقدّس حریم اہل بیتؑ کی ہے اس سے زیادہ مقدّس حریم خدا کی ہے۔اگر کوئی ان مقدّس ترین حریموں کو پھلانگ دے، تمہارے دین کے اندر آکر رخنہ کر جائے تو یہاں خاموشی اختیار کر لینا، بھلا اس کا نام غیرت ہے؟

دین سب سے بڑی مقدّس ناموس ہے، ماں، بیٹی اور بہن سے بھی زیادہ مقدّس ہے، بلکہ ان سارے مقدّس حریموں کا تقدّس دین کی وجہ سے ہے، لہٰذا غیرت مند وہ ہے جو غیر کو دین کے اندر رخنہ ایجاد نہ کرنے دے، غیر کو دین میں تصرف نہ کرنے دے۔

فضائل کی خاصیتیں

٤۔عزت کی خاصیت

عزت بھی ایک فضیلت ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ عزت والے انسان میں اتنی صلابت، پختگی اور سختی آجاتی ہے اگر اس کی طرف عیب کی نسبت دی جائے تو وہ اس میں رخنہ نہ کر سکے۔لہٰذا عزت وہ نہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے بعض لوگوں کے بارے میں کہا ہے، کہ جب ان کو کہا جائے آؤ، دین خدا میں شرکت کرو۔تو کہتے ہیں ہماری بڑی عزت ہے، محلے، گلی اور معاشرے میں، سب ہمارا احترام کرتے ہیں، ہم بڑے عزیز ہیں، یہاں آکر ہماری عزت کو خطرہ ہے، حالانکہ ہم نے عزت بنا

لی ہے، اس پر بہت محنت کر کے بڑا سرمایا لگایا ہے، کافی وقت لگایا ہے پھر یہ عزت بنی ہے، اپنے آپ کو امام حسین علیہ السلام سے بھی زیادہ عزت مند سمجھتے ہیں اس لئے کہ سب لوگوں نے آپؑ کا احترام نہیں کیا، حقیقت میں یہ گناہ گارانہ عزت ہے جو ان کے آگے حائل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" وَاِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ العِزَّةُ بِالاِثمِ فَحَسبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئسَ المِهَادُ " (۱)

''جب اسے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو گناہگارانہ عزت اس کے اڑے آجاتی ہے''

گناہ گارانہ عزت کو اپنے آگے ڈھال بنا لیتے ہیں۔ پہلے عزت کا معنیٰ تو سمجھ لو، عزت غرور اور تکبر کو نہیں کہتے یہ تو رذائل ہیں، عزت فضائل میں سے ہے، عزیز تمام عیبوں سے پاک و پاکیزہ ہوتا ہے، کوئی عیب عزیز کے اندر جا نہیں سکتا۔ جو رشوت کھا کر کہہ دے کہ میں بڑا عزت مند ہوں، جو دو روپیہ میں پھسل جائے کیا یہ عزت ہے؟ حالانکہ عزیز تو اتنا مضبوط اور سخت ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کئی ملین بھی رکھو، تو وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، اس میں لرزش نہیں آتی، نہ اس کا دل کانپتا ہے نہ بدن۔

عزت کہاں سے انسان کے ہاتھ آسکتی ہے؟ عزت اپنے دروازوں سے مل سکتی ہے، اس منبع سے مل سکتی ہے جس کے پاس یہ عزت موجود ہے، خود خداوند نے اس کا پتہ دے دیا ہے۔

"وَ لِلّٰهِ العِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلمُؤمِنِينَ...... "(۲)

عزت خدا کے ہاں ہے، عزت رسولؐ کے ہاں ہے اور عزت مومنین کے ہاں ہے۔ پس فضائل کو

(۱)۔ البقرہ، آیت ۲۰۶۔

(۲)۔ المنافقون، آیت ۸۔

اپنی اپنی خاصیتوں سے پہچانو اور رذائل بھی اپنی خاصیتوں سے پہچانے جا سکتے ہیں۔

۵۔مصائب وفضائل کی مشترکہ خاصیت

جس شخص کے پاس سارے فضائل موجود ہوں جو عالم ہو اور خدا کے علاوہ کسی سے ڈرتا نہ ہو، تو ہمیں معلوم ہے اس کو نہ ڈرنے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، جو شجاع بھی ہو یعنی تمام خواہشات نفسانی پر اس کو قابو حاصل ہو، جو غیرتمند بھی ہو یعنی غیر کے وجود کو اپنے مقدّس حریم میں برداشت نہ کر سکتا ہو، جو عزت منداور عزیز بھی ہو یعنی اتنا مضبوط اور ٹھوس ہو کہ کوئی رذیلت اس کے اندر آ نہیں سکتی، جس کے پاس یہ متاع گراں بہا ہوگی، جس کے پاس یہ سارے فضائل موجود ہوں اور پھر یہ فضائل اپنی اپنی خاصیت دکھانا شروع کر دیں علم، شجاعت، غیرت اور عزت جب اپنی اپنی خاصیت ظاہر کرنا شروع کریں، تو پھر جو سامنے آئے گا وہ آپ کو صرف ایک ہی انسان ملے گا، وہ کون ہوگا؟ یہ وہ ہوگا جو ستمگروں کے اندر گھرا ہوا ہوگا، جس کی طرف تلواریں اٹھی ہوئی ہوں گی، جس کی طرف نیزے اٹھے ہوئے ہوں گے، جس کی طرف تیر چل رہے ہوں گے، جس کی طرف زبانیں کھلی ہوئی ہوں گی، تہمتیں، بہتان، تیر اور تلواریں سب کا رخ اس کی طرف ہوگا۔

اس انسان کا گناہ کیا ہے؟ گناہ صرف فضائل ہیں، یہ فضائل ہیں جو اس کو آرام سے بیٹھنے نہیں دیتے، لہٰذا فضیلتیں ہمیشہ انسان کو مصائب کے میدان میں لے جاتی ہیں بے غیرت، بزدل، جاہل، بے عزت لوگ ہمیشہ محفوظ ہوتے ہیں، نہایت ہی چین سے سو جاتے ہیں۔

نتیجہ

اس کائنات میں سب سے زیادہ فضائل والی ہستی، ذات گرامی رسول خداﷺ ہیں آپؐ کا علم، آپؐ

کی شجاعت، کائنات میں سب سے زیادہ ہے،آپؐ سب سے زیادہ غیورا ورعزیز ہیں، آپؐ سارے کمالات کا مجموعہ ہیں،سعدی نے کیا خوب کہاہے:

"بلغ العلیٰ بکمالہٖ، کشف الدّجی بجمالہ، حسنت جمیع خصالہ، صلّوا علیہ و آلہٖ" (۱)

اس لئے تو سب سے زیادہ مصائب اوراذیتیں آپؐ کواٹھاناپڑیں کیونکہ آپؐ فرماتے ہیں:

" مااُوذی نبیّ مثل ما اُوذیت" (۲)

حضرت امام حسین علیہ السلام آپؐ کے وارث ہیں،آپؐ کے سارے کمالات کے مالک ہیں،اس لئے تو سب سے زیادہ مصائب امام حسین علیہ السلام پرآپڑے۔ یہاں سے مصائب کا راز ورمز بھی معلوم ہو جا تا ہے،وہ کونسی چیز ہے جوسید الشہداء علیہ السلام کومیدان کربلا میں لے آئی ؟ آیا تقدیر وقسمت لے آئی، آیا کوئی گھیر کے لے آیا، یا مجبور ہوکر کربلا آ گئے؟ امام حسین علیہ السلام مجبور نہیں تھے،تقدیر وقسمت نے آپ کو یہاں تک نہیں لایا، بلکہ آپ کے فضائل آپ کو میدان کا رزار میں لے آئے۔ آپؑ خود فرماتے ہیں:

" انّ الدّعی بن الدّعی قد رکزبین اثنین بین السّلة و الذّلة، و ھیھات منّاالذّلة......" (۳)

یعنی میں ابھی بھی انتخاب کی حالت میں ہوں، ابھی بھی میرے سامنے دوراستے کھلے

---

(۱)۔ کلیات سعدی، گلستان، ص۲۹۔

(۲)۔ بحار الانوار، ج۳۹، ص۵٦۔

(۳)۔ موسوعة کلمات الامام الحسین علیہ السلام،ص٤٢٣۔

ہیں لیکن میں نے شمشیر کا راستہ اختیار کیا، اس لئے کہ یہ دوسرا ذلت کا راستہ ہے، میں تو عزیز ہوں اور عزیز ہونے کی وجہ سے میں نے عزت کا راستہ اختیار کیا ہے، لہٰذا فضائل اور مصائب کا آپس میں گہرا ربط ہے، فضائل ہی مصائب خریدنے کی متاع ہیں۔

۱۹۔ عاشورا کا پیغام

لہٰذا ہمیں عاشورا سے یہی سیکھنا ہے کہ اپنے آپ کو فضائل سے آراستہ کریں، پھر مصائب جھیلنے کے لئے تیار ہو جائیں، اپنے سینے کو گولیوں کے لئے آمادہ کریں، اس ملک میں کافر، فاسق، فاجر، شرابی، کبابی، بدمعاش، اوباش، ہیروئنچی، رشوت خوار اور ظالم سب آزادی سے زندگی بسر کر رہے ہیں، لیکن ان سب کو چھوڑ کر ایک پاک پاکیزہ سینے کو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو یہاں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فضیلت اسی سینے میں موجود تھی، جس کے فضائل عظیم ہوں گے اس کے مصائب بھی بہت عظیم ہوں گے۔

اے محمد حبیب اللہ ﷺ کے وارث تجھ پر سلام ہو

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟
فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ

آٹھویں فصل

۸

وارثِ انبیاءؑ کا وارث کون؟

۱۔ وارثِ حسین علیہ السلام کون؟

۲۔ امام حسین علیہ السلام کے استغاثے کا مقصد

۳۔ استغاثہ حسین علیہ السلام پر لبیک کہنے والے

۴۔ فائدے اٹھانے والے وارث نہیں

۵۔ میراث حسینی کی حفاظت

۶۔ ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ

۷۔ میراث کی حفاظت ابابیل سے سیکھیے

۸۔ غیر ذمہ داری کی سزا

۹۔ زمانے کی تقسیم

۱۰۔ اسلامی اصولوں کے مطابق زمانے کی تقسیم

۱۱۔ حسینیت کا دور

۱۲۔ شب عاشور عہد و پیمان کی رات

۱۔ وارثِ حسین علیہ السلام کون؟

زیارت وارث جسے مختلف مناسبتوں سے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ ہمیں مقام سید الشہداء علیہ السلام بھی معلوم ہو جائے کہ آپؑ وارث انبیاء علیہم السلام ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہم نے سید الشہداء علیہ السلام سے کیا سیکھنا ہے۔

اس کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ہمیں ثواب ملے بلکہ ثواب کے علاوہ یہ زیارت نامہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کو وارث نہ ملتے تو میراث انبیاء علیہم السلام کو مقصد تک پہنچانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر سید الشہداء علیہ السلام کو وارث نہ ملے، تو مقصد حسینی بھی اپنے اصلی مقصود تک نہیں پہنچ پائے گا۔

لیکن وارث امام حسین علیہ السلام کون ہوگا اور اس وراثت کی شرائط کیا ہیں؟ اس وراثت کی شرائط اور اصول وہی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، جن کے پاس میراث انبیاء علیہم السلام موجود ہو وہی وراثت امام حسین علیہ السلام کا دعویٰ کر سکتا ہے، یہ وہی لوگ ہیں جو مقصدِ حسینی کے محافظ ہیں، جو مصائب جھیلنے کے عادی ہیں، جو فضائل کے زیور سے آراستہ ہو کر مصائب کے میدان میں کود پڑتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے کانوں میں امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ "ھل من ناصر ینصرنا" کی آواز گونج رہی ہے اور اس استغاثہ پر لبیک بھی کہنے والے ہیں۔

۲۔ امام حسینؑ کے استغاثے کا مقصد

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں ایک صدائے استغاثہ بلند فرمائی:

''هل من ناصر ينصرالذرية الاطهار هل من مجير لأبناء البتول

هل من ذابّ يذبُّ عن حرم الرّسول" (۱)

اس استغاثہ اور مدد طلب کرنے کے مقام اور محل کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ کس وقت سید الشہداء علیہ السلام نے یہ آواز بلند کی؟ اس استغاثہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ہماری مدد کو آئے، اگر شب عاشور، یا جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ استغاثہ ہوتا تو پھر بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابھی انصار اور بنی ہاشم کے جوان زندہ ہیں، خیام ابھی سالم ہیں، لہٰذا جو چیزیں باقی ہیں اور جو لوگ ابھی زندہ ہیں ان سب کو بچانے کے لئے مددگار کی ضرورت ہے، صبح عاشور کو اس معرکہ کے شروع ہونے سے پہلے اگر آپ صدائے استغاثہ بلند فرماتے، تو ممکن ہے کوئی یہ کہتا کہ آپ نے شہادتوں سے بچنے کے لئے، اپنی اولاد اور انصار کو بچانے کے لئے مدد طلب کی ہے، لیکن یہ استغاثہ امام حسین علیہ السلام نے ایسے وقت میں کیا کہ جب بچانے کے لئے کوئی بچا ہی نہیں تھا، انصار، بنی ہاشم کے جوان، اولاد، بھانجے، بھتیجے سب کے سب شہید ہو گئے تھے، ان سب شہادتوں کے بعد آپ نے صدائے استغاثہ بلند کی، وہ بھی عین اس وقت کہ آپ نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے آخری رخصت لے لی تھی، اپنی شہادت سے کچھ لحظہ پہلے استغاثہ کیا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا سید الشہداء علیہ السلام اسی لحظہ کے لئے اور اسی خاص معین

امام حسین علیہ السلام کے استغاثے کا مقصد

---

(۱)۔ موسوعة كلمات الامام الحسين عليه السلام، ص۵۰٦۔

وقت کے لئے ناصر مانگ رہے تھے؟ اگر اس وقت آپ کی صدائے نصرت پر کوئی لبیک کہتے ہوئے آبھی جاتا، تو کیا ہم کہہ سکتے تھے کہ سید الشہداءؑ کی نصرت طلبی کا جواب دیا جاچکا ہے؟ اس لئے کہ استغاثہ سننے پر لوگ آگئے اور انھوں نے آپؑ کی حمایت کی، اگر یہ ہو بھی جاتا کہ جو نہیں ہوا، تو بھی استغاثہ امام حسینؑ اس وقت کے ساتھ منحصر نہیں تھا، لہٰذا آپؑ نے نصرت طلبی کے لئے ایسا وقت انتخاب کیا کہ جہاں پر کسی کا ذہن دائیں بائیں نہ جائے، کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے بچوں کی حفاظت اور اپنے حرم کے دفاع کے لئے فقط نصرت مانگ رہے ہیں۔

اگرچہ آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

"هل من ذاب يذبّ عن حرم الرّسول" (۱)

آیا کوئی ایسا مدافع ہے جو حرم رسول اللہ ﷺ سے آکر دفاع کرے، ناموس رسول اللہ ﷺ کو ان ظالموں کے نرغے سے نجات دلائے، یہ نصرت طلبی ان بچوں اور خواتین کے لئے بھی تھی، لیکن حقیقت میں سید الشہداءؑ جس چیز کو بچانا چاہتے تھے اور جس کے بچانے کے لئے بار بار صدائے استغاثہ بلند کرتے رہے، وہ انصار اور بنی ہاشم کے جوانوں کو بچانا مقصود نہیں تھا، وہ خیام بچانا مقصود نہیں تھا کہ کوئی آکر ان خیام کو جلنے سے بچادے۔ سید الشہداءؑ شب عاشور پیش گوئی کرچکے تھے، شب عاشور میں ایک جان نثار کے پوچھنے پر آپؑ نے بتادیا تھا کہ کل یہ ظالم لوگ آئیں گے اور خیام میں آگ لگائیں گے۔

(۱)۔ موسوعة كلمات الامام الحسينؑ، ص۵۰۶۔

اسی طرح مدینہ سے نکلتے ہوئے آپؑ نے جگہ جگہ اپنی شہادت اور حرم رسول اللہ ﷺ کی اسارت کی خبر دی تھی، جناب امّ سلمہ زوجہ رسول اللہ ﷺ کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

" یاامّاہ! قد شاء اللّٰہ عزوجل ان یرانی مقتولاً مذبوحاً......" (۱)

اماں جان! خدا کا ارادہ اور مشیت یہی ہے کہ خدا مجھے قتیل دیکھے اور ان خواتین کو اسیر دیکھے اور یہ میں نے انتخاب کیا ہے اس لئے کہ ہمارے پاس خدا کی ایک عظیم امانت ہے، اس امانت الٰہی کو تحفظ کی ضرورت ہے، اس سے دفاع کی ضرورت ہے اور یہ امانت بچتی نہیں سوائے اس کے کہ میں اس کی راہ میں شہید ہوجاؤں اور یہ بیبیاں اس امانت کو بچاتے ہوئے اسیر ہوجائیں، یہ وہی امانت ہے جو خداوند عالم نے انسان کو سپرد کی ہے:

" اِنّا عَرَضنَا الاَمٰانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰاتِ وَالاَرضِ وَالجِبٰالِ فَاَبَینَ
اَن یَحمِلنَھا وَاَشفَقنَ مِنھا وَحَمَلَھَا الاِ نسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوماً جَھُولاً " (۲)

ہم نے جب امانت زمین، آسمان اور پہاڑوں کو پیش کی انہوں نے اس امانت الٰہی کو اٹھانے سے انکار کردیا لیکن انسان نے بڑھ کر اسے اٹھالیا، حالانکہ انسان ظلوم اور جہول کو معلوم نہیں کہ یہ کتنی بھاری امانت ہے اسے اٹھانا اور منزل مقصود تک پہنچانا کوئی آسان کام نہیں ہے، اگر یہ امانت اٹھی رہی تو انسان کی عزت و آبرو اسی میں ہے، اگر یہ امانت نہ اٹھائی گئی اور کہیں ضائع ہوکر منزل مقصود

---

(۱)۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص۲۹۲۔

(۲)۔ الاحزاب، آیت۷۲۔

تک نہ پہنچ پائے تو انسان بے آبرو ہو جائے گا اور یہ امر پوری انسانیت کی بے آبروئی کا باعث بنے گا۔خلقِ عالم، زمین و آسمان اور تمام کائنات اس انسان ظلوم وجہول کا تمسخر اڑا کر اس پر ہنسیں گے کہ دیکھو ہم نے تو اسے اٹھانے سے انکار کر دیا،لیکن اس انسان نے اٹھایا اور اٹھانے کے بعد پھر اسے دوبارہ ضائع کر دیا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ یہ امانت اٹھی رہے اور کہیں ضائع نہ ہو جائے ،انبیاء علیہم السلام نے آکر اسے اٹھایا اور منزل مقصود تک پہنچا دیا،انسانیت کی آبرو کا پاس رکھا اس لئے تو تمام انبیاء علیہم السلام امین ہیں اس امانت کو اٹھانے والے ہیں، بالخصوص ہمارے نبیؐ کا تو نام ہی محمد امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑ گیا یعنی یہ امانت اٹھانے کی وجہ سے آپؐ کو امین کا لقب دیا گیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس امانت کو انسان تک پہنچایا،لہٰذا جبرائیل علیہ السلام کو بھی جبرائیل امین کہا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں یا انبیاء علیہم السلام کے لئے جو نام اور القاب رکھے ہیں تو ان کی کوئی مناسبت ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو امین نہیں کہا، اس لئے کہ ان کو کوئی امانت نہیں دی جسے جا کر کہیں پہنچا دیں۔حضرت عزرائیل علیہ السلام کا امانتوں سے سروکار نہیں ہے،جن کا امانتوں سے سروکار ہے وہ امین ہیں،لہٰذا انبیاء علیہم السلام امین خدا ہیں، انھوں نے امانت خدا کو اٹھایا،اس کا دفاع کیا،اب انبیاء علیہم السلام کو وارث چاہیے کہ جو اس امانت کو اٹھا کر اس کی حفاظت کرے اور اسے پورے طور پر ادا کرے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام سے یہ امانت لے کر اسے پہنچانے اور اس کی حفاظت کے لئے یہ راستہ انتخاب کیا۔امام حسین علیہ السلام نے اس امانت کا دفاع کرتے ہوئے ظہر عاشور تک اس کو صحیح وسالم پہنچا دیا، جتنا سرمایہ امام حسین علیہ السلام کے پاس تھا وہ اس کے دفاع میں خرچ کیا،ان آخری لحظوں میں،اپنی شہادت سے ذرا پہلے جب کہ امانت آپؑ کے ہاتھ میں تھی،آپؑ نے اس کے بچانے کے

لئے استغاثہ کیا، مثلاً آپ کے ہاتھ میں علم عزا ہو، یہ وہی امانت ہے، اس علم کے اندر بہت بڑے مفاہیم ہیں، یہ عزت وآبرو کا علم ہے، لہٰذا عزت منداور آبرومند کے ہاتھ میں ہونا چاہیے، یہ عزت آور اور اہل عزت کا علم ہے، یہ ان کا علم ہے جنہوں نے سب کچھ قربان کر دیا، لیکن اپنی عزت قربان نہیں کی۔

جس کے ہاتھ میں یہ علم ہو، جن کے آگے یہ علم ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کاروان عزت جارہا ہے۔ اگر چہ اس راہ میں اسے بڑی سختیاں ہی کیوں نہ جھیلنا پڑ جائیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی آئے، آپ کے ہاتھ سے یہ بہت قیمتی چیز لے رہا ہو۔ آپ نے بھی اس کے دفاع میں خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا، اب جب آپ کو یقین ہو گیا کہ جس ہاتھ میں یہ علم ہے یہ ہاتھ بھی کٹنے والا ہے، یہ آخری گردن بھی کٹنے والی ہے پھر جب آپ ناصر مانگتے ہیں اس لئے نہیں مانگتے کہ میرا یہ ہاتھ بچ جائے، بلکہ اس لئے مانگتے ہو کہ یہ امانت جو میں یہاں تک لایا تھا اور جس سرمایہ سے میں نے اسے بچایا تھا، وہ سرمایہ تو میں لگا چکا، اب میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا، جس سے میں اس کو بچاؤں۔ لہٰذا اب مجھے مددگار چاہیے، جو آکر میرے ہاتھ سے یہ امانت لے لے، اور اسے زمین پر گرنے نہ دے، اسے ضائع ہونے سے بچالے۔

لہٰذا امام حسین علیہ السلام ناصر کے روپ میں وارث مانگ رہے ہیں، کہا کہ میں انبیاء علیہم السلام کا وارث ہوں، اب ایسا وقت آیا ہے کہ مجھے وارث چاہیے، جو اس کو لے کر اپنے مقصود تک پہنچائے۔ پس زیارت وارث پڑھتے ہوئے ساری توجہ ثواب پہ نہ لگی رہے بلکہ اس وقت ہمارے ذہن میں دو چیزیں ہونی چاہیں۔ ایک یہ کہ میں وراثت نامہ پڑھ رہا ہوں، ایک ایسے انسان کا جس نے

انبیاءؑ سے ارث پایا۔اور ایک ایسے وارث کا زیارت نامہ پڑھ رہا ہوں جو اپنے لئے وارث مانگ رہا ہے۔حقیقت میں یہ عہد نامہ بھی ہے یعنی ہم عہد کر رہے ہوتے ہیں کہ جس طرح سے تو نے اے حسین علیہ السلام اس عظیم ارث کو بچالیا،اب ہم تیرے وارث ہیں ہم بھی اسے ضائع نہ ہونے دیں گے۔

پھر زیارت نامہ پڑھنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے گویا ہمارے دستخط ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اس عہد نامہ پر دستخط بھی کئے جیسا کہ عدالتوں میں بعض اوقات کوئی قانون نامہ یا کوئی عہد نامہ پڑھ کر نیچے دستخط کرواتے ہیں اسی طرح یہ دو رکعت نماز اس وراثت نامہ کے لئے بعنوان دستخط ہیں۔

غور فرمائیں !انصار، بنی ہاشم کے جوان، اولاد، بھانجے، بھتیجے سب کے سب شہید ہو گئے تھے، ان سب شہادتوں کے بعد آپؑ نے صدائے استغاثہ بلند کی، وہ بھی عین اس وقت کہ آپؑ نے اپنی بہنوں سے آخری رخصت لے لی تھی۔اپنی شہادت سے کچھ لحظہ پہلے صدائے استغاثہ بلند کی، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا سید الشہداء علیہ السلام اسی لحظہ کے لئے اور اسی خاص معین وقت کے لئے ناصر مانگ رہے تھے؟

۳۔ استغاثہ حسینؑ پر لبیک کہنے والے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں سب کچھ لٹانے کے بعد جب صدائے استغاثہ بلند کی تو معلوم ہوا کہ یہ استغاثہ اپنی جان بچانے کے لئے نہیں تھا بلکہ اس امانت الٰہی کے بچانے

کے لئے تھا جو بچ بھی گئی تھی۔ وہ صدائے استغاثہ نہ اس کربلا کے صحرا میں محدود ہوا، نہ اس دن کے اندر محدود ہوا، بلکہ وہ زمان ومکان کو چیرتا ہوا، صدیوں کو عبور کرتا ہوا، آج اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ جس نے یہ صدا سن لی اور اس عظیم امانت کو پہچان لیا، وہ وارث حسینؑ ہے، وہ کہہ سکتا ہے لبيكَ يا حسينؑ۔

آج اگر دیکھا جائے تو لبنان میں کچھ شیعہ عزادار اور مجاہد جوان اسرائیل کے بارڈر پر کھڑے ہوئے، استغاثہ امام حسینؑ پر لبیک کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں، جن کے سروں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور پٹی پر ایک ہی جملہ لکھا ہوا ہوتا ہے ''**لبيك يا حسينؑ**'' لبیک یعنی کسی کی پکار کا جواب ہے کہ ہاں ہم حاضر ہیں، آج جبکہ چودہ سو سال بعد اسرائیل جیسے رذیل دشمن کے بارڈر پر ہمارے یہ جوان ''**لبيك يا حسينؑ**'' کہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے استغاثہ کی آواز انھوں نے سن لی ہے۔ امام حسینؑ نے جب استغاثہ کیا کہ مجھے وارث چاہیے تو آج پیروئے حسینؑ اپنے سروں پر پٹی باندھ کے اپنے عمل سے لبیک کہہ رہے ہیں۔ توپوں اور ٹینکوں کے سامنے جا کر اپنے عمل سے بتا رہے ہیں کہ اے حسینؑ ہم نے تیری آواز سن لی، یہ آواز ہمارے دل اور کانوں میں اتر گئی، اب ہم تیرے وارث ہیں۔

وراثتوں میں مناسبتیں

کسی سرمایہ دار کا وارث سرمایہ دار ہی ہوگا، کسی کسان کا وارث کسان ہی ہوگا، کسی فقیر کا وارث فقیر ہی ہوگا، کسی عالم کا وارث عالم ہی ہوگا، تو امام حسینؑ کا وارث کون ہوگا؟ اور اسے اس ارث میں کیا ملے گا؟ امام حسینؑ نے کربلا میں بتا دیا کہ مجھے انبیاءؑ سے کیا ملا اور قیامت تک میرے

وارثوں کو جس کی حفاظت کرنی ہے وہ کونسی چیز ہے، کربلا پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام سے ارث میں امانت الٰہی ملے گی، اس کے دفاع کے لئے چند گردنیں، چند سر اور چند سینے ملیں گے، جسے وہ راہ خدا میں ہدیہ کریں گے۔ آج ''لبیك یا حسین علیہ السلام'' کہنے کا حق اس کو ہے کہ جو آج کے دشت نینوا میں کھڑا ہو جائے، عزت حسینی کا راستہ اپنائے اور ذلت کا راستہ چھوڑ دے۔ پھر اپنے سر پر لکھ دے ''لبیك یــا حسیــن علیہ السلام'' اور استغاثہ امام حسین علیہ السلام کا جواب دیتے ہوئے عزتِ قرآن، عزتِ دین اور عزتِ حسین علیہ السلام بچالے۔

لبنان کے بہادر جوانوں نے یہی کیا، وہ اسرائیل جس نے مسلمانوں کو ذلیل کیا اور عربوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا، اس شکست کا داغ رہتی دنیا تک ان کے ماتھے پر لگا رہے گا۔ عربوں کی پیشہ ور فوجیں پوری دنیا کے اسلحے کے ساتھ لیس ہو کر چند صہیونیوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں، لیکن اب ان کا سامنا مٹھی بھر خالی ہاتھ حسینیوں سے ہوا، جب چند مجاھد اور عزادار جوان میدان میں اتر گئے، تو اس قدر راہ عزت پر راسخ رہے اور اس قدر راہ شہادت پر ڈٹے رہے کہ اسرائیل کو بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا، کیا یہ جوان پوری دنیا میں حسینیت، تشیع اور مسلمانوں کی عزت کا باعث نہیں ہیں؟ آیا ان جوانوں کو انصارِ حسین علیہ السلام میں ہم شامل نہیں کر سکتے ہیں؟ یقیناً یہ انصارِ حسین علیہ السلام ہیں اور یہ وارثانِ حسین علیہ السلام ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کو عزت کا راستہ سکھایا ہے۔

٤۔ فائدے اٹھانے والے وارث نہیں

خاکِ کربلا وارث چاہتی ہے، جو آ کر ہمیشہ کے لئے حسینی میراث کی حفاظت کرے، ضروری نہیں جو

خاکِ کربلا سے مستفید ہورہا ہے وارثِ کربلا بھی بن جائے ۔ خاکِ کربلا کے بہت سارے فائدے ہیں، کچھ مالی فائدے ہیں، جو وہاں کی غاصب حکومت اور بعض لوگ اٹھارہے ہیں، کچھ معنوی فائدے بھی ہیں جو مومنین اٹھارہے ہوتے ہیں۔ ابھی بھی کربلا کی سرزمین بہت زرخیز زمین ہے، ایک تو وہی مقتل ہے جس پر ابھی شہر آباد ہے، لیکن اطراف میں بڑے بڑے نخلستان ہیں، باغات ہیں باغوں کے کنارے اچھی اچھی نہریں بہہ رہی ہیں، لہٰذا لوگوں نے کربلا کو آباد کردیا، شہر بنائے، گھر بنائے، ہوٹل بنائے، اسی سے وہ کھاتے بھی ہیں، خاکِ کربلا پر ان کے صبح وشام بسر ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں جو انسان کربلا میں رہتا ہو وہ وارثِ کربلا بھی بن جائے۔

لہٰذا خاکِ کربلا سے ربط پیدا کرلینا، خاکِ کربلا پر جاکر رات دن بسر کرلینا یا خاکِ کربلا سے کوئی چیز اٹھا لینے سے انسان وارث نہیں بنتا، بلکہ دشمنانِ کربلا بھی خاکِ کربلا پر موجود ہیں، اس وقت خاکِ کربلا پر، امام حسین علیہ السلام کے سب سے بڑے دشمن کی حکومت ہے ایسی حکومت ہے(۱) جو تشیع کو نابود کررہی ہے، سفاک ترین حکومت کربلا کے سارے مادی فائدے اٹھارہی ہے، حتی کہ امام حسین علیہ السلام کے زائرین کے لئے ٹیکس لگایا ہوا ہے یعنی خاکِ کربلا پر قدم رکھنے سے بھی فائدے اٹھا رہے ہیں، خاکِ کربلا اگر کُل کی کُل کسی کے اختیار میں آجائے اور وہ اس سے فائدے اٹھانا شروع کردے ضروری نہیں کہ وہ اس کا وارث بھی ہو، ممکن ہے وہ اس سے فائدے تو اٹھارہا ہو، لیکن مقصدِ کربلا کو نابود کررہا ہو۔

---

(۱)۔ صدام کی حکومت مراد ہے۔ (یہ تقریر صدام کی حکومت کے دور کی ہے)

غاصب اور وارث میں فرق یہی ہوتا ہے کہ وارث فائدہ کم اٹھاتا ہے مقصدِ کربلا کو زندہ کرتا ہے، لیکن غاصب اسی خاک سے فائدے اٹھا کر مقصدِ کربلا کو نابود کرنے کے درپے ہوتا ہے۔

خاکِ کربلا تو صرف فائدے کے لئے نہیں، صرف شفا اور تبرک کے لئے نہیں بلکہ اس خاک کے کچھ مقاصد بھی ہیں۔ غاصب ہمیشہ خاکِ کربلا کے مقاصد کا دشمن ہوتا ہے اس کے فوائد کو پسند کرتا ہے، مالِ امام، خمس وزکوٰۃ بھی ایسے ہی ہیں، ضروری نہیں کہ جس کی جیب میں مالِ امام جاتا ہو وہ وارثِ امام بھی ہو، ممکن ہے وہ غاصبِ حق امام زمانہؑ ہو۔

فوائد کے لئے ائمہ علیہم السلام کا ساتھ دینا، صرف فائدوں کے لئے ان سے محبت رکھنا، اس سے کوئی وارث نہیں بن جاتا ہے، بلکہ وارث بننے کے کچھ اصول ہیں، کچھ مقاصد ہیں، لہٰذا جو ان مقاصد کو زندہ کررہا ہو، وہ وارثِ کربلا ہوتا ہے جو بھی امام حسین علیہ السلام کی میراث کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس کی راہ میں قربانی دینے والا ہے، وہ وارثِ حسین علیہ السلام ہے۔

۵۔ میراث حسینی کی حفاظت

حضرت امام حسین علیہ السلام کی میراث وہی انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، یہ میراث بہت سے خطروں سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہے، ہر زمانے میں اس میراث کے دشمن بھی ہوتے ہیں، نمرود، فرعون اور یزید کے زمانے میں جب اس میراث کو خطرہ لاحق ہوا تو صاحبانِ میراث نے بڑھ کر اسے بچالیا، ضروری نہیں کہ اگر ایک دفعہ اسے کوئی بچالے تو ہمیشہ بچی رہے گی بلکہ کسی بھی زمانے میں نمرود، فرعون، یزید اور ابرہہ اٹھ سکتے ہیں اور اس میراث کو تباہ کرسکتے ہیں۔ لہٰذا اب اس کی حفاظت کی

ذمہ داری حسینیوں کی گردن پر آپڑی ہے، جب تک حسینی موجود ہوں گے یہ میراث بچی رہے گی۔

۶۔ ابرهه کا بیت اللّٰہ پر حمله

حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں بیت اللہ کو خطرہ لاحق ہوا، ابرہہ یمن کا حاکم تھا اس نے پہلے اپنی ایک عظیم الشان عبادت گاہ بنائی، پھر لوگوں سے کہنے لگا کہ وہ بیت اللہ الحرام کی طرف نہ جائیں بلکہ میری اس بنائی ہوئی عبادت گاہ کی زیارت کریں اس نے بہت کوششیں کیں کہ لوگ اس کی عبادت گاہ کی طرف متوجہ ہوں تا کہ سارے مالی فائدے یمن آئیں، سارے تجارتی قافلے یمن میں اتریں، وہ یمن کو تجارت کا مرکز بنانا چاہتا تھا، لیکن ہزار کوششوں کے باوجود لوگوں نے اس کی عبادت گاہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ جب تک یہ کعبہ آباد ہے، لوگ یہاں آتے رہیں گے، جب تک اس کو ویران نہ کیا جائے لوگ میری بنائی ہوئی عبادت گاہ کی زیارت کے لئے نہیں آئیں گے۔ لہٰذا اس نے کعبہ کو ویران کرنے کی ٹھان لی، میراث انبیاء علیہم السلام کو ویران کرنے کے لئے اس نے ہاتھیوں کا ایک بڑا لشکر تیار کیا، وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا، اس کے سپاہی رعب و وحشت پھیلانے کے لئے گھومتے رہے، مال مویشیوں کو پکڑ کر ذبح کرتے رہے۔ اتفاق سے حضرت عبدالمطلب کے اونٹوں کا ریوڑ بھی لے گئے۔ مکہ والوں کو جب یہ وحشت ناک خبر پہنچی کہ ہاتھیوں کا بہت بڑا لشکر ابھی شہر پر حملہ کرنے والا ہے، ان کا ارادہ ہے کہ کعبہ کو ویران کر دیں، تو لوگوں نے سارا شہر خالی کر دیا، آس پاس کے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی تا کہ یہ ہاتھی کا لشکر انھیں کہیں کچل نہ دے۔

حضرت عبدالمطلب کو جب خبر ملی کہ ابرہہ بیت اللہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آیا ہوا ہے اور ساتھ ہی ان کے اونٹ بھی پکڑ لئے ہیں۔ حضرت عبد المطلب، ابرہہ سے ملنے گئے، ابرہہ نے پوچھا کون آیا ہوا ہے؟ بتانے والوں نے بتا دیا کہ رئیس قریش، بنی ہاشم کے سردار اور بیت اللہ کے متولی آئے ہوئے ہیں، تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ ابرہہ سمجھا شاید یہ قریش کے سردار مجھ سے مذاکرات کرنے آئے ہیں۔ ابرہہ نے عبدالمطلب سے کہا: کیوں آئے ہو؟ حضرت عبدالمطلب نے بتایا کہ میرے اونٹ آپ کے سپاہیوں نے پکڑے ہیں لہٰذا مجھے اونٹ واپس کر دیں۔

ابرہہ نے جب یہ بات سنی، تو ہنس پڑا! کہنے لگا کہ میں نے سنا ہوا تھا کہ عبدالمطلب بہت بڑی شخصیت اور بہت بڑے سردار ہیں لیکن میں نے تو اسے بہت چھوٹا پایا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا وہ کیسے؟ ابرہہ نے کہا کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تم کعبہ کے محافظ ہو، تم کعبہ بچانے کے لئے مذاکرات کرنے آئے ہو، لیکن کعبہ کے متعلق تو بات تک نہیں کی، تجھے فقط اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے، میں کعبہ کے اوپر تیرے ساتھ مذاکرات کرنے نہیں آیا، میں فقط اپنے اونٹ لینے آیا ہوں، ابرہہ نے کہا کہ تو پھر کعبہ کا کیا بنے گا؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا:

’’انا ربّ الابل وللبیت ربّ...... ‘‘ (۱)

میں اونٹوں کا مالک ہوں، کعبہ کا بھی ایک مالک اور رب ہے، اونٹوں کا مالک تجھ سے اونٹ لینے

---

(۱)۔ فقال له عبدالمطلب:لست برب البیت الذی قصدت لهدمه وانا رب سرحی الذی اخذ اصحابك فجئت اساء لك فیما انار به وللبیت رب هوامنع له من الخلق......بحارالانوار، ج ۱۵، ص ۱۳۱

آیا ہے اور کعبہ کا مالک خود ہی کعبہ بچائے گا۔ ابرہہ بہت خوش ہوا کہ عبدالمطلب کی طرف سے جو خطرہ لاحق تھا وہ بھی ٹل گیا، لہٰذا اب بہت آسانی سے کعبہ کو ویران کر سکتا ہے۔ اس نے اپنی فوج کو حرکت کرنے کا حکم دیا، بہت بڑا لشکر کعبہ کی طرف بڑھنے لگا، ابھی کعبہ کے قریب بھی نہ پہنچ پایا تھا کہ لشکرِ خدا بھی ظاہر ہوا۔ ابابیل کا لشکر چونچوں میں کنکریاں اٹھائے ہوئے، افق پر ظاہر ہوا، ابابیل نے ان کے سروں پر کنکریاں گرا دیں، اس طرح وہ سارا لشکر تباہ ہو گیا اور کعبہ بچ گیا۔

" اَلَـم تَرَ كَيفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصحَابِ الفِيلِ ، اَلَم يَجعَل كَيدَ هُم فِى تَضلِيلٍ وَاَر سَلَ عَلَيهِم طَيراً اَبَابِيلَ ، تَرمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ فَجَعَلَهُم كَعَصفٍ مَأ كُولٍ ـ" (١)

٧۔ میراث کی حفاظت ابابیل سے سیکھئے

ابابیل، پرندوں میں بہت ہی چھوٹا، سب سے زیادہ بزدل اور جھجک والا پرندہ ہے حالانکہ اس سے زیادہ بڑے اور جسور پرندے موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں میں سے ابابیل کو انتخاب کیا، اس لئے کہ اگر کمزور مخلوق بھی خدا پر ایمان رکھتی ہو اور خدا کی نصرت پر یقین ہو اور سب ایک جگہ مل جائیں تو وہ دشمن کو نابود کر سکتی ہے، آج ہم بھی اپنے ہاتھوں میں ایک مٹی کا ڈھیلہ لے کر دشمنِ خدا پر پھینکنا شروع کر دیں تو اسرائیل اور امریکہ نابود ہو جائیں گے۔

کمزور مخلوق کو فیل کے لشکر سے لڑنے کے لئے انتخاب کرنا کمزور لوگوں کو درس دینا تھا کہ اپنے

(١)۔ الفیل۔

آپ کو کمزور نہ سمجھو، کیا تم ابابیل سے بھی زیادہ کمزور ہو؟ آج ہمارے ساتھ اس ملک کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہیں پر آپ کی گلی میں سے کسی نادان نے اٹھ کر، آپ کی عزاداری، آپ کی مجالس، مساجد، امام بارگاہوں پر حملہ کر دیا ہے۔ ہمارے مقدّسات کی توہین کر کے ہمیں گولیوں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں، ذرا فراست اور ہوش سے کام لینا چاہیے، یہ گولی چلانے والے تو اجرتی اور مزدور ہیں۔ ان کو تو تنخواہ ملتی ہے۔ ان کو کہا گیا ہے کہ میراث انبیاءؑ کو جا کر ویران کر دو، فلاں مسجد میں نمازیوں کو خون سے لت پت کر دو۔ اب ان مساجد اور امام بارگاہوں کو کس نے بچانا ہے؟

ابابیل کے لشکر نے بچانا ہے یعنی اگر اپنے آپ کو بہت کمزور سمجھتے ہو، یا کمزور نہیں ہو، لیکن کمزوری کا احساس ہو گیا ہے یا کمزوری دکھا رہے ہو، تو اس کمزوری کو جھٹکو، اس کو ختم کرو، سورہ فیل کتنی دفعہ پڑھ چکے ہو، لیکن کبھی تو سورہ فیل سے ہدایت بھی لے لیا کرو۔ سورہ فیل صرف پڑھنے کے لئے تو نہیں۔ سورۂ فیل ان ستم رسیدہ قوموں اور مظلوموں کے لئے ہے کہ جن کے کعبے ویران ہو رہے ہیں، جن کے مقدّسات کی توہین ہو رہی ہے، جن لوگوں پر نماز کی حالت میں حملے ہو رہے ہیں، جن کی مساجد اور امام بارگاہیں ویران ہو رہی ہیں۔

سورہ فیل انہیں کے لئے نازل ہوئی ہے کہ آؤ ابابیل کی طرح ایک لشکر بن جاؤ، اگر کچھ بھی نہیں تو ہاتھ میں ڈھیلے اور کنکریاں اٹھالو۔ خدا کی مدد سے اگر کنکری دشمنِ خدا کی طرف پھینکی جائے تو ایٹم بم سے زیادہ کام کرتی ہے، گولی سے زیادہ اثر دکھاتی ہے۔ اس کا ایک نمونہ آج فلسطین میں موجود ہے۔ فلسطین میں ابابیل کا لشکر اسرائیل کے مقابلے میں غلیلوں سے توپ اور ٹینک کا مقابلہ

کر رہا ہے۔ایک طرف غلیل میں پتھراور چھوٹی سی کنکری ہے، دوسری طرف مسلح، بارودی ٹینک، لڑا کا طیارے اور ہر قسم کا جدید اسلحہ ہے۔ان مسلح ٹینکوں کا جواب غلیلوں سے دینا، کہاں سے سیکھا؟ یہ انھوں نے سورۃ فیل سے سیکھا ہے۔لہٰذا آج پوری دنیا مل کر یہ منت وسماجت کررہی ہے کہ خدارا! حماس کو روکو...... حزب اللہ کو روکو...... ہمیں ان سے صلح کرنے دو۔

۸۔ غیر ذمہ داری کی سزا

کعبہ جو کہ میراث انبیاءؑ میں سے ہے کئی دفعہ ویران ہوا، چند دفعہ تو سیلاب سے ویران ہوا، چند دفعہ دشمنوں نے اسے ویران کر دیا۔اسلام آنے کے بعد سب سے پہلے کعبہ یزید کے دور میں ویران ہوا، ایک صحابی زادے عبداللہ ابن زبیر، جو یزید کا مخالف تھا، ان شخصیات میں سے تھا جنہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، واقعہ کربلا کے بعد یزید اس کی طرف متوجہ ہوا، ابھی یہ مکہ میں ہی تھا، لہٰذا بنی امیہ کا بہت بڑا لشکر عبداللہ ابن زبیر کو پکڑنے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوا۔ عبداللہ ابن زبیر نے آکر کعبہ میں پناہ لی، بنی امیہ نے آکر کعبہ کا گھیراؤ کیا، عبداللہ ابن زبیر کو باہر آنے کے لئے کہا، لیکن وہ باہر نہیں آئے، اس خوش فہمی میں کہ کعبہ کے اندر بیٹھا رہوں گا اور کعبہ امن کی جگہ ہے لہٰذا وہ کعبہ پر حملہ نہیں کر سکتے، لیکن ابن زبیر کو کیا معلوم کہ بنی امیہ تو ابرہہ سے بھی زیادہ بدتر نسل ہے، یہ کعبہ اور میراثِ انبیاءؑ کے دشمن ہیں لہٰذا انھوں نے حکم دیا کہ منجنیقوں (یعنی اس زمانے کی توپوں) کے ذریعے کعبہ ویران کر دیا جائے۔ان منجنیقوں کے ذریعے بڑے بڑے پتھر برسائے گئے، اور کعبہ ویران کر کے مسمار کر دیا گیا، دیواریں گرادیں، اس کے بعد

عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کر لیا، اس کا سر کاٹ دیا، اور مدتوں تک وہ سر مکہ میں لٹکا رہا۔

جب ابرہہ کا لشکر آیا تو خدا نے بیت اللہ کو ویران ہونے نہیں دیا، لیکن آج جب مسلمانوں کے روپ میں، اسلام کے دشمنوں نے کعبہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر پتھر برسا برسا کر ویران کر دیا، تو سوال یہ ہے کہ ابرہہ کے خطرہ سے تو کعبہ بچا لیا، لیکن یزیدیوں کے خطرے سے کعبہ کیوں نہیں بچایا؟ ابابیل کا لشکر پھر کیوں نہیں آیا؟

جواب یہ ہے کہ ابرہہ کے زمانے میں کعبہ کے اندر ایک ذمہ دار اور موحِد شخص تھا کہ جس کا خدا پر پورا ایمان تھا جس کا کہنا یہ تھا؛

"انا ربّ الابل وللبیت ربّ......"

حضرت عبدالمطلب اگر چہ نہ تو نبی تھے اور نہ ہی امام، لیکن موحِد اور میراثِ انبیاءؑ کے محافظ اور وارث تھے۔ لہٰذا اگر ان کو یہ حکم ہوتا کہ ابابیل نہیں آئیں گی، کعبہ کو آپ نے بچانا ہے، تو عبدالمطلب تن تنہا کعبہ بچا لیتے اور اس راہ میں شہید ہو کر جان دے دیتے اور ہر صورت میں کعبہ کو وہ بچا لیتے، لیکن خدا کو یہ پسند نہیں تھا کہ عبدالمطلب شہید ہو، بلکہ خدا نے عبدالمطلب کو زندہ رکھا، تا کہ اس کی نسل سے ایسی اولاد آئے جو وارث کعبہ بن سکے، تا کہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو بچاتی رہے۔ لیکن جو شخص امامِ وقت کا ساتھ نہ دے، امام جب کعبہ بچانے جا رہا ہو، تو یہ اس سے ہٹ کر اپنا الگ راستہ اختیار کرے، اگر وہ کعبہ میں بھی چھپ کر بیٹھ جائے، تو اس کو اس غیر ذمہ دارانہ حرکت کی سزا ضرور ملے گی۔ اگر کعبہ ویران ہوتا ہے تو ویران ہو جائے لیکن غیر ذمہ دار انسان کو سزا مل جائے اس لئے ابابیل کا لشکر نہیں آیا، ورنہ خدا کے لئے ابابیل کا لشکر بھیجنا کوئی مشکل کام نہیں تھا

میراثِ انبیاء علیہم السلام کو اگر بچانا ہے، تو اس کا طریقہ کربلا ہے میراثِ انبیاء علیہم السلام اپنی اولاد ذبح کروانے سے بچتی ہے۔ اگر عبدالمطلب کی اولاد زندہ ہو جائے، اگر بنی ہاشم زندہ ہو جائیں، اگر اہل بیت علیہم السلام کا نام زندہ ہو جائے، اگر حسینیت زندہ ہو جائے، تو قیامت تک میراثِ انبیاء علیہم السلام محفوظ رہے گی۔ میراثِ انبیاء علیہم السلام فقط کعبہ نہیں، میراثِ انبیاء علیہم السلام بہت وسیع ہے، قرآن، دین اور ولایت یہ سب میراث انبیاء علیہم السلام ہے۔

کیا آج میراثِ انبیاء علیہم السلام محفوظ ہے یا نہیں؟

کیا آج اس کو کوئی بچانے والا ہے یا نہیں؟

آج کونسا کردار ہے؟

آج ابابیل کا لشکر کیوں نہیں آتا؟

آج ابرہہ کے لشکر سے مسلمانوں کو کیوں نہیں بچایا جاتا؟

اس لئے کہ یہ زمانہ ابرہہ اور عبدالمطلب کا نہیں ہے، بلکہ امام حسین علیہ السلام اور حسینیت کا زمانہ ہے، حسینیت نے میراثِ انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کا طریقہ سکھا دیا ہے۔ لہٰذا آج جو چھپ کر کعبہ میں پناہ لینا شروع کر دیں، مسجدوں، امام بارگاہوں اور مدرسوں میں پناہ لینا شروع کر دیں اور اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ جائیں اور یہ سمجھیں کہ یہ ہماری پناہ گاہیں ہیں، تو خدا دشمنوں کے ذریعے غیر ذمہ داروں اور پناہ لینے والوں کو سزا دیتا ہے۔

خدا اپنے دشمن کو بھیجتا ہے کہ جاؤ میری مسجد ویران ہوتی ہے تو ویران ہونے دو، میرا کعبہ ویران ہوتا ہے تو ویران ہونے دو، میں اسے نہیں روکوں گا، میں اس سفاک اور بنی امیہ کے وارثوں کو نہیں

روکوں گا، میں ابابیل کا لشکر نہیں بھیجوں گا تا کہ یہ غیر ذمہ دار لوگ کہ جن کو میراثِ انبیاءؑ کی کوئی پروانہ ہو، جن کو ائمہ دینؑ کی کوئی پروانہ ہو، جن کو صرف اپنی جنت اور اپنی عاقبت سے سروکار ہو، جو صرف اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہوں۔ تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ نہ تمہاری جنت بچے گی، نہ ہی تمہاری مسجد بچے گی، نہ ہی تمہارا امام بارگاہ بچے گا، نہ ہی تمہار مدرسہ بچے گا اور نہ تم خود بچو گے۔ اگر یہ سب کچھ بچانا ہے تو وارثِ انبیاءؑ کو بچاؤ، حسینیت کو بچاؤ، حسینیت، میراثِ انبیاءؑ کو اٹھانے اور اس کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔

۹۔ زمانے کی تقسیم

غیر اسلامی اصولوں کے مطابق زمانہ تقسیم کیا جاتا ہے کہتے ہیں، ماڈرن زمانہ اور دقیانوسی زمانہ، دقیانوس میلادِ مسیحؑ کے بعد کے زمانے کا ایک بادشاہ تھا، اس کے زمانے میں بہت ابتدائی قسم کا تمدن اور ثقافت تھی، لوگ گھوڑوں، گدھوں پر سفر کرتے تھے، کچی غذائیں کھاتے تھے۔ ایسے زمانے کو دقیانوسی زمانہ کہا جاتا ہے۔

آج بھی اگر کوئی ماڈرن نہ ہو تو کہتے ہیں کہ یہ دقیانوسی زمانے کا آدمی ہے، اگر کسی کی داڑھی ہو تو کہتے ہیں کہ یہ دقیانوسی زمانے کا ہے۔ ماڈرن اور جدید زمانے میں آنے کے لئے داڑھی کو صاف کر دو۔ اگر عورت پردہ کرتی ہے، تو کہتے ہیں کہ یہ پرانے زمانے کی عورت ہے۔ آج نئے زمانے کی عورت ہونی چاہیے، نئے زمانے کی خواتین کون سی ہیں؟ وہ جو جانوروں کی طرح عریان بازاروں میں پھرتی ہیں، جو بازاروں میں مردوں سے کندھے ٹکراتے ہوئے آزاد پھرتی

ہیں، وہ جدید زمانے کی عورتیں ہیں۔

اگر حجاب والی عورتیں پرانے زمانے کی عورتیں ہیں، اگر حجاب پرانے زمانے کا ہے، ماڈرن اور جدید عہد کے لئے نہیں ہے، تو پھر بتاؤ وہ بیبیاں جن کے پردے کو روتے ہو، وہ کس زمانے کی ہیں؟ مخدّراتِ اہل بیت علیہم السلام کس زمانے کی ہیں؟ یہ غیر اسلامی اصول کے مطابق زمانے کی تقسیم ہے، یہ دوسروں نے اپنے حساب سے قدیم اور جدید زمانہ بنایا ہے، ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی انہی کے پیچھے چلنے لگے ہیں۔

۱۰۔ اسلامی اصولوں کے مطابق زمانے کی تقسیم

اسلامی اور قرآنی اصولوں کے مطابق زمانہ اس طرح قابل تقسیم ہے کہ ایک وہ زمانہ ہے کہ جس میں میراثِ انبیاء علیہم السلام محفوظ ہے اور اقدارِ انبیاء علیہم السلام حاکم ہیں ہر طرف، ہر گلی اور ہر محلے میں اقدار انبیاء علیہم السلام نظر آتی ہیں، ایک وہ زمانہ ہے جس میں میراثِ انبیاء علیہم السلام لٹ چکی ہو، جس میں منفی اقدار حاکم ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں بھی ان عالی انسانی اقدار کو مٹانے کی کوشش کی جارہی تھی، لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے قیام کر کے اسے بچایا اور ان عالی انسانی اقدار کو دوبارہ زندہ کر دیا، اب اس زمانے میں وارثانِ حسین علیہ السلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ میراثِ انبیاء علیہم السلام کو بچاتے رہیں، جب کوئی کہتا ہے کہ اے حسین علیہ السلام میں تیرا وارث ہوں، اس لئے کہ جو بھی جس کا وارث ہے اسی کا نام لیتا ہے، اگر کسی کی زبان پر یزید اور یزید کے باپ کا نام ہے تو یہ ان کا وارث ہے، اگر کسی کی زبان پر

اہل بیت النبی علیہم السلام کا نام ہے تو یہ ان کا وارث ہے، اگر کسی کی زبان پر بتوں کا نام ہے تو یہ بتوں کا وارث ہے، اگر کسی کی زبان پر انبیاء علیہم السلام کا نام ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کا وارث ہے۔ ہماری زبانوں پر تو حسین ابن علی علیہما السلام کا نام ہے، لہٰذا ہم حسین علیہ السلام کے وارث ہیں، حسین علیہ السلام وارثِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے تو اپنے زمانے میں میراثِ انبیاءؑ کو بچالیا، اب جس عہد میں میراثِ انبیاء علیہم السلام لٹے گی، وارثِ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے ہی بچے گی۔ لہٰذا جو بھی اپنے آپ کو وارثِ حسین علیہ السلام کہہ رہا ہے، میراثِ انبیاء علیہم السلام کو اسی نے بچانا ہے، تو آیئے اپنے عہد میں، اپنی گلی اور محلے میں، اپنے ملک اور اپنے معاشرے میں ایک نگاہ کر کے دیکھ لیں، آیا میراثِ انبیاء علیہم السلام نظر آتی ہے یا نہیں؟ اگر نظر نہیں آتی ہے تو پھر یا حسینؑ یا حسینؑ کہنا چھوڑ دیں، یا پھر امام حسین علیہ السلام کی طرح میراثِ انبیاء علیہم السلام کو بچالیں، یہ تو تناقض اور تضاد ہے کہ انسان یا حسینؑ یا حسینؑ بھی کرے اور میراثِ انبیاء علیہم السلام کو لٹتے ہوئے بھی دیکھتا رہے۔ امام حسین علیہ السلام نے تو راستہ بتادیا کہ میں میراثِ انبیاء علیہم السلام کو لٹنے نہیں دوں گا۔

۱۱۔ حسینیت کا دور

اگر یہ دیکھنا ہے کہ آج کا زمانہ کس کا زمانہ ہے؟ دقیانوس کا زمانہ ہے، غار و حجر کا دور ہے، شکار کا دور ہے، یعنی قدیم زمانہ یا جدید و ماڈرن زمانہ (Modren) ہے؟ یہ تو دوسروں کی تقسیم کے الفاظ ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق دیکھنا ہے کہ آج کا زمانہ امام حسین علیہ السلام کا زمانہ ہے یا نہیں؟ اگر آج کا دور امام حسین علیہ السلام کا دور ہے تو اس میں ساری حسینی قدریں حاکم ہونی چاہیے اس لئے کہ جس دور میں جن کی اقدار حاکم ہوں یہ دور انہی کا ہوگا اگر ہمارے اندر حسینی قدریں نظر نہ

آئیں تو یہ زمانہ امام حسین علیہ السلام کا نہیں ہوسکتا۔ حسینیت کا دور اس وقت ہوگا جب گلی گلی میں میراثِ حسین علیہ السلام نظر آئے گی۔ یہ زمانہ حضرت زینب علیہا السلام اور حضرت زہرا علیہا السلام کا اس وقت ہوگا جب گلی گلی میں حجاب نظر آئے، جب گلی گلی میں پردہ ہوگا تو معلوم ہوگا کہ زینبی قدریں اس معاشرہ میں موجود ہیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہوا تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ ان کا زمانہ ہے، بلکہ یہ ابرہہ، فرعون، یزید اور بنی امیہ کا زمانہ ہے۔

بنی امیہ نے بہت کوشش کی کہ یہ عاشورا، حسینی نہ کہلائے، انھوں نے عاشورائے محرم کو اپنانے کے لئے لوگوں سے کہا یہ بڑا برکت والا دن ہے، یہ عید اور جشن منانے کا دن ہے، اس دن روزہ رکھنے کا ثواب ہے اور اس سلسلے میں روایات بھی گھڑیں، اگر عاشور کے دن یہ سماں ہوتا، تو عاشور تو ہوتا لیکن یزیدی عاشور ہوتا چونکہ اس کے اندر یزیدی اعمال انجام دیئے جارہے ہیں۔ اس لئے کہ زمانہ اس کا ہوتا ہے، جس کے اعمال اس زمانے میں بجالائے جارہے ہوں۔

لیکن آج عاشور، حسینی ہے، اس لئے کہ عاشور کے دن فقط حسین علیہ السلام کا نام لیا جاتا ہے تو سارا زمانہ بھی حسینی ہوجائے گا اگر ساری حسینی قدریں اس میں حاکم ہوجائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے میراثِ انبیاء علیہم السلام کو آسانی سے نہیں بچایا، لہٰذا وارثِ حسین علیہ السلام کو میراثِ انبیاء علیہم السلام زندہ رکھنے کے لئے حسینی راہ اپنانا پڑتی ہے۔ گھروں میں بیٹھے بیٹھے، حسینی قدریں زندہ نہیں ہوتیں، انبیاء علیہم السلام کا سرمایہ نہیں بچ جاتا، حسینی قدروں کو بچانے کے لئے چین وسکون دینا پڑتا ہے، ناموس پیش کرنی پڑتی ہے، سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے میراثِ انبیاءؑ بچانے کا طریقہ ہمیں سکھایا ہے۔

حسینیت کا دور

۱۲۔ شب عاشور عهدوپیمان کی رات

شبِ عاشور عہد کی رات ہے اور عاشور کا دن عہد پورا کرنے کا دن ہے، شبِ عاشور کو امام حسین علیہ السلام نے فرصت مانگی تھی، یہ فرصت اس لئے مانگی تھی کہ اس شب آپؑ نے کچھ کرنا تھا۔ اس شب کو دو اہم کام آپؑ نے انجام دیئے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ کام کیا کہ میراثِ انبیاء علیہم السلام کو شبِ عاشور تک پہنچایا، بعد میں اپنے بیٹے کو خیمے میں بلایا، فرمایا: میں وارثِ انبیاء علیہم السلام ہوں اور آپؑ وارثِ حسینؑ ہیں۔

اپنی ساری میراث اس خیمے میں تیرے سپرد کر رہا ہوں ظاہری بات ہے کہ اس خیمہ میں مال و دولت، سونا چاندی نہیں تھا، اس خیمہ کے اندر وہ عالی انسانی اقدار تھیں جو امام حسین علیہ السلام کربلا تک لے آئے تھے، اب کربلا سے آگے سید الساجدین علیہ السلام کو سونپی گئیں۔

دوسرا کام اصحاب نے کیا وہ یہ تھا کہ شب عاشور کو انھوں نے اپنے امام سے عہد باندھا کہ ہم بھی میراثِ انبیاء علیہم السلام کو بچانے کی راہ میں آپ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا آج بھی عاشور کو تمام مستحب اعمال کے علاوہ وہی کام کرنا چاہیے، اگر یہ دو کام کر دیئے تو وہ سارے مستحب اعمال بھی فائدہ دیں گے۔

ایک یہ کہ حسین ابن علی علیہما السلام سے عہد باندھنا ہے کہ ہم آپ کے وارث ہیں اور یہ ساری قدریں آپ سے لے لیں گے اور ان کی حفاظت کرتے رہے گے، اگر اس راہ میں جان دینے کی نوبت آئے تو جان بھی دیں گے، سب کچھ قربان کر دیں گے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ امام سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے عہد باندھنا ہے کہ ہم راہِ زینبی کو جاری رکھیں گے، مقصدِ حسین علیہ السلام کو لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے، آپ کی راہ کو کبھی بھی ترک نہیں کریں

گے،لہٰذا آج کی رات عہد کی رات ہے، وارث بننے کی رات ہے،لیکن وارث بنتے ہوئے خیال کرنا کہ امام حسین علیہ السلام نے امام سجاد علیہ السلام کو جو کچھ ارث میں دیا وہی کچھ بعد والے وارث کے لئے بھی ہے،وہ کیا چیز ہے؟

ایک طوق گردن ہوگا، رسن ہوں گے، کوڑے ہوں گے، اسارت اور در بدر جانا ہوگا، جلاوطنی اور اپنی آنکھوں سے اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو اسیر دیکھنا ہوگا۔جیسا کہ عاشور کی رات کو عاشورائیوں نے تو یہی کیا، کچھ نے آگے بڑھ کر میراثِ امام حسین علیہ السلام کو تھام لیا، پھر وراثتِ حسین علیہ السلام کو اٹھاتے ہوئے کوفہ وشام چلے گئے اور جنہوں نے عہد باندھا ہوا تھا صبحِ عاشور کو اپنے عہد کو وفا کر گئے،لہٰذا آج کی رات بس صرف دو کام کرنے ہے یا ان کی طرح بنو جو صبحِ عاشور کو قربان ہو گئے یا ان کی طرح عہد باندھو جو کوفہ اور شام میں میراثِ امام حسین علیہ السلام کو لے کر تبلیغ کرتے رہے۔

تیسرا کوئی کردار نہ بننا، کوفی اور شامی نہ بننا، ورنہ اگر تیسرا بننے کی کوشش کی تو یاد رکھو کہ خداوند اپنی عبادت گاہوں کو ویران ہوتا دیکھ لے گا،لیکن ان غیر ذمہ داروں کو جو میراثِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ذمہ داری کا سلوک نہیں کرتے، ہرگز نہیں بچائے گا۔

السّلام علیکم یا انصار الحسینؑ

فهرستها

□ فهرست آیات ۲۷۷
□ فهرست روایات ۲۸۵
□ فهرست اشعار ۲۸۹
□ فهرست اعلام ۲۹۳
□ فهرست کتب ۲۹۹
□ منابع و مآخذ ۳۰۳

فہرست آیات

آیت		صفحه
● الفاتحة (۱)		
اِهدِنا الصِّراطَ المُستَقِیمَ	٦	٦٠
● البقره (۲)		
......خَلَقَ لَکُم مّافِی الاَرضِ جَمیعاً	۲۹	۷۷
......اِنّی جاعِلٌ فِی لِلاَ رضِ خَلِیفَةً	۳۰	۷۸
...... قالُوا اَتَجعَلُ فِیهامَن یُفسِدُ فِیها	۳۰	۸۰
وَعلَّمَ آدَمَ الاَ سماءَ کُلَّها ثُمَّ عَرَضَهُم	۳۱	۸۵
......فَسَجَدُوا اِلاّ اِبلِیسَ......	۳۴	۸۵
......اِنّا لِلّهِ وَاِناّاِلَیهِ راجِعُونَ	۱۵٦	۸٦
اَللّهُ وَلِیُّ الَّذِینَ امَنُوا یُخرِجُهُم مِّنَ......	۲۵۷	۹٦

	آیت	صفحہ
وَاذِابتَلیٰ اِبراھِیمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰاتٍ......	۱۲۴	۱۲۰
وَاِذنَجَّینٰا کُم مِّن آلِ فِرعَونَ یَسُومُونَکُم......	۴۹	۱۴۴
اَم تَقُولُونَ اِنَّ اِبراٰھِیم وَ اِسماٰعِیلَ	۱۴۰	۱۴۷
یُذَبِّحُونَ اَبنٰائَکُم وَ یَستَحیُونَ نِسٰائَکُم......	۴۹	۱۴۸، ۱۵۴
خَتَمَ اللّٰہُ عَلیٰ قُلُوبِھِم وَ عَلَیٰ	۷	۲۱۷
وَاِذٰا قِیلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ أَخَذَتہُ العِزَّۃُ بِالِاثمِ	۲۰۶	۲۴۴

● آلِ عمران (۳)

	آیت	صفحہ
وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِیْ سَبِیلِ......	۱۶۹	۳۲
اِنَّ اللّٰہَ اصطَفیٰ آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ اِبراٰھِیمَ......	۳۳	۷۶
......وَیُحَذِّرُکُم اللّٰہُ نَفسَہُ......	۲۸	۸۳
مٰاکٰانَ لِبَشَرٍأَن یُؤتِیَہُ اللّٰہُ الکِتٰبَ وَالحُکمَ	۷۹	۸۷
یَظُنُّونَ بِاللّٰہِ غَیرَ الحَقِّ ظَنَّ الجاھِلِیَّۃِ......	۲۵۴	۱۲۳
فَلَمّٰا أَحَسَّ عِیسیٰ مِنھُمُ الکُفرَ قٰالَ مَن......	۵۲ ، ۵۳	۱۹۲، ۱۹۴

● النساء (٤)

	آیت	صفحہ
فَکَیفَ اِذٰا جِئنٰا مِن کُلِّ أُمَّۃٍ	۴۱	۱۸۴

صفحہ	آیت	

● المائدہ (۵)

يَا قَومِ اُدخُلُوا الاَرَضَ المُقَدّسَة......	۲۱	۱۶۷
......فَاذهَب أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلا......	۲۴	۱۶۸
...... وَكُنتُ عَليهُم شَهِيداً......	۱۱۷	۱۷۶
وِاذ اَوحَيتُ اِلیٰ الحَوارِيّنَ......	۱۱۱	۲۰۱

● الاعراف (۷)

وَلَقَد ذَرَأ نَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِنَ الجِنَّ وَ	۱۷۹	۸
......اَنَا خَيرُمّنهُ خَلَقتَنيِ مِن......	۱۲	۸۹
وَلَقَد ذَرَأنَالِجَهَنَّمَ كَثِيراً مّنَ الجِنّ وَالاِنسِ......	۱۷۹	۲۱۷

● الانفال (۸)

اِنَّ شَرَّا الدّوَآبِّ عِندَ اللّٰهِ الصُّمُّ البُكمُ......	۲۲	۷
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبَّ عِندَ اللّٰه الَّذِينَ كَفروا فهم	۵۶،۵۵	۸
يااَيُّهاالَّذِينَ آمَنوااستَجِيبُواللّٰهِ وَلِلرَّسُولِ	۲۴	۱۶۳

	آیت	صفحہ
● التوبہ (۹)		
لَقَد جَاءَ کُم رَسُولٌ مِّن أَنفُسِکُم......	۱۲۸	۲۱۱
● ھود (۱۱)		
...... وَنَادٰی نُوحٌ اِبنَهُ وَکَانَ فِی مَعزِلٍ......	۴۲، ۴۳	۹۸
● ابراھم (۱۴)		
فَمَن تَبِعَنِی فَاِنَّهُ مِنِّی......	۳۶	۲۰۵
● الاسراء (۱۷)		
وَلَقَد کَرَّمنَا بَنِی آدَمَ وَحَمَلنٰهُم فِی......	۷۰	۱۱۹
● الکھف (۱۸)		
اَم حَسِبتَ أَنَّ اَصحَابِ الکَھفِ......	۹	۱۸۷
● مریم (۱۹)		
...... فَھَب لِی مِن لَّدُنکَ وَلِیّاً۔ یَرِثُنِی	۵،۶	۲۱

	آیت	صفحہ
● طٰہ (۲۰)		
قد افلح الیوم من استعلیٰ......	۶۴	۱۳۰، ۱۴۴
...... رَبِّ اشْرَح لِی صَدرِی۔	۲۵ تا ۲۸	۱۶۹
......رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً......	۱۱۴	۲۳۷
● الحج (۲۲)		
لَن یَنالَ اللّٰہَ لحُومُہا وَلاٰدِ مآؤُھا......	۳۷	۱۳۷
● الانبیاء (۲۱)		
......یَانَارُ کُونِی بَرداً وَسَلاماً عَلیٰ إبراھِیمَ	۶۹ ۱	۱۱۵، ۱۱۷
وَما اَرسَلناکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِینَ	۱۰۷	۲۱۸
● المومنون (۲۳)		
وَلَقَد خَلَقنَا الِانسَانَ مِن سُلاٰلَةٍ مِّن	۱۲تا۱۴	۷۶
● الشعراء (۲۶)		
لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفسَکَ اَلّا یَکُونُوا......	۳	۲۱۲

آیت		صفحه
• القصص (۲۸)		
وَاَوحَینا اِلیٰ اُمِ مُوسَیٰ أَن اَرضِعِیهِ فَاِذَا......	۷	۱۶۰
......اِنّی أَنَا اللّٰهُ رَبُّ العَالَمِینَ	۳۰	۱۶۶
وَنُرِیدُأَن نَّمُنَّ عَلَی الَّذِینَ اُستُضعِفُوا فِي......	۵	۲۴۹
• السجده (۳۲)		
وَجَعَلنَا مِنهُم اَئِمَّةً یَهدُونَ بِأَمرِنَا......	۲۴	۲۰۶
• الاحزاب (۳۳)		
...... وَ تَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا۔	۱۰	۱۲۵
یاأَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرسَلنَاكَ شَاهِداً وَ مُبَشِّراً	۴۵، ۴۶	۲۱۴
اِنَّا عَرَضنَا الأَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوَاتِ وَالأَرض......	۷۲	۲۵۴
• فاطر (۳۵)		
اِنَّمَا یَخشَی اللّٰهَ مِن عِبَادِهِ اَلعُلَمَاء	۲۸	۲۳۷

صفحہ	آیت
	• الصافات (۳۷)
۱۳۶	...... یا بنیّ انّی أریٰ فی المنام أنّی...... ۱۰۲ تا ۱۰۸
	• الشوریٰ (۴۲)
۵۰	......قُل لّا اسئلکم علیہ أجر...... ۲۳
	• النجم (۵۳)
۲۳۱	اِن ھِیَ اِلّا أسماءٌ سمّیتموھا...... ۲۳
	• الصف (۵۳)
۱۹۵ ، ۲۰۲	یا ایّھا الّذین امنوا کونوا انصار ۱۴
	• المنافقون (۶۳)
۲۴۴	لِلّٰہِ العِزّۃُ وَلِرَسُولِہٖ وَلِلمُؤمِنِینَ...... ۸
	• نوح (۷۱)
۹۵	قَالَ رَبِّ اِنّي دَعَوتُ قَومِي لَيلاً ۵تا۱۰

آیت		صفحه
● الانسان (۷٦)		
اِنّا هَدَیناہُ السَّبِیل اِمَّا شاکِراً وَ اِمّا......	۳	۲۲۲
● النازیات (۷۹)		
......اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی	۲۴	۱۴۴ ، ۱۵۲
اِذهَب اِلیٰ فِرعَونَ اِنَّهٗ طَغیٰ	۱۷	۱٦۵
● التکویر (۸۱)		
بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت	۹	۱۵۵
● التکاثر (۱۰۲)		
اَلهٰکُمُ التَّکاثُرُ حَتّٰی زُرتُمُ	۱ ، ۲	۲۳۱
● الفیل (۱۰۵)		
اَلَم تَرَ کَیفَ فَعَلَ رَبُّکَ......		۲٦۴

فهرست روایات

روایات	صفحه

• پیامبر اکرم صلی الله علیه وآله وسلم

ماا وذی نبی کما اوذیت	۴۵، ۲۲۰، ۲۴۶
العلماء ورثة الانبیاء	۵۵
نیة المومن خیر من عمله......	۴۳
سیأتی علی امّتی ما أتی علی......	۷۰
ان الحسین مصباح هدی و سفینة النجاة	۱۰۴، ۲۱۵
لا تدعون الا مبارزة وان دعیت الیها......	۱۰۱
مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح	۱۰۲
حسین منی و انا من الحسین......	۲۰۵
انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی	۲۰۷

روایات **صفحہ**

انا مدینة العلم وعلی بابها ۲۳۵

اشجع الناس من غلب هواه ۲۳۸

● حضرت زہرا سلام اللہ علیہا

صبت علی مصائب لو انها صبت...... ۱۸۸، ۲۲۱

● حضرت علی علیہ السلام

انا نقطة تحت الباء...... ۳۹

فبعث فیهم رسله وواتر الیهم ٦۷

یا کمیل (بن زیاد) ان هذه القلوب...... ۸۷

الراضی بفعل قوم کالد اخل فیه ۹۱

قتل فیها مائتانبیّ و ما ئتا سبط ۱۱٦

الصلوة قربان کل تقی...... ۱۲۳

مااضمر احدشیاً الّاظهر فی فلتات لسانه ۱۹۴

من أبطأ به عمله لم یسرع به نسبه و فی...... ۲۳۰

الاوان لکل ماموم امام یقتدی به و...... ۲۳۹

روایات	صفحہ
واللّٰہ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیۃ بل......	۲۴۰
کنا اذا احمر البأس اتقینا برسول اللہ ﷺ......	۲۴۱
اذا احمر البأ س وا حجم الناس قدم اھل بیتہ......	۲۴۱
مازنی غیور قط......	۲۴۲

● **حضرت امام حسین علیہ السلام**

لم تخرجنی لِرأ فتك بی و لطفك......	
الاترون الی الحق لایعمل بہ والی......	۱۶۷
من کان باذلافینا مھجتہ فلیرحل معنا،......	۱۹۶
ھل من مغیث یغیثنا......	۲۰۰
السّلام علیکم یا اولیاءَ اللّٰہ و احبّائہ......	۲۰۱
ان الدعی ابن الدعی قد ر کزبین اثنتین......	۲۲۳، ۲۴۶
یا اماہ! شاء اللّٰہ ان یرانی قتیلا و شاء اللّٰہ......	۲۲۵، ۲۵۴
ھل من ناصر ینصر......	۲۵۲
ھل من ذاب یذب عن حرم رسول اللّٰہ	۲۵۳
الصراط ادق من الشعر واحد من السیف......	۶۲

روایات	صفحه

● امام رضا علیه‌السلام

لو انّ رجلاً قتل بالمشرق فرضی ۱۴۶

● امام صادق علیه‌السلام

واللّٰه نحن اسماء اللّٰه...... ۸۳
قال و فیه نزلت هزه الایه...... ۱۸۴
ان لقتل الحسین حرارة فی قلوب...... ۱۹۹
ما العقل؟ قال ماعبد به الرحمن ٦٦

● امام باقر علیه‌السلام

نحن الاسماء الحسنیٰ التی لا یقبل اللّٰه...... ۸۳

● امام هادی علیه‌السلام

السّلام علیکم یا اهل بیت النبوة...... ۸۵، ۲۲٦

فہرست اشعار

اردو

- حقیقت ابدی ہے مقام شبیری

  بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی ۵

- قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں

  گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات ۱۱

- ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

  چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ۲۳

- بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

  عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی ۱۱۵، ۱۱۶

- آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

  آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا ۱۱۵

اشعار	صفحہ

- آگ ہے ،اولادِ براہیم ، ہے نمرود ہے
  کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ۱۱۷
- یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
  صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الاّ اللہ ۱۱۹
- بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
  نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی ۱۲۰
- صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
  یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے ۱۲۰
- غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
  نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل ۱۳۸
- تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنانہ کر
  کہ جہاں میں نان شعیرپر ہے مدار قوت حیدری ۲۳۹
- ظالم کو جو نہ روکے وہ شامل ہے ظلم میں
  قاتل کو جو نہ ٹوکے وہ قاتل کے ساتھ ہے ۱۴۶

فهرست اشعار

فارسی

◆ حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچه خوبان همه دارند تو تنها داری ۴۱، ۲۰۷

◆ نام احمد نام جمله انبیاء است
چونکه صد آمد نود هم پیش ماست ۴۱

◆ ای بسا کس را که صورت راه زد
قصد صورت کرد و بر الله زد ۸۸

◆ از خدا جوییم توفیق ادب
بی ادب محروم گشت از لطف ربّ ۱۴۹

◆ مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سه نسبت حضرت زهرا (س) عزیز ۱۸۱

◆ زنده حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است ۱۹۲

صفحه

اشعار

- خون او تفسیر این اسرار کرد
  ملت خوابیده را بیدار کرد ۱۹۲
- رمز قرآن از حسین آموختیم
  ز آتش او شعله ها اندوختیم ۲۱۱

عربی

- بلغ العلی بکماله، کشف الدجی بجماله
  حسنت جمیع خصاله، صلوا علیه وآله ۲٤٥

فهرست اعلام

● آ

آذر: ۱۰۹، ۱۱۰.

آدم علیه‌السلام: ۱۶، ۱۹، ۷۹-۷۳، ۸۵، ۸۶، ۹۱.

● ا

ابراهیم علیه‌السلام: ۱۹، ۳۳، ۳۸، ۶۹، ۱۰۷ - ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۵-۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۵-۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۷۶، ۲۱۱-۲۱۳.

اسمعیل علیه‌السلام: ۱۹، ۱۰۸، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۷۶، ۲۱۲، ۲۱۳.

ابلیس: ۸۹، ۹۰.

ابن ابی الحدید: ۱۰۲.

ابو جهل: ۲۱۷.

ابو لهب: ۲۱۷.

ابن عربی: ۲۰۱.

ام کلثوم: ۱٦٦.

اسحاق: ۱٤۷

علامہ اقبال: ۱۱۵، ۱۸۱، ۱۹۱.

ابرھہ: ۲٦۲، ۲٦۳، ۲٦۸، ۲۷۲.

ابن ملجم: ۸۸.

ام سلمہ: ۲۲۵، ۲۵۳.

●ج

جبرائیل علیہ السلام: ۱۱٤، ۱۸۳، ۲۵۵.

آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ: ۲۰۱

سید جواد نقوی:

●ح

امام حسن علیہ السلام: ۳۱، ۱٤۷.

امام حسین علیہ السلام: ۱۹-۲۵، ۲۹، ۳۱-۳۳، ٤۱، ٤٤، ٤۵، ۵۱-۵٤، ۵۸، ۵۹، ٦۷-٦۹، ۷۰، ۷۳-۷۸، ۸۸، ۸۹، ۹۳، ۹٤، ۹۹-۱۰۳، ۱۰۵-۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱٦، ۱۲٦، ۱۲۷، ۱۳۸-۱٤۳، ۱٤۷، ۱۵٤، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱٦۳، ۱٦۷-۱۷۱، ۱۷۳-۱۷۵، ۱۷۹-۱۸٤، ۱۸٦، ۱۸۸-۱۹۱، ۱۹۵-۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱٤-۲۱٦، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲-۲۲۷، ۲٤۳، ۲۵۰-۲۵۳، ۲۵۵-۲٦۱، ۲٦۸، ۲۷۰-۲۷٤.

حرملہ: ۱۲۷، ۱۲۸.

حجر ابن عدی: ۲۰۹.

● خ
امام خمینی رضوان اللہ تعالی علیہ: ۹۶، ۱۸۹، ۲۱۹.
حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا: ۴۹، ۵۰.

● ر
مولانا روم: ۱۰۳، ۱۵۰.

● ز
حضرت زہرا سلام اللہ علیہا: ۱۹، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۸۰-۱۸۴، ۱۸۶-۱۸۸، ۲۰۱، ۲۷۲.
حضرت زینب سلام اللہ علیہا: ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۷۲، ۲۷۴.
زہیر: ۱۰۶.

● س
امام سجاد علیہ السلام: ۸۹، ۱۱۸، ۱۴۲، ۱۶۹، ۱۷۰-۱۷۲، ۲۷۴.
سعدی: ۲۴۵.

● ص
امام صادق علیہ السلام: ۵۴، ۶۸، ۷۵، ۸۲، ۸۸، ۹۹، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۰۵.
صدام: ۲۶۰.

● ط
علامہ طباطبائی: ۳۵.

● ع
حضرت علی علیہ السلام: ۹۱، ۳۸، ۳۹، ۸۳، ۹۱، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۸۶، ۲۳۴، ۲۳۵.

٢٠١، ١٨٦، ٢٣٤، ٢٣٥.
حضـرت علی اکبرعلیہ السلام:
١٠٦، ١٤٠.
حضرت عباسعلیہ السلام: ١٠٦.
عبداللہ ابن زبیر: ٢٦٦.
حضـرت عیسیٰعلیہ السلام: ١٩،
٣٨، ٦٩، ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥،
١٧٧ - ١٨٤، ١٨٦ - ١٩٠،
١٩٢، ١٩٤ - ٢٠٠، ٢٠٢،
٢٠٧.
حضـرت علی اصغرعلیہ السلام:
١٢٨.
عـمـرو ابـن حـمـق
خزاعی: ٢٠٩.
عمر ابن عبدود: ٢٣٩.
عـمـر ابـن سـعـد: ١٢٧،
١٢٨.
عزائیلعلیہ السلام: ٢٥٥.
عبدالمطلب: ٢٦٢، ٢٦٣،
٢٦٧، ٢٦٨.
امام علی نقیعلیہ السلام: ٢٢٦.
●ف
فـرعون: ١٩، ١٤٤، ١٤٧،
١٤٨، ١٥٣، ١٥٥، ١٥٧،
١٦١، ١٦٢، ١٦٥، ١٦٩،
٢١١، ٢٧٢.
●ک
کنعان: ٨٩.
کمیل: ٨٧.
●م
حـضـرت مـحـمـدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:
١٩، ٣٣، ١٦٣ ١٨٣، ٢٣٣،
٢٠٤، ٢١٣، ٢١٤، ٢٤٧.
حضـرت مـریمسلام اللہ علیہا: ١٧٤،
١٧٦، ١٧٧، ١٧٨، ١٧٩،
١٨٠، ١٨١، ١٨٢، ١٨٣،
١٨٧.

حضرت موسیٰ علیہ السلام: ۱۹، ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۶۹، ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۵۷-۱۷۲، ۱۷۹.
معاویہ: ۲۰۹.

●ن
نمرود: ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۵، ۲۱۱.
حضرت نوح علیہ السلام: ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۷-۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۷۶.

●ہ
ہاجرہ سلام اللہ علیہا: ۱۰۸، ۱۲۳-۱۲۶.

●ی
حضرت یعقوب علیہ السلام: ۱۴۷.
حضرت یوسف علیہ السلام: ۱۴۷.

فهرست کتب

●ا

الـكـافـی: ۴۳، ۵۵، ۶۷، ۱۸۴.

اقدار عاشورا: ۱۲.

●ب

بحار الانوار: ۴۵، ۷۱، ۸۳، ۸۷، ۱۰۴، ۱۱۶، ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۶۳.

●ت

تفسیر موضوعی: ۲۰۱.

تفسیر قمی: ۵۳.

تفسیر تسنیم: ۳۹، ۵۳.

●ج

جامعه احادیث الشیعه: ۱۹۹.

●ش

شرح نهج البلاغه ابن

ابی الحدید: ۱۰۲
●عیون اخبار الرضا:
۱۰۱.

●ک
کلیات اقبال: ۵، ۱۱، ۳۲،
۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۳۸، ۱۹۲، ۱۹۶،
۲۱۱، ۲۳۹.
کلیات ساحر: ۱۴۶.
کلیات سعدی: ۲۴۶.

●ق
قرآن: ۷، ۸، ۱۰، ۱۱،
۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷،
۳۸، ۵۷، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۴۴،
۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۷۵،
۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۸۵،
۱۸۷، ۱۹۲، ۲۰۷، ۲۰۸،
۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴،
۲۱۸، ۲۳۰.

●م
مثنوی معنوی: ۴۱،
۱۴۹.
مناقب آل ابی طالب:
۲۲۱.
من لا یحضره الفقیه:
۲۳۸.
مجموعه آثار شهید
مطهری ؒ: ۱۹۹.
موسوعة کلمات الامام
الحسین ؑ: ۱۵۷، ۲۲۳،
۲۲۵، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۵۴.

مفاتیح الجنان: ۵۹، ۸۵،
۲۰۱، ۲۲۶، ۲۳۷.
موسوعة عاشورا: ۱۹۹.

●ن
نهج البلاغه: ۳۵، ۶۷، ۸۷،
۹۱، ۱۰۱، ۱۳۲، ۱۵۳،
۱۹۴، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۱،
۲۴۲.

●و
وسایل الشیعه: ۲۳۵،

فهرستِ منابع و مآخذ

الکافی،ابی جعفر محمد بن یعقوب کلینی،دارلاضواء،بیروت،۱٤۰۵ ه ق۔

بحار الانوار،علامه مجلسی،مکتبه الاسلامیه،بیروت۔

تفسیر موضوعی قرآن سیره پیامبران در قرآن، آیة الله جوادی آملی ،
مرکز نشر اسراء،قم،۱٤۱۷ ه ق چاپ اول۔

تفسیر قمی،علی ابن ابراهیم قمی۔

تفسیر تسنیم، آیة الله عبد الله جوادی آملی ،مرکز نشر اسراء،قم،
۱۳۷۸ ه ش چاپ اول۔

جامع احادیث الشیعه.آیة الله حسین بروجردی

شرح نہج البلاغه، ابن ابی الحدید،تحقیق محمد ابو الفضل ابراهیم،

دار الاحیاء التراث العربی ، بیروت،۱۳۸۵ ہ ق، چاپ دوم۔

عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق،مؤسسه الاعلمی،بیروت،۱۴۰۵ہ ق۔

فاطمة الزهرا ؑ بهجة قلب المصطفیٰ من مهدها الی لحدها

احمد رحمانی همدانی، مؤسسه النعمان،بیروت،۱۴۱۰ ہ ق۔

قرآن مجید

کلیات اقبال اردو، علامه اقبال،شیخ غلام علی پبلیشرز،لاهور۔

کلیات اقبال فارسی، علامه اقبال،شیخ غلام علی پبلیشرز،لاهور ۱۹۹۰

کلیات ساحر لدهیانوی.

کلیات سعدی، مؤسسه انتشارات امیر کبیر ، تهران۔

نهج البلاغه ، سید شریف الرضی

مثنوی معنوی، جلال الدین محمد مولوی، وزارت فرهنگ و ارشاد

اسلامی،تهران ۱۳۷۳ ہ ش۔

مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی۔

موسوعة کلمات الامام الحسینؑ، معهد تحقیقات باقرالعلوم، دارالمعروف، قم، ۱۹۹۵ م چاپ اول

مجموعه آثار، ج ۱۷، استاد شهید مطهری،انتشارات صدرا،تهران ۱۳۷۸ه ش اشاعت سوم

من لا یحضره الفقیه، شیخ صدوق،دارالاضواء، بیروت،۱۴۰۵ ه ق اشاعت ششم۔

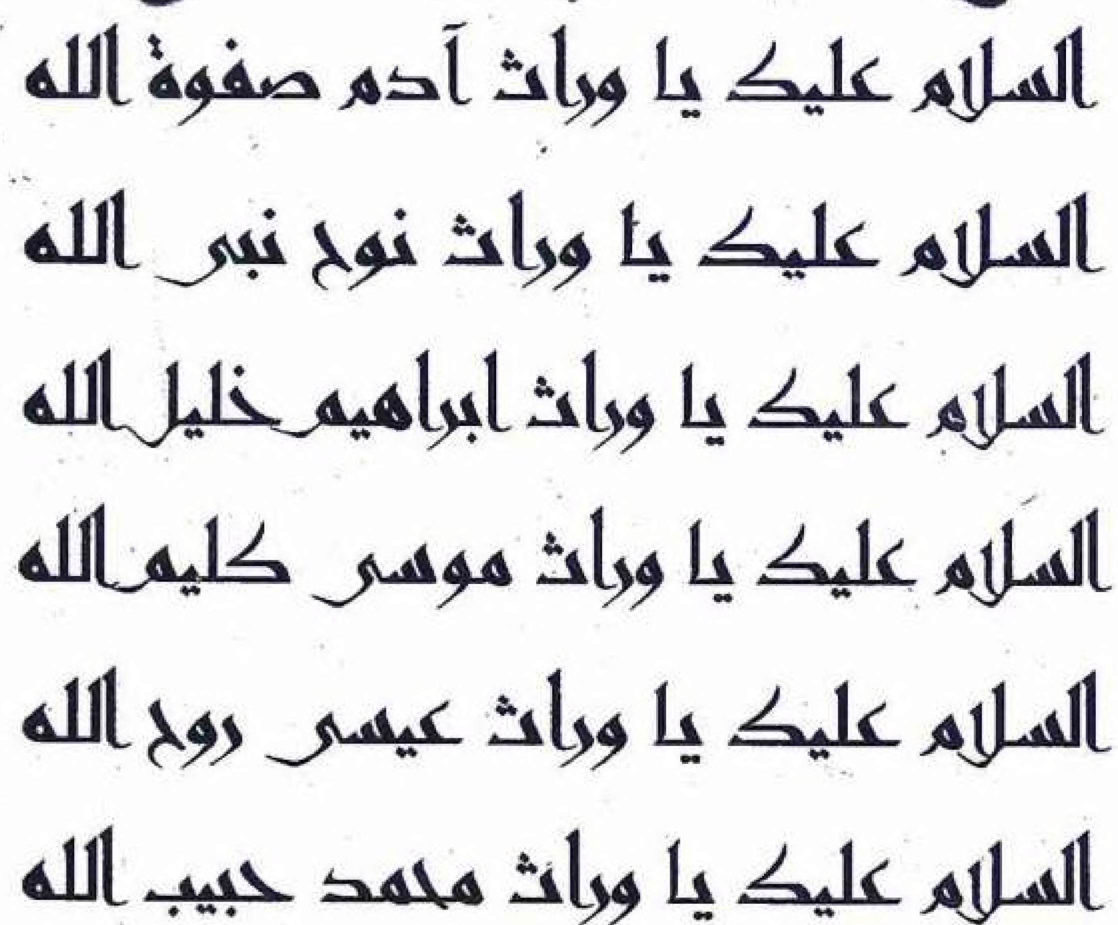
موسوعة عاشورا،جواد محدثی، دارالرسول الاکرم ،بیروت لبنان الطبعة الاولی

مناقب آل ابی طالب، ابن شهر آشوب،مطبعة الحیدریه، ۱۳۷۶ ه ق۔

وسائل الشیعه، محمد بن حسن الحرالعاملی، مؤسسه آل البیت لاحیاء التراث،قم،۱۴۱۲ ه ق چاپ اول۔

حسین

وارث انبیاء علیهم السلام



Office No 4, Plot No 2-B, Sector G-9/2
Islamabad-Pakistan

آفس نمبر4 ، پلاٹ نمبر بی-2 ، سیکٹر جی -9/2
اسلام آباد-پاکستان



Matab ublications